اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی ایک نادر علمی پیشکش

آثار التشریع

المسمّٰی بہ

آثار الفقہ الاسلامی

جلد اول

ضرورت فقہ	عموم فقہ	الفرق بین الرسول والمجتہد	
حقیقت فقہ	اساس فقہ	ورود فقہ	دائرہ فقہ
تدوین فقہ	موضوع فقہ	تجدید فقہ	تاریخ تشریح فقہ
حقیقت تقلید	تاریخ تقلید	تاریخ ترک تقلید	مسائل کی اقسام

[illegible]

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیش کش

آثار التشریع

المسمّٰی بہ

آثار الفقہ الاسلامی

جلدِ اوّل

ضرورتِ فقہ — مقامِ فقہ — الموافقہ بین الحدیث و الفقہ
حقیقتِ فقہ — اساسِ فقہ — درجۂ فقہ — دائرۂ فقہ
تدوینِ فقہ — موضوعِ فقہ — اتباعِ فقہ — تاریخ اتباعِ فقہ
حقیقتِ تلفیق — تاریخِ تقلید — تاریخ ترکِ تقلید — سلفی کی اصطلاح

جیسے اہم عنوانات پر عصرِ حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ——— آثار التشریع الاسلامی

مؤلف ——— حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب

خوشنویس ——— حفیظ الحق صدیقی خانیوال

سال اشاعت ——— ۱۹۹۴ء

صفحات جلد اوّل ——— ۵۱۲

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— ۱۷۵ روپے

ملنے کا پتہ

انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی مانچسٹر ۱۱۴۵ — ۲۷۳ — ۰۱۶۱

پاکستان : دار المعارف ۱۲ دیو سماج روڈ لاہور

۹۲۱۲ — ۷۲۲

فہرست مضامین

ضرورت الفقہ

مقام فقہ

حقیقۃ الفقہ

اساس الفقہ

درجہ فقہ

دائرۃ الفقہ

تدوین فقہ

حنفی مذہب کا شیوع عام

تقلید کی تعریف

موضوع فقہ

تاریخ اتباعِ فقہ

تقلید شخصی کی تاریخ

تاریخ ترکِ تقلید

تقلید کے بعد تلفیق

المصیب فی الاجتہاد

وسعت مذاہب الفقہ

توحید مذاہب الفقہ
فقہی مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش

سلفی کی اصطلاح اور اس کا علمی جائزہ

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

آثار الحدیث

جلد اوّل

:عنوانات:

لفظ حدیث — تاریخ حدیث — موضوع حدیث — ضرورت حدیث

مقام حدیث — اخبار حدیث — قرآن الحدیث — حجیت حدیث

حفاظت حدیث — تدوین حدیث — رجال حدیث — شیعہ اور علم حدیث

اسلوب الحدیث — امثال حدیث — غریب الحدیث

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

الاعتذار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

کس زبان سے اللہ رب العزت کا شکر کریں کہ اس نے تیس سال پہلے کی اس علمی امانت کو منصۂ شہود پر لانے کی توفیق بخشی. حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم نے جب یونیورسٹی طلبہ کے لیے آثار التنزیل اور آثار الحدیث لکھی تو ساتھ ہی آپ نے آثار الفقہ پر بھی کچھ مضامین سپرد قلم کیے تھے. لیکن طرح طرح کی مصروفیتوں اور تسلسل اسفار کے باعث آپ انہیں ایک باقاعدہ کتاب کے طور پر شائع نہ کر سکے. طلبہ اور علماء کو شدت سے آپ کی اس کتاب کا انتظار تھا اور راقم الحروف اس ضرورت اور طلبِ اشاعت میں سب سے آگے رہا.

مجھے حضرت موصوف کے علمی مضامین کو جمع کرنے کا بچپن سے شوق رہا ہے. پھر میں نے ماہنامہ الرشید ساہیوال، الخیر ملتان، خدام الدین لاہور اور دارالعلوم دیوبند میں آپ کے فقہ سے متعلق کچھ اور مضامین بھی دیکھے. الہلال مانچسٹر میں بھی آپ کے اس موضوع پر کچھ قیمتی مضامین چھپے. میں نے آپ سے گذارش کی کہ ان مضامین میں سے بھی کچھ اس علمی دستاویز میں شامل کر لیے جائیں اور آثار الفقہ ان مضامین کی ایک جامع کتاب کی صورت میں سامنے آئے تو اس سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کو مطالعہ اسلامیات میں کافی مدد ملے گی. اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ آپ نے احقر کی اس تجویز کو قبول فرمایا اور احقر کو ان کے جمع و تالیف کی اجازت دی.

کتاب ہذا اصلاً ایک کتاب نہیں. یہ حضرت علامہ صاحب کے ان مختلف رسائل اور مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں لکھے اور وہ پاکستان اور ہندوستان کے مختلف جرائد میں چھپے. یہ علمی جواہر پارے حضرت موصوف کے بیاض میں منتشر اور متفرق تھے

اور دل چاہتا تھا کہ جس طرح حضرت موصوف کے حدیث پر مضامین آثار الحدیث میں ایک جگہ آ گئے ہیں. آپ کے فقہ پر لکھے گئے مضامین بھی آثار التشریع کے طور پر ایک جگہ جمع ہو جائیں. احقر نے اس کام کے لیے قدم بڑھایا اور جہاں جہاں سے جو جو مضامین ملتے گئے احقر انہیں یکجا کرتا گیا اور حضرت کے سامنے پھر انہیں کتاب بنا کر پیش کر دیا.

اُڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہے داستاں میری

ایک کتاب اور ایک مجموعہ مضامین میں بڑا فرق ہے. کتاب میں ایک بات بس ایک دفعہ آتی ہے اور مجموعہ کتب میں ہر کتاب اپنے مضامین میں مستقل ہوتی ہے اور تکمیل مضمون میں بعض وہ مضامین بھی آجاتے ہیں جو دوسرے کسی عنوان میں بھی زیر بحث رہے اور بادی النظر میں یہ بعض مضامین کی تکرار محسوس ہوتا ہے.

اس کتاب میں بھی شاید آپ یہ فرق محسوس کریں لیکن اگر آپ حدیث و فقہ کی کتابوں کو سامنے رکھیں تو آپ کو ان میں بھی یہی انداز ملے گا. صحیح بخاری کو ہی لیجئے ایک روایت اس میں کئی کئی مقامات پر روایت ہوئی ملتی ہیں. صحیح بخاری میں جگہ جگہ بین السطور اشارات ملتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں فلاں صفحات پر بھی گزر چکی ہے.

حضرت امام بخاری تو ترتیب الابواب کے لیے تقطیع حدیث بھی جائز سمجھتے ہیں اور جو ٹکڑا جس مقام کے مناسب جانا اُسے وہاں روایت کر دیتے ہیں.

فقہی مضامین کی اساس حدیث پر ہے. جس طرح ایک حدیث کئی کئی ابواب میں زیر بحث آجاتی ہے. فقہ میں بھی بسا اوقات ایک اصول کی جھلک کئی کئی ابواب میں دیکھی جا سکے گی —— فقہ کا مطالعہ اصول فقہ کے تحت کیا جائے تو اس میں مضامین کا تکرار اور پھر جگہ جگہ ان اصولوں کا انطباق اس جمع و تالیف کا جزو لازم نظر آئے گا.

حضرت علامہ صاحب کے یہ مضامین مختلف پیرایوں میں سامنے آئے ہیں اور آپ اس

ہیں صحیح بخاری کے اسلوب پر چلے ہیں. امام بخاری جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لاتے ہیں تو اسے سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جب آپ فقہاء (جیسے امام حسن بصری، امام ابراہیم نخعی، علامہ شعبی اور امام حماد بن ابی سلیمان وغیرہم) کے اقوال لاتے ہیں تو آپ انہیں اپنی متصل سند سے بیان نہیں کرتے. آپ نے ہر روایت اور ہر قول کو اس متوازن درجہ میں رکھا ہے.

حضرت علامہ صاحب نے بھی جہاں مسائل کی اصولی حیثیت سے بحث کی ہے وہاں آپ نے کتاب وسنت سے قوی استدلال کیا ہے اور جہاں کتاب وسنت کے ان اصولوں کی تگ و تاز ہے، وہاں آپ نے فقہاء ومحدثین کی تصریحات ان کے شخصی اعتماد پر پیش کی ہیں.

حضرت علامہ صاحب کے مسودات میں بیشتر عربی عبارات بغیر ترجمہ کے درج تھیں. احقر نے کوشش کی ہے کہ ساتھ ساتھ ان کے ترجمے لکھ دوں. عربی عبارات کے ترجمہ میں احقر نے لفظی رعایت نہیں کی. آزاد ترجمے میں مفہوم سامنے لانے کی کوشش کی ہے.

ایک کتاب کے مختلف اڈیشنوں کا استعمال

یہ مضامین چونکہ ایک وقت کے لکھے ہوتے نہیں. مختلف وقتوں میں مختلف ضرورت کے تحت لکھے گئے. اس لیے آپ نے ان میں ایک کتاب کے مختلف اڈیشنوں کو استعمال کیا ہے سو اگر آپ کو حوالے ایک اڈیشن کے مطابق ملیں اور دوسرے حوالے اس اڈیشن کے ان صفحات میں نہ ملیں تو اس سے پریشان نہ ہوں وہ حوالہ جات دوسرے صفحات میں ملیں گے ـــ اور ان شاء اللہ آپ کوئی حوالہ خلاف واقعہ نہ پائیں گے.

قرآن کریم میں بھی کئی ایک واقعات مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان ہوئے ہیں اور ہر جگہ تعبیر میں کچھ اختلاف ہے لیکن اسے ہم تکرار نہیں کہتے. یہ مضامین تاسیس کے طور پر مختلف مقامات پر دُہرائے گئے ہیں.

حضرت علامہ صاحب نے بھی قرآن وحدیث کے اس اسلوب کے مطابق بعض اہم مضامین بہ پیرایہ تاسیس دہرائے ہیں. قارئین سے درخواست ہے کہ وہ انہیں اسی پیرایہ میں مطالعہ فرمائیں.

یہ کتاب اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی ایک علمی تاریخی اور تحقیقی پیش کش ہے اُسے کوئی فرقہ وارانہ اور مناظرانہ پیرائے کی کتاب نہ سمجھا جائے. حضرت علامہ صاحب نے طلبہ کے لیے فقہی اختلافات کو ان کے اصولوں اور نتائج کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے اس میں کسی فریق کی تائید یا تردید مقصود نہیں طلبہ کے ذہن کو روشن کرنے کے لیے فقہی اختلافات کو ان کی اصل صورت میں سامنے کر دیا گیا ہے.

مؤلف اپنی اس علمی کاوش میں کہاں تک کامیاب ہے. ہم اس پر قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے. لیکن جو طالب علم یا عالم بھی اس کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرے گا. وہ یقیناً اس نتیجہ میں ہمارا ساتھ دے گا کہ حضرت علامہ صاحب نے دقیق علمی مباحث کو جس تحقیقی پیرائے میں ہدیہ ناظرین کیا ہے وہ آپ کا ہی حصہ ہے.

آپ نے تقریباً ہر موضوع میں مختلف مسالک کے فقہاء ومحدثین کی عبارات پیش کی ہیں. ان کے جامع مطالعہ سے طالب علم اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ مختلف مسالک فقہ اسلامی کی وسعتیں ہیں یہ کوئی جنگ کے میدان نہیں جو لڑنے کے لیے ہموار کیے گئے ہوں. ان مباحث سے غرض مختلف مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے اختلافات کو بڑھانا نہیں طلبہ اسے اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ یہ اسلامی رواداری کی طرف ایک مؤثر قدم ہوگا.

(حافظ) محمد اقبال عفا اللہ عنہ

کلمۂ تشکّر

اللہ تعالیٰ نے اس بندۂ عاجز پر بڑا کرم فرمایا کہ اس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لیے قرآن کریم کے تعارف میں آثار التنزیل اور حدیث کے تعارف میں آثار الحدیث لکھنے کا موقع عطا فرمایا اور پھر فقہ کے تعارف میں آثار التشریع الاسلامی لکھنے کی سعادت بخشی۔ اسلام میں علم کے یہی تین ماخذ ہیں۔ ۱۔ قرآن کریم ۲۔ سنّت اور ۳۔ اجتہاد ــــ سنّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریق عمل کو بھی شامل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ما انا علیہ واصحابی کہہ کر صحابہؓ کو بھی اپنے ساتھ شامل فرما گئے ــــ پھر اجتہاد اگر متفق علیہ درجے کا ہو تو اسے اجماع کہہ دیتے ہیں اور مجتہدین کا اپنا اپنا استنباط ہو تو اسے فقہ کہتے ہیں۔ جو مسائل شریعت اجتہاد کی راہ سے معلوم ہوں وہ بھی عین دین ہیں، کیونکہ انہوں نے کتاب وسنّت کے چشمے سے ہی ظہور پایا ہے۔ سو انہیں بھی اسی درجہ میں مانا جائے گا جس درجہ میں ہم نے کتاب وسنّت سے رہنمائی پائی تھی۔ یہ فریضہ عادلہ ہے جو عمل میں ان کے برابر کا علمی ماخذ ہے۔

سو علم انہی تین دائروں میں ہے۔ ۱۔ آیت محکمہ ۲۔ سنّت قائمہ اور ۳۔ فریضہ عادلہ اس کے سوا جو ہیں وہ واردات ہیں یا بدعات ــــ شریعت نہیں۔

مطالعہ اسلامیات ایک گہرا سمندر ہے۔ پوری عمر بھی اس میں لگے رہیں تو شاید اسے عبور نہ کر پائیں، لیکن ان اصولوں کا سمجھ لینا علماء اور طلبہ کو واقعی یقین کی ایک ایسی سرحد پر لے آتا ہے کہ وہ لاکھوں جزئیات کو نہ جاننے کے باوجود محسوس کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں عوام عالم کے اور عالم اعلم کے سایہ میں چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ان تینوں موضوعات پر لکھنے کی توفیق دی اور آج آثار التنزیل اور آثار الحدیث کے ساتھ آثار الفقہ کی یہ دو جلدیں بھی آپ کے ہاتھ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آثار التنزیل اور آثار الحدیث کو جو قبولیت بخشی احقر ابتدا میں اس کا اندازہ نہ کر سکتا تھا۔ ابتداءً میرا ذہن یہی تھا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لیے اسلام کے ماخذ علمی کا ایک تعارف ہو گا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ آج مدارس عربیہ کے طلبہ بھی ان سے اسی طرح استفادہ کرتے ہیں جس طرح یونیورسٹیوں کے طلبہ اور دفاتر کے علم دوست حضرات اور جج اور وکلاء صاحبان وغیرہم۔

تصنیف و تالیف کی اس خدمت نے احقر کو تبلیغی اسفار سے نہیں روکا۔ امریکہ، کینیڈا، پاکستان، بنگلہ دیش، جزائر غرب الہند، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور جزائر فجی کے دوروں میں بھی احقر لکھنے کے لیے کچھ اوقات نکالتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت عمل میں ہمیشہ کوئی کھلی لائبریری سامنے نہ ہو سکتی تھی۔ سوان حالات میں زیادہ مدار زبانی یادداشت پر رہا۔ کسی مقام پر کوئی تشنگی محسوس ہو تو اسے اس صورتِ حال کی معذوری سمجھیں۔ یہ نہیں کہ اس موضوع پر اور مواد ہمارے سامنے نہ تھا۔

مضامین کو جمع کرنے اور ان کی نقلیں فراہم کرنے میں جو خدمت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی نے سرانجام دی احقر ان کا تہ دل سے ممنون ہے۔ پروف ریڈنگ میں جناب حافظ اطہر عزیز ایم اے اور محمود احمد خاں سوری کی خدمات آثار الفقہ کی ایک تاریخ ہیں اور اس کی طباعت اور نشر و اشاعت کی جو خدمت عزیز محترم احسان الحق خاں نے سرانجام دی ہے احقر ان کا صمیم قلب سے شکر گزار ہے اور حقیقی شکر کے لائق وہ دستِ قدرت ہے جس نے ان اسباب سے یہ مختلف کام لیے اور آج یہ علمی مرقع آپ کے ہاتھ میں ہے۔

دعا کیجئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان تین ماخذ علمی کے تعارف کی سعادت بخشی۔ اللہ تعالیٰ آثار الحسان فی علم الاحسان کی تکمیل کی بھی توفیق دے۔ اس کا موضوع اعمال قلب ہیں جس طرح فقہ کا موضوع اعمال بدن ہیں علم احسان اعمال قلب سے بحث کرتا ہے اور یہی علم ہے جس سے دل کے زنگ دھلتے ہیں۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان فطری طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ دیگر جانوروں کی طرح یہ اکیلا نہیں رہ سکتا۔ اپنے ابنائے جنس (دوسرے انسانوں) کا محتاج ہے اور آپس اپنے دُنیوی اُمور باہم ترتیب دینے کے لیے دوسرے انسانوں کی ضرورت ہے اور لین دین سے معاشرہ بنتا ہے اور زندگی کی یہی ترتیب تمدّن کہلاتی ہے۔

انسان جہاں بھی رہے یا بسے ہیں وہاں باہمی تعلقات کا ایک ضابطہ ذہنی طور پر ازخود ترتیب پا جاتا ہے۔ اس میں انسان اپنے اعمال اور ضرورات کی مکمل دیکھ بھال کرتا ہے اپنے رہنے کو سنوارتا ہے۔ اس تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کے بعد وہ علاقے اور شہر کے دوسرے ابنائے جنس سے تعلقات بڑھاتا ہے اور شہری اور ملکی اُمور میں اپنے حالات کے مطابق دخل دیتا ہے اسے سیاست مُدن (شہروں کی سیاست) کہتے ہیں۔

ہر دور میں اہلِ فکر نے انسانی مشترک زندگی کو بہتر بنانے کے لیے مشورے کیے ہیں اور باہم مجلسیں بھی کی ہیں۔ انہی مجالس سے آگے تمدن کے برگ و بار پھوٹے ہیں اور پھر یہیں سے اسمبلیاں بنی ہیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے ممالک زمانہ قدیم سے متمدن چلے آرہے ہیں۔ اولی الامر بدلتے رہے اور تہذیبیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ دنیا کے بیشتر خطے بڑے بڑے انقلابات سے دوچار ہوئے۔ قومیں اُٹھتی بھی رہیں اور مٹتی بھی رہیں کتنی قومیں اس طرح پیوست خاک ہوئیں۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قرآن کریم میں ہے :-

وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل۔ آیت ۱۷)

ترجمہ۔ اور ہم حضرت نوح کے بعد اور کتنی قوموں کو پیوستِ خاک کر چکے ہیں۔

سینکڑوں وہ سر جن پر سیادت کے تاج رکھے ہوئے تھے۔ انقلابات کی ٹھوکروں سے پامال ہوئے ـــــ روم کی ایک اپنی تہذیب تھی اور ایران کا ایک اپنا تمدن تھا۔ یونان

علوم و فنون کا گہوارہ تھا اور مصر کی ایک اپنی ثقافت تھی. فراعینِ مصر ہوں یا خواقینِ چین، براہمۂ ہند ہوں یا افغانِ خوانین، سب کی اپنی اپنی تاریخ ہے اور اپنی اپنی روایات. لیکن سب کے دساتیر و قوانین انسانی فکر و نظر کا حاصل ہیں — ہر موڑ پہ انسانی تجربات کی ایک نئی نمائش لگی. ضابطے ٹوٹتے رہے اور قوانین بدلتے رہے۔

صرف عرب کی صحرائی آبادیاں تمدّن سے ناآشنا رہیں۔ وہاں کوئی معاشرتی یا سیاسی نظام نہ تھا. بے آب و گیاہ صحراؤں میں قافلے چلتے رہے اور صحرائی جہازوں کی قطاریں آبادیوں کی آبادیوں کو ادھر اُدھر کرتی رہتیں. جہاں انہیں گھاس اور پانی نظر آئے وہیں وہ ڈیرے ڈال دیتے تھے — مکہ کے چھوٹے سے شہر میں ایک اللہ کا گھر تھا. جس کے متولی ان رستوں میں امن کے حقدار سمجھے جاتے تھے. ان کی تاریخ میں کوئی ایسا بڑا آدمی نہ گذرا تھا جس کی لوگ ہیرو ورشپ کرتے ہوں اور اسے اپنا سیاسی باپ سمجھتے ہوں جاہلی تصوّر رہیں۔ وہ اپنی یہ عقیدتیں اپنے بنائے بتوں پہ سرشار کرتے اور انہیں انبیائے سابقین کا منظہر سمجھتے اور بس — فکری روشنی وہاں کوئی نہ تھی.

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے وہاں ایک قوم اُٹھی. منتشر انسانی افراد میں جوڑ پیدا ہوا. پہلے انسانوں کی یہاں ایک بھیڑ تھی. اب وہ ایک قوم بنے۔ اُن میں ایک تہذیب اُبھری اور جو لوگ اس نبی اُمّی کی قیادت میں اُٹھے اُن کا ایک معاشرہ بنا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرے کی تربیت جن اصولوں پہ کی وہ اس قوم کا ضابطہ اخلاق ہے اور جس پیرائے میں یہ لوگ خدا کے آگے جھکے وہ ان کا دین قرار پایا.

جب یہ لوگ مدینہ چلے آئے تو ان کی ایک اپنی ریاست قائم ہوئی۔ مدینہ کی سلطنت ایک خود مختار ریاست بنی۔ پھر مکہ فتح ہوا اور پہلی دفعہ عرب ایک عظیم سلطنت بن کر اُبھرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس قوم کو عقائد اور عبادت کے طریقے

بتائے۔ اسی طرح انہیں آداب زندگی سکھاتے۔ معاشرت اور معیشت، سیاست اور امارت لین دین اور مارکیٹ، ہر دائرۂ زندگی میں وحی کا نور داخل کیا اور اسلام ایک جامع نظام حیات کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا جس میں آداب بندگی بھی تھے اور آداب زندگی بھی —— اسلام میں سیاست کی تعریف یہ ہی:۔

السیاسۃ ھی القانون المحافظ للحقوق الالٰھیۃ والانسانیہ۔

اسلام میں قانون کی اساس انسانی ضرورت، معاشرتی سہولت، فطری تقاضوں، شرافت انسانی اور طاعت ربانی پہ رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ان سب میں یہ پانچ امور ملحوظ رہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو کچھ کیا اور فرمایا اس میں ان پانچ امور کی رعایت موجود رہی۔ آگے مجتہدین بھی کتاب و سنت کی روشنی میں انہی اصولوں پر چلے ہیں اور ان کی محنت اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری لگی کہ یہ درست بات نہ بھی پاسکیں تو اللہ تعالیٰ سے ایک اجر کے مستحق قرار پائے اور درست بات پانے والوں کو دگنے اجر کی بشارت دی گئی۔

دین میں یہ محنت کرنا اور علم میں ان اصولوں کی روشنی میں چلنا تفقہ کہلاتا ہے۔ اسلام میں قانون سازی کی اساس کتاب و سنت کے بعد اسی فقہ پہ ہے۔

نامناسب نہ ہو گا اگر ہم دنیا کے دوسرے ضوابط زندگی پہ بھی ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں جو انسانوں نے اپنے عقل و تجربہ کی روشنیوں میں اور مختلف الانواع اسمبلیوں میں بیٹھ کر طے کیئے ہیں اور انہیں انسان کے فطری تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے دیکھیں کیا ان میں کوئی مجموعہ قوانین ہمارے ذکر کردہ پانچ اصولوں سے مطابقت کرتا ہے؟ کسی سیکولر سٹیٹ کے مجموعہ قوانین میں ہمیں ان پانچ امور کی رعایت نہ ملی۔ اُن کے فضلاء سے پوچھا تو سبھی اس تلاش میں تھکے نظر آئے ہے

حسرت ہے اس مسافر بےبس کے حال پہ   جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

فطرت نے انسانوں میں بھوک پیاس نیند اور آرام کی طرح ایک جنسی تقاضا بھی پیدا کیا ہے۔ یہ جنسی تقاضا شرف انسانی قائم رکھ کے پورا ہو تو اسے نکاح کہتے ہیں۔ نکاح کامیاب نہ ہو سکے اور فریقین کی طبیعت نہ ملے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہ چل سکیں۔ تو پھر علیحدگی بھی ہو سکتی ہے اسے طلاق کہتے ہیں۔

اب دیکھیے اگر کوئی لڑکی بیس پچیس سال کی عمر میں بیوہ ہو جاتی ہے تو ہندو دھرم میں اسے دوسری شادی کی اجازت نہیں۔ اب ساری عمر وہ غیر فطری زندگی بسر کریگی۔ بیچاری کا خاوند کیا مرا وہ خود بھی مر گئی۔ زندگی کے اس ہولناک مستقبل کا سامنا نہ کر سکنے والی عورتیں عموماً خاوند کی میت کے ساتھ ہی ستی ہو جاتیں اور اس ستی زندگی سے بچی رہتیں جو پنڈت ان کے لیے تجویز کرتے تھے ـــــ اسلام نے نکاح بیوگان کی اجازت دے کر انسان کی فطری قدروں کی تکریم کی۔ گو وہ ایک عام بیوہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔

عیسائیوں نے طلاق کی راہ بند کر کے فریقین کی نہ ملنے والی طبیعتوں کو ہمیشہ کے لیے کانٹوں کی تلخی میں جکڑ دیا۔ غیر فطری قوانین کی چکی چلتی رہی۔ اور انسان اس میں پستے رہے اسلام نے طلاق کو ابغض المباحات تو کہا کہ جلدی یہ قدم نہ اٹھاؤ لیکن اس کی باعزت اجازت دے کر انسان کی فطری قدروں کی عزت رکھ لی۔ انسان کو یہ رعایت کسی بادشاہ یا سلطنت نے نہیں دی خود رب العالمین نے دی ہے۔ لالہ بیجناتھ نے دھرم شاستر کی شرح لکھی ہے اس میں وہ مسلمانوں کے بارے میں لکھتا ہے:۔

> پروردگار عالم نے ان کو قانون مکمل صورت میں مرحمت فرمایا ہے کسی بادشاہ کو قانون وضع کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ بیش بہا ذخیرے (فقہ) کی موجودگی میں بادشاہِ وقت کا کوئی کام وضع قوانین کے متعلق باقی نہیں رہتا۔

اسلام میں انسان پر انسان کی حکمرانی نہیں۔ انسانوں کے پیدا کرنے والے کا قانون چلتا ہے۔

دھرم شاستر میں معاشرت کی ایک جھلک

عام شادی جس طرح انسانی معاشرے میں پائی جاتی ہے اُسے اردو میں ازدواج کہتے ہیں۔ ہندو شاستر میں ازدواج کی کئی قسمیں ہیں ا۔

۱. گاندھرو ازدواج ۲. اسورا ازدواج ۳. پیتیار ازدواج

اسی طرح دھرم شاستر میں بیٹوں کی قسمیں ہیں:۔

۱. کشتراج ۲. گودھاج ۳ کانتی بیٹا

اب ہم ان کی کچھ تفصیل بھی ساتھ کیے جاتے ہیں:۔

(۱) گاندھرو ازدواج۔ اسے مسلمانوں میں متعہ کہتے ہیں۔ اس میں مرد اور عورت محض حظ نفسانی کے لیے آپس میں تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اس میں شرفِ انسانی کی کوئی رعایت نہیں رہتی۔

(۲) لڑکی کے باپ کو معاوضہ دے کر لڑکی رکھنا اسورا ازدواج کہلاتا ہے۔

(۳) لڑکی کو ہوش نہ ہو اور اپنا کام کر جانا پیتیاج ازدواج کہلاتا ہے۔

جو لڑکا کسی کنواری سے پیدا ہو وہ اپنے نانا کی ملکیت سمجھا جائے گا وہ کانتی بیٹا کہلائے گا۔ عورت کا بیٹا پہلے شوہر سے ہو وہ کشتراج کہلائے گا۔

بیوی کسی غیر مرد سے بچہ جنے وہ بچہ اس خاوند کا گودھاج بیٹا کہلائے گا۔

دھرم شاستر کی یہ چند جزئیات ہم نے لالہ بیجناتھ کی شرح سے نقل کی ہیں۔ دھرم شاستر قانونِ وصیت سے یکسر خاموش ہے۔ برہمن اولاد میں سب سے بڑے بیٹے کو باپ کا وارث کرتے ہیں۔

مشہور مقنن مولن کے قانون کی چند جزئیات

(۱) اگر کوئی شخص روپیہ قرض لے کر زمین خریدے تو اس قرض کا ادا کرنا اس کے لیے

ضروری نہیں. قرض بنیادی ضرورتوں (کھانے پینے وغیرہ) کے لیے تو لیا جا سکتا ہے لیکن زمین خریدنے کے لیے نہیں —— خریدی زمین اب مالک روپیہ کی ہوگی —— خریدنے والے کی نہیں.

(۲) اگر کوئی شادی شدہ مرد حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں تو بیوی کو حق ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں میں سے کسی سے متمتع ہو اور اولاد اس پہلے خاوند کی ہی سمجھی جائے گی. ہندوؤں میں یہ خدمت برہمن سر انجام دیں تو اسے نیوگ کہتے ہیں.

ساسانیوں کا معاشرتی قانون

ڈنمارک کی کوپن ہیگین یونیورسٹی کے پروفیسر آرتھر کرسٹین نے ساسانی تمدن پہ ایک جامع کتاب لکھی ہے. ڈاکٹر اقبال مرحوم سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے. اس میں بتایا گیا ہے کہ وہاں شادیاں دو قسم کی ہوتی تھیں ایک مستقل اور ایک عارضی مستقل شادی کے میاں بیوی کے لیے پہلوی زبان میں شوہر اور زن کے الفاظ استعمال ہوتے تھے لیکن عارضی شادی کی صورت میں شوہر اور بیوی کے لیے میرگ اور زیانگ کی قانونی اصطلاحات تھیں.[1]

فتح اسلام سے پہلے ایران میں یہ جو عارضی شادی تھی. فتح اسلام کے بعد اسے متعہ کا نام دیا گیا. یہ ایرانی متعہ اس نکاح موقت سے بہت مختلف تھا جو بعض جنگی حالات کے تحت عربوں میں رائج تھا. اس کا مقصد صرف جنسی تسکین نہیں اس کی معاشرتی خدمت بھی ہوتی تھی. وہ عارضی بیوی اس کے گھر کی بھی محافظ ہوتی اور اس کے لیے کھانا بھی بناتی تھی.

فتحفظ له متاعه وتصلح له شیاء.[2]

عورت سے یہ فائدہ اٹھانا (تمتع) عارضی ہوتا تھا اسے متعہ کہتے تھے.

---

[1] قانون ساسانی جلد ۱ ص ۳۶ ص ۳۷ [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۳

اسلام نے جس طرح دیگر کئی برائیاں تدریجاً ختم کیں اس متعہ کو بھی حرام قرار دیا۔ تاہم اس نکاح موقت میں باقاعدہ گواہ ہوتے تھے اور یہ صرف تسکین جنسی کا سامان نہ تھا۔ ایرانی متعہ اس سے یکسر جدا ایک دوسری صورت عمل تھی۔ اس میں کوئی گواہ نہ ہوتے تھے نہ عورت وارث ہو سکتی تھی۔

مسٹر الیف۔ ایم اپنے مقدمہ تفسیر القرآن میں پہلے ہندو معاشرت کا نقشہ کھینچتا ہے اور پھر ایرانی معاشرت کو اس سے بھی آگے کا ایک عمل بتاتا ہے :-

> ویدک زمانے میں کثیر الازدواجی ہی نہیں بلکہ ایک عورت کو بھی ایک ہی حالت میں کئی کئی شوہروں کے کرنے کی اجازت تھی۔ چار سگے بھائی ایک ہی بی بی پہ بس کرتے تھے۔ رگ وید میں متعہ بھی جائز تھا۔[۱]

اور پھر آگے جا کر لکھتا ہے :-

> ایرانی معاشرت ہندوستان سے بھی کئی درجہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ہندوستان میں تو صرف اس قدر تھا کہ چار بھائی ایک ہی عورت سے شادی کر سکتے تھے ...... مگر ایران میں صلبی تعلقات پر بھی مٹی پڑ گئی تھی ...... ایران میں اس قبیح رسم کو کوئی عیب نہیں گنا جاتا تھا۔[۲]

ایران میں اس ساسانی معاشرت کے اثرات دیر تک باقی رہے۔ ڈنمارک اور انگلینڈ میں دو مردوں کی شادی کا قانون ابھی ابھی بنا ہے۔ یہ قدیم ایرانی تہذیب کے ہی اثرات ہیں۔

مشہور مؤرخ ابو محمد حسن بن موسےٰ نوبختی جو تیسری صدی کے آخر میں گزرا ہے۔ اُس نے فرق الشیعہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ مرکز انتشارات علمی میراث ایران نے اس کتاب کو ایران سے شائع کیا ہے۔ اس میں نوبختی لکھتا ہے :-

> ہم بستر شدن با نزدیکان و خویشاں را از زناں و امرداں جائز دانند۔[۳]

---

[۱] مقدمہ تفسیر القرآن صفحہ ۱۳۰ [۲] ایضاً صفحہ ۱۳۲ [۳] ترجمہ فارسی صفحہ ۱۲۳

یہ لوگ اس شرمناک معاشرت کو اس آیت سے سند فراہم کرتے تھے :-

او یزوجهم ذکرانًا وانا ثًا۔ (پ ۲۵ شوریٰ آیت ۵۰)

ترجمہ۔ اور خدا ان کے جوڑے بناتا ہے مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی۔ (استغفراللہ)

یہاں لفظ تزویج اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے۔ انہوں نے اسے اصطلاحی معنی میں لے کر بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی۔

اسلام کی تیسری صدی تک جاہلی معاشرت کے یہ اثرات کسی نہ کسی صورت میں باقی رہے۔

اسلام نے ان جاہلی قوموں کی پست معاشرت کے خلاف ایک اخلاقی انقلاب پیش کیا اور ان کی زندگی وہ مالیات سے متعلق ہو یا عام معاشرت سے معیشت سے متعلق ہو یا عام آداب منزل سے اسے ایک اخلاقی درجہ دیا اور زندگی کے مختلف ابواب کو اس عدل و انصاف اور اس شرافت سے مرتب کیا کہ جاہلیت اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔

یہ صحیح ہے کہ جن ممالک میں اسلام کی دعوت عام نہیں ہوئی ان میں اب بھی ادائے جاہلیت کے شرمناک جلوے موجود ہیں۔

برطانیہ کا ملکی قانون

یُوں تو برطانیہ ایک مملکت ہے اور تاجِ برطانیہ ملکہ الزبتھ کے سر پہ ہے جو چرچ آف انگلینڈ کی محافظ بھی ہے۔ مگر بائبل کے اس حکم کے تحت کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دو برطانیہ ایک سیکولر سٹیٹ ہے۔ سیکولر سٹیٹ میں نظام ہمیشہ انسانوں کے وضع کردہ قانون کے تحت چلتا ہے جب کہ مذہبی سلطنتوں میں قانونِ آسمانی سائے میں مرتب ہوتا ہے۔ برطانیہ میں قانون پر کیا گزری اور انسانوں کو اس کی غیر فطری خواہشات نے کس قعرِ مذلت میں گرا دیا ہے۔ اس کی ایک جھلک ان خبروں میں دیکھیے۔

> لندن میں پندرہ ہم جنس پرستوں نے آپس میں شادی کرلی۔ رپورٹ کے مطابق یہ پندرہ جوڑے میٹروپولیٹن چرچ میں جمع ہوئے جہاں امریکہ کے ایک نامور پادری فادر برنارڈ لسنچ اور ریورنڈ جین وہائٹ نے انہیں رشتہ ازدواج میں باندھا۔[۱]

ڈنمارک کی حکومت کا فیصلہ

روزنامہ جنگ لندن نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں لندن ٹائمز کے حوالے سے یہ خبر شائع کی تھی :-

> ڈنمارک کی حکومت نے لواطت پرستوں کی شادی کو سرکاری تحفظ دینے کا اعلان کیا ہے۔ جو یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء سے شروع ہو چکا ہے۔ اس تحفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو مردوں نے آپس میں شادی رچالی ہے اور یہ شادی رجسٹرار کے دفتر میں ہوئی۔ جہاں شادی کے سرٹیفکیٹ بھی جاری کیے گئے اور مزید

---

[۱] روزنامہ جنگ لندن ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء

دس جوڑوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔

؎ پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

جو قانون غیر الہٰی بنیادوں پر قائم ہوگا انجام کار وہ غیر انسانی اور غیر فطری باتوں کی پرورش کرے گا۔ جہاں اخلاقیات پر مذہب کی گرفت نہ ہو وہاں یہی حاصل ہوتا ہے۔

رومن لاء کی بنیاد

رومن لاء، قدیم قوانین یونان کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس قانون پر تین دور گزرے ہیں!

(۱) سلطنتِ روما کی بنیاد سے لے کر دوازدہ الواح کی تدوین تک۔

آگسٹس کی سلطنت قائم ہونے تک یہ دور رہا۔

(۲) دوسرا دور ۴۵۰ ق م سے ۳۰ قبل مسیح تک رہا حالات کچھ رُخ اختیار کریں دور اسی طرح رہتا۔

(۳) اور تیسرا دور ۳۰ ق م سے ۵۵۷ء تک رہا۔

دُنیا کے دوسرے قوانین کے مقابلہ میں رومن لاء کچھ زیادہ وقیع اور جامع ہے۔ مگر اس میں بھی اتنی ناہمواری پائی جاتی ہے کہ اس میں رفاہ عام کی کوئی صورت نہیں نکلتی۔ سر ولیم جونس لکھتا ہے :-

> رومن لاء ایک وسیع بے ڈھنگے خرافات قانون کا مجموعہ ہے۔ یہ مدت جدید تک ناقابل عمل رہا۔ اس کا فوجداری قانون قومی خصوصیات پر مشتمل ہے اور اس قابل نہیں کہ قانونی مفسرین اسے رفاہِ انسانیت تک لے جاسکیں۔

آر۔ ڈبلیو لیچ اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

> ابتداءً روما میں قانون کا عمل اور اس کی تشریح کلیۃً احبار کے ہاتھ میں تھی۔ احبار مذہبی علماء کو کہتے ہیں ـــــ پال نے جب عیسائیت کو موجودہ شکل دی تو اس نے سب سے پہلے دنیوی قانون کو مذہب کے اثر سے آزاد کیا۔

اس کے بعد عیسائی سلطنتوں پر اس راہ میں کیا گزری اس کی ایک جھلک آپ اُوپر دیکھ آئے ہیں۔

سلطنت روما کے زوال پر پھر جو قوم دُنیا میں ایک عظیم طاقت بن کر اُٹھی وہ مسلمان ہیں۔ وہ کسی ایک ملک سے خاص نہیں ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کا قانونِ عدالت

مسلمانوں کے ہاں مذہب صرف عبادت تک محدود نہیں۔ اس کا ایک اپنا ضابطہ اخلاق ہے جس سے مسلمانوں کی معاشرت بنتی اور ان کے آپس میں حقوق قائم ہوتے ہیں۔ اسلام میں سب سے بڑا حاکم بھی مطلق العنان نہیں ہوتا کہ اس کی باگ ہر طرف آزاد کھلی ہو وہ خدا کا نائب کہلاتا ہے اور الٰہی قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔

مسلمانوں کا قانونِ عدالت اس انسانی عظمت کا حامل ہے کہ اس میں بڑے چھوٹے کی قید نہیں۔ امیرالمؤمنین بھی اسلامی قانونی عدالت میں برابر کا جوابدہ ہے۔ اُونچی اور نچلی سوسائٹی کے لوگ قانون کی نظر میں سب ایک جیسے ہیں۔ اسلام میں اُونچ نیچ کا کوئی شرعی فاصلہ نہیں۔ کالے اور گورے۔ امیر اور غریب کی کوئی تقسیم نہیں۔

الناس شریفهم و وضیعهم فی دین الله سواء۔

ترجمہ: لوگ اُوپر کے درجے کے ہوں یا نچلے طبقہ کے اللہ کے قانون میں سب برابر ہیں۔

اسلام کے قوانین فطرت کے مطابق اخلاق فاضلہ کے حامل اور امن و انصاف کے تمام تقاضوں کو شامل ہیں۔ انسانی قانون کی شان جامعیت اور نوامیس فطرت کی پوری رعایت نے قوموں کی قوموں اور ملکوں کے ملکوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ اب تک بنی نوع انسان کو کوئی ایسا ضابطہ قانون نہ ملا تھا جو فطرت کے تمام تقاضوں اور ہر ملک و قوم کے لیے ہر زمانہ اور ہر حالت میں برابر کا نفع بخش رہا ہو ـــــ تاریخ کے مختلف موڑوں پر حکمرانوں اور دانشوروں

نے قوانین و دساتیر کے بڑے بڑے خاکے تیار کیے اور بڑے بڑے تجربہ کاروں اور مدبروں نے انہیں عملی صورتیں بخشیں۔ مگر حالات نے جب بھی کروٹ بدلی ان قوانین وضوابط میں انہیں خود ہی ترمیمات کرنی پڑیں۔ یہ صرف الٰہی ضابطۂ قوانین ہے جو ہر اندیشۂ ترمیم سے محفوظ ہے۔

دُنیا کا سارا فساد خود غرض عقل کی پیداوار ہے

انسان جب مل جُل کر رہتے ہیں تو اُن کے مفادات کبھی ٹکرا جاتے ہیں۔ انسان اپنے مفاد کے حصول یا تحفظ کے لیے اپنے دوسرے ابنائے جنس سے ٹکراتا ہے اور غرضمندانہ عقل اس کے لیے نئی نئی راہیں کھولتی ہے۔ مفادات کے اسی ٹکراؤ سے آپس میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے لیے ایسی عدالت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا اپنا مفاد ان دونوں کے مفاد کو نفیاً یا اثباتاً کسی طرح نہ چھُوتا ہو۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ اصول کیا ہے جس پر یہ عدالت فیصلہ کرے گی؟

کیا عقل و تجربہ ایسے قوانین مرتب کر سکتے ہیں جو بنی نوعِ انسان کے اس مفادات کے ٹکراؤ کو روک سکیں؟ اور کیا یہاں کوئی ایسا انسان مل سکتا ہے جس کے اپنے عمل کی بُنیاد یکسر جذبات سے بالا ہو؟ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ملے گا۔ عقلِ انسانی اس فساد کو روک نہیں سکتی کیونکہ یہ فساد تو پیدا ہی اس غرض مندانہ عقلِ انسانی نے کیا تھا ـــــ یہاں انبیاء کے سوا کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا گیا جس کے دل و دماغ پر ہر وقت خدا کی حفاظت کا پہرہ ہو۔

رفع فساد کی واحد راہ آسمانی ہدایت کو قبول کرنا ہے

ان حالات میں رفع فساد کی کوئی اور صورت نہیں بجز اس کے کہ تشریع (قانون سازی) کے لیے کتاب وسنت کو سرچشمہ علم تسلیم کیا جائے۔ آنحضرتؐ کے مختلف طریقِ عمل سامنے آئیں تو صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھا جائے کہ وہ ان میں کون سی تطبیق کی راہ قائم کرتے ہیں اور جو چیز

کتاب وسنت اور آثار صحابہ میں نہ ملے اس میں اگر پہلے مجتہدین اجتہاد کر چکے ہیں تو انہیں لے لیا جائے تاکہ نئے نئے اجتہادات سے امت میں مزید انتشار نہ ہو ـــــ اور جن مسائل میں پہلوں سے اجتہاد نہیں ملتا ان میں پہلے مجتہدین کے طے شدہ اصول فقہ کو دیکھا جائے اور ان کی روشنی میں اس وقت کے اہل علم اور اہل تقوے مل کر کوئی راہ عمل تجویز کرلیں۔ یہ بھی اصولاً آسمانی روشنی سے تمسک ہوگا۔ اسلامی قانون کی یہ وہ شاہراہ ہے جو کبھی خشک نہ ہوگی اور علم وبصیرت کا یہ ایک ایسا گھاٹ ہے جس سے تشنگان علوم دینی قیامت تک سیراب ہوتے رہیں گے اور کوئی نیا فرقہ پیدا نہ ہوگا۔ امت کا ہر طبقہ اپنے پہلوں سے تسلسل میں رہے گا۔ اور قافلہ امت اسی طرح آگے بڑھتا رہے گا۔

فقہ اسلام پر کوئی شخص اس تاریخی ارتقاء کے ساتھ نظر کرے گا تو اسے اسلام واقعی ایک جامع اور کامل ومکمل نظام حیات نظر آئے گا اور اگر کوئی شخص کتاب وسنت پر آکر رک جائے، آگے نہ آثار صحابہؓ کو لے اور نہ اسلام کے پہلے سپریم کورٹوں کے فیصلوں کو کوئی اہمیت دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے ہزاروں نئے اختلافات کا دروازہ کھول رہا ہے۔ سو یہ حق خود لے رہا ہے کہ جو چاہے فیصلہ کرے۔

اس راہ سے اب ایک نہیں ہزاروں نئی فقہیں جنم لیں گی۔ جتنے نئے ذہن ہوں گے اتنی نئی سوچ ہوگی اور وقت کے تمام جج کتاب وسنت کے سمجھنے اور اُن کے بعد کے مسائل غیر منصوصہ کو حل کرنے میں جب اپنی اپنی سوچ پر چلیں گے تو سینکڑوں نئی راہیں پیدا ہوں گی اور حضورؐ کی امت عجیب ذہنی انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ اقبال مرحوم نے انہی لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہا تھا۔

ز اجتہادِ عالماں کوتاہ نظر　　　اقتدار رفتگاں محفوظ تر

پاکستان کے ایک دانشور نے اس موضوع میں ایک سوال اُٹھایا ہے کہ یہاں ائمہ اربعہ میں سے کس کی فقہ پر شرعی فیصلے کیے جا سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں اس سوال کا جواب تین سو

سال پہلے دیا جا چکا ہے۔ جب سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ نے پورے ہندوستان کے لیے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا۔ اس ملک میں چونکہ اور فقہوں کے پیرو نہ تھے اس لیے یہاں اسلامی قانون کی اساس فقہ حنفی پر رکھی گئی اور مسلمان اسی راہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل پیرا ہونے کی اُمیدیں باندھے ہوئے تھے۔

پھر ائمہ اربعہ کے پیرو اصولاً ایک دوسرے کو غلطی پر نہیں سمجھتے۔ چاروں اماموں کو اصولاً اور اعتقاداً ایک سمجھتے ہیں۔ سعودی عرب کی حکومت حنبلی فقہ کے مطابق ہے۔ کیا آپ نے کبھی دیکھا کہ وہاں حنفیوں نے کبھی اختلافی نعرے لگائے ہوں؟ نہیں ـــــ ان مذاہب اربعہ میں آپس میں اختلاف تو ہے خلاف نہیں اور اختلاف بھی حق و باطل کا نہیں صواب و خطا کا ہے اور خطا بھی کسی درجے میں لائق سزا نہیں۔ بلکہ صحیح حدیث کی روشنی میں مستوجب اجر ہے ـــــ سو ہمیں اس سوچ میں کبھی کوئی تشویش نہیں ہوتی کہ ان چار فقہوں میں ہم کس راہ سے حضورؐ کے دین تک پہنچ سکیں گے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے لیے آپ چاروں طرف سے جا سکتے ہیں۔ مگر منزل ایک ہونی چاہیئے۔

پھر وہ صاحب شیعہ اور سُنّی فقہ پر آ گئے کہ کیا اُن میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے جیسا حنفیوں مالکیوں شافعیوں اور حنبلیوں میں ہے ـــــ ہم نے کہا نہیں ان کا اختلاف فروعی ہے اور شیعہ اور سنّی اختلافات اصولی ہیں، مگر یہ بھی کوئی لاینحل گرہ نہیں۔ ان اختلافات کو ملحوظ رکھ کر اکثریت اور اقلیت کے فیصلے کیے جا سکتے ہیں۔ ملکی قانون اکثریت کی فقہ کے مطابق ہو اور ہر اقلیت کو اپنے دائرہ میں اپنی اپنی فقہ پر عمل پیرا ہونے دیا جائے اور مشترک دائرہ میں اکثریت کی رعایت کی جائے اور شیعہ فقہ میں ہرگز کوئی ایسی تنگی نہیں کہ اسے ملکی سطح پہ لائے بغیر اس پر عمل نہ کیا جا سکے۔ اس پر ہم سب کی سوچ ایک ہونی چاہیئے کہ:-

"کسی ملک کی وحدت کے لیے وحدت قانون لازم ہے۔"

سو دو پبلک لا، کسی ملک میں نہیں ہو سکتے۔ پبلک لا صرف ایک ہوتا ہے اور پرسنل لا،

کتنی ہو سکتے ہیں اور کسی اقلیت کو اپنی فقہ پر عمل کرنے سے روکا نہ جا سکے گا۔

مغربی ممالک گردین و دنیا کی مکمل تقسیم کے قائل ہیں۔ تاہم وہ بھی اکثریت کے نظریات اور اخلاقیات کو پورا تحفظ دیتے ہیں۔ تو مذہبی ممالک میں یہ اصول اور بھی زیادہ مؤثر ہونا چاہیئے۔

① — انگلینڈ کا سرکاری مذہب چرچ آف انگلینڈ ہے۔ اس وقت ملکہ الزبتھ اس کی چیف ہے۔ یہاں اس مذہب کے حقوق میں سے ہے کہ اگر اس ملک کا حکمران رومن کیتھولک فرقے میں شادی کرلے تو وہ برطانیہ میں حکمرانی کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات انگلینڈ کے میں دفعہ ۲ کے تحت درج ہے۔

آئرلینڈ میں حکومت رومن کیتھولک چرچ کی محافظ سمجھی جاتی ہے۔

② — سپین کے آئین کی رو سے وہاں کے بادشاہ میں دو باتیں لازمی ہیں۔

۱. وہ نسلاً سپینی ہو۔

۲. نسلاً رومن کیتھولک چرچ کا پیرو۔

اس کی تاجپوشی کی رسوم پوپ کی ہدایت پر ادا کی جائیں گی۔

③ — یونان کے آئین کے مطابق حکومت ایسٹرن آرتھوڈکس چرچ کی پابند ہوگی۔ کسی یونانی کو مذہب سے نکلنے کی اجازت نہ ہوگی — یونانی ترکوں کے زیر اثر مسلمان نہ ہو جائیں۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے یونان میں ارتداد (اپنا پہلا مذہب چھوڑنا) منع ہے۔

④ — سویڈن کے حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ خالص معقول نظریہ فکر کا حامل ہو اور ملکی کونسل کے سب ممبران اسی مذہب کے حامل ہوں — ملک میں عیسائیت کی تعلیم وہی لوگ دینے کے مجاز ہیں جو ان خاص مسیحی نظریات کے حامل ہوں۔ جو عیسائی اس خاص عقیدے کے نہیں وہ کسی عیسائی مذہبی بحث میں حصہ نہ لے سکیں گے۔

⑤ —— پرتگال میں رومن کیتھولک چرچ کو آئینی تحفظ حاصل ہے اور حکومت کیتھولک چرچ پر خرچ کرنے کی مجاز ہے۔

⑥ —— کولمبیا میں صرف وہی قوانین پبلک لا بن سکتے ہیں جو عیسائی مذہب کے خلاف نہ ہوں کسی دوسرے مکتبِ فکر کو ایسی رسوم ادا کرنے کی اجازت نہیں جو اکثریت کے نزدیک امن عامہ کے خلاف سمجھے جائیں۔

⑦ —— ارجنٹائن میں فیڈرل حکومت کیتھولک چرچ کے عقائد کی پابند ہوگی۔ وہاں کے صدر اور نائب صدر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عیسائی ہو اور رومن کیتھولک فرقے کا عیسائی ہو۔

⑧ —— ناروے کے دستور میں پروٹسٹنٹ عقیدے کو سرکاری مذہب کی حیثیت دی گئی ہے پارلیمنٹ میں یہ فرقہ اکثریت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی دوسرے مذہب کو اس مذہب پر بحث کرنے کی اجازت نہیں۔

⑨ —— ایران کے آئین میں دفعہ ۱۲ کے تحت ملک کا دین اسلام اور مذہب شیعہ تعین کیا گیا ہے۔ ایران کی ۹۰ فیصد اکثریت اسی عقیدہ کی ہے۔ وہ علاقے جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو ہیں وہاں کے معاملات وہاں کے شورائی اختیارات کے تحت ان مذاہب کے مطابق ہوں گے۔

⑩ —— افغانستان کے آئین میں وہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور وہاں کا سرکاری مکتبِ فکر فقہ حنفی ہے۔ وہاں کا سربراہ اسی مذہب کا ہوگا۔

ان دس شواہد کی موجودگی میں پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو تو اس پر دنیا کی کسی قوم کو اعتراض نہ کرنا چاہیئے اور پھر اس میں رہنے والوں مسلمانوں کی اکثریت حنفی المذہب کی ہے تو ضروری ہے کہ یہاں طلبہ کو اسلامیات فقہ حنفی کے مطابق سرکاری سطح پر پڑھائی جائے اور طلبہ کو اس کے پورے پس منظر اور پیش منظر پر پوری آگہی دی جائے اور علماء کے طلبہ ہدایہ اخیرین پوری توجہ اور دقتِ نظر سے پڑھیں اور اس پر ہمارے

ملک کے شیعہ اور اہل حدیث حضرات کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے ہاں اپنی اپنی فقہ کی تعلیم دیں اور اس پر عمل کریں اس پر حنفی حضرات کوئی اعتراض نہ کریں۔ ہر ایک کو چاہیے کہ ملک کی اکثریت اور ان کے عقائد و آداب کا احترام کرے اس کے بغیر پاکستان فرقہ وارانہ انار کی سے کبھی نہ نکل سکے گا۔ اسی جذبہ سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے اور اس میں اکثریتی مذہب کو سمجھنے میں پوری دیانت اور امانت سے کام لیا گیا ہے۔ صاحب البیت ادری بما فیہ ایک قاعدہ مسلّمہ ہے۔ حنفی فقہ کا صحیح تعارف وہ ہے جو حنفی کرائیں نہ کہ وہ جو اپنے نہ چاہنے والے کرائیں۔ ہاں اس میں اگر کوئی بات صریحًا کتاب و سنّت کے خلاف ملے تو اس صورت میں اسلام میں سپریم اتھارٹی کتاب و سنّت کے سوا اور کوئی نہیں۔ تاہم یہ دیکھنے کا حق کہ کوئی بات صریحًا کتاب و سنّت کے خلاف تو نہیں ہر کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہر اردو خواں جانتا ہے کہ اس خاص موضوع پر محدثین کے ہاں اور احادیث و آثار بھی موجود ہیں۔ علم کے فیصلے علم سے ہوتے ہیں جزئیات اور ظاہر عبارات سے نہیں۔

یہ اسلام میں قانون سازی کا آغاز تھا جس نے مالی عدم توازن، جنسی بے راہروی، جاہلی معاشرت اور ظالمانہ معیشت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔ قرآن و حدیث کے قوانین و احکام جو مختلف دائروں سے متعلق تھے انہیں ایک ترتیب دی۔ اس نے قانون کی دُنیا میں فقہ کا نام پایا۔

یہ اسلام میں تشریع (قانون سازی) کا آغاز تھا جس نے جملہ دساتیر عالم کی بنیادیں ہلا دیں۔

قرآن و سنّت قضایا خلفائے راشدینؓ۔ اعمال صحابہ اور اکابر تابعین کے فتاویٰ یہ وہ آثار ہیں جن سے علم فقہ مرتب ہوا۔ مجتہدین نے فقہ کے جو اصول مرتب کیے پھر ان پر تخریجات اور تفریعات ہوتی رہیں۔ فقہاء میں اختلافات بھی رہے اور علمی معرکہ آرائیاں بھی ہوئیں۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ امتِ مُسلمہ کے یہ فقہی ذخائر وہ سرمایہ علم ہیں جن کی نظیر دُنیا کی اور کسی قوم کے پاس نہ ملے گی۔ طلبہ اسلامیات کے لیے فقہ کے ان تمام تدریجی مراحل کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

اسلام میں تشریع کا آغاز

اِسلام میں تشریع کا آغاز

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ اما بعد :

ہر معاشرے کو رل مل کر رہنے کے لیے کسی نہ کسی ضابطے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے سب افراد اسی ایک گھاٹ سے پانی پیتے ہیں اور اپنے تعلقات اور تنازعات میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں عربی میں شرعۃ اور شریعت اس گھاٹ کو کہتے ہیں جس سے سب افراد معاشرہ کو سیرابی ملے. ان مجموعہ قوانین کی باضابطہ ترتیب کو تشریع کہتے ہیں. ہمارا اس وقت کا موضوع یہ ہے کہ اسلام میں تشریع کا آغاز کب ہوا ؟

جب سے مسلم معاشرہ قائم ہوا ہے اسی وقت سے اس میں تشریع کا سلسلہ قائم ہے مسلم معاشرے اور تشریع اسلامی نے ایک ساتھ حرکت کی ہے جب سے آغاز وحی ہوا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا ایک حلقہ بنتا گیا. اسلام کی گنتی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شروع ہوئی اور حضرت عمرؓ پر اس کا پہلا چلّہ پورا ہوا. آپ چالیسویں مسلمان تھے.

مسلمانوں کا ایک معاشرہ بنا. وحی کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور معاشرے کا آغاز حضرت ابوبکر صدیقؓ سے. وحی اور معاشرہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں. مکہ ہو یا مدینہ ، سفر ہو یا کاروبار، ہجرت ہو یا غار، زندگی ہو یا مزار معاشرہ وحی کے سائے میں پلتا رہا اور معاشرے کا ہر فرد اسی فضائے نور میں پھیلتا رہا اور آگے بڑھتا رہا.

مکہ مکرمہ میں مسلم معاشرے کی اساس مسلمانوں کے عقائد عبادات اور اخلاق پر تھی. مدینہ منورہ آکر یہ معاشرہ اپنی پوری توانائی سے پھیلا اور انسانی زندگی کے ہر دائرہ کو محیط ہوا. اب اس کا ایک اپنا تمدن تھا اپنی ثقافت تھی اور اپنی سیاست تھی. اب اسلام مسلمانوں کی زندگی کا ایک جامع ضابطۂ حیات تھا.

اس ضابطۂ زندگی کو تکمیل کب ملی ؟ تئیس سال کے بعد ـــــ دین کب مکمل ہوا ؟ جب عرفات میں جمعہ کے دن آیت الیوم اکملت لکم دینکم اُتری. اب دین مکمل ہو گیا اور ساتھ ہی کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ آخرت پیش آ گیا.

اس تئیس سال کے دوران اسلامی نظامِ زندگی نے کیسے ترتیب پائی. قرآن کریم مختلف ضرورتوں اور مختلف تقاضوں پہ اُترتا رہا اور اس کے اس تدریجی نزول اور حالات کی مناسبت سے اس کا سمجھنا آسان رہا. صحابہؓ کو جب کوئی ضرورت پیش آتی. تو یا

(۱) اس موقعہ پہ کوئی آیت نازل ہو جاتی اور مسئلے کی صورت کھل جاتی.

(۲) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ قرآن کی روشنی میں اجتہاد فرماتے اور

(۳) یا آپ وحیِ باطنی سے جو قرآن کے علاوہ بصورت معانی آپ کے دل میں القاء کی جاتی اس کا جواب دیتے. اسی تیسری صورت نے آگے چل کر حدیث کا نام پایا.

صحابہ کرامؓ نے قرآن حضورؐ سے سُنا. (دیکھیے پ۴ آل عمران آیت ۱۶۴)

صحابہ کرامؓ نے قرآن آنحضرتؐ سے دونوں طرح سے لیا.

(۱) لفظاً و تلاوۃً اور (۲) تعلیماً و دلالۃً

جب حضورؐ قرآن کریم کی تعلیم دیتے تو آپ پر قرآن کریم کے مضمرات کھُلتے اور کبھی آپ اجتہاد سے بھی کام لیتے ـــــ آپ کے اجتہاد میں اور دوسرے مجتہدین کے اجتہاد میں اصولی فرق ہے. آپ کے اجتہاد پہ ہمیشہ خدا کی حفاظت کا سایہ رہا اور اوروں کا اجتہاد صواب اور خطا دونوں میں دائر ہوتا ہے. قرآن کریم میں آپؐ کو اجتہاداً اس کا حل نہ ملے تو پھر آپ پہ وحی غیر متلوُ اُتار دی جاتی اور آپ اس کی روشنی میں اس کا جواب دیتے ـــ

اس دور میں تشریع کا ماخذ قرآن و سُنت تھے اور انہی کی روشنی میں اسلامی معاشرہ آگے چلتا گیا اور اسلام کا ضابطۂ حیات بنتا گیا. آنحضرتؐ کا قرآن کریم کی روشنی میں اجتہاد کرنا بتلاتا ہے کہ آپ نے قانون کے ماخذ ہونے کے اعتبار سے قرآن کو ہمیشہ اوّلیت دی ہے.

① علّتِ حکم سامنے رکھ کر عام کی تخصیص

قرآن کریم کا حکم واقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم (پ توبہ آیت ۵) مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو عام ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علتِ حکم پر نظر کرتے ہوئے بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا کہ صرف وہ مشرکین لائق قتل ہیں جو مسلمانوں کو ضرر دیتے ہیں اور انہیں قتل کرتے ہیں۔ بوڑھے بچے اور بیمار وغیرہ چونکہ اس ایذاء دہی پہ قادر نہیں انہیں اس حکم سے نکال دیا اور عام حکم کی تخصیص کر دی۔ آپ نے فرمایا:-

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرأۃ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ۔ کسی بوڑھے کو جو عمر پوری کیے ہوئے ہو کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو۔

قاضی شوکانیؒ اس استثناء کی علت یہ بیان کرتے ہیں:-

ان الشیخ المنهی عن قتله فی الحدیث الاوّل هو الفانی الذی لم یبق فیه نفع للکفار ولا مضرۃ علی المسلمین وقد وقع التصریح بهٰذا الوصف بقوله شیخا فانیا۔[1]

ترجمہ۔ وہ بوڑھا جس کے قتل سے پہلی حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ شیخ فانی ہے جس کے وجود سے کافروں کو کوئی نفع نہ ہو اور مسلمانوں کو اس سے مضرت کوئی نہ ہو اور اس وصف کی تصریح حضورؐ کے اس لفظ (شیخ فانی) میں آچکی ہے۔

یہ کوئی علیحدہ مستقل حکم نہیں ہے اس حکم سے استثناء ہے جو قرآن میں مذکور تھا۔

---

[1] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۳۷

آنحضرتؐ نے اس کی علت پر نظر رکھتے ہوئے افرادِ مذکورہ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا۔

② حق الٰہی کا حق العباد پر قیاس کرنا

قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ اسے پورا نہ کر سکی اور چل بسی ــــ اب کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

حجی عنہا أرایت لو کان علی امك دین أکنت قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء۔[1]

ترجمہ۔ تو اس کی طرف سے حج کر لے۔ اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی۔ اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصل شرعی پر دوسرے مسئلے کو قیاس کرنے کی تجویز سامنے رکھی ہے۔ یہ حقِ الٰہی کے حق العباد پر قیاس کرنے کی ایک مثال ہے۔

③ دو بہنوں پر پھوپھی اور بھتیجی کو قیاس کرنا

قرآن کریم نے جن رشتوں کو حرام قرار دیا ان میں دو بہنوں کا ایک وقت میں ایک شخص کے نکاح میں ہونا بھی ہے:۔

وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔ (پ النساء آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو پہلے ہو چکا (وہ اور بات ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علتِ حکم پر نظر کرتے ہوئے اسے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی تک وسیع فرمایا اور حکم دیا:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۰

لا یجمع بین المرأۃ و عمتہا ولا بین المرأۃ وخالتہا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۷۶۶)

ترجمہ: کسی عورت اور اس کی پھوپھی کو اور اسے اور اس کی خالہ کو ایک نکاح

میں جمع نہ کیا جائے۔

کسی حکم کی علت کو وہاں تک لے جانا جہاں تک یہ جا سکے اجتہاد ہے ـــــ پیغمبر کے اجتہاد پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہے اور یہ شان کسی اور کے اجتہاد میں نہیں ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے مسائل میں قرآن کی بالادستی کا ہمیشہ اقرار فرمایا ہے۔ کئی ایسے مسائل بیان فرمائے جن میں اصولاً قرآن کی روح صاف کارفرما نظر آتی ہے۔

ضرورت معاشرت کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

(۱) پردے کے احکام میں غلام اور باندی میں فرق

عورتیں جن کے سامنے بے پردہ آ سکتی ہیں ان کا بیان قرآن کریم میں ہے۔

او ما ملکت ایمانہن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او

الطفل الذین لم یظہروا علی عورات النساء۔ (پ ۱۸ نور آیت ۳۱)

ترجمہ: یا وہ جن کے مالک ہوئے ان کے ہاتھ ـــ یا خدمت میں رہنے والے

جنہیں کوئی مردانہ حاجت نہ ہو ـــ یا وہ لڑکے جنہیں ابھی نسوانی راز کا علم نہیں

"مالک ہوتے ہاتھ" اس میں بظاہر باندیاں اور غلام دونوں داخل ہیں لیکن جمہور ائمہ مردوں کو ان میں داخل نہیں کرتے۔ سورۃ احزاب میں بھی ولا ما ملکت ایمانہن (پ ۲۲ آیت ۵۵) کے الفاظ موجود ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غلام پاس آ جا سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں اپنے کام سے غرض ہو، مجلس میں بیٹھنے کے لیے نہیں اپنے کام میں لگے رہیں۔ تاہم ضرورت معاشرے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ قرآن کریم طوافون علیکم بعضکم علی بعض (پ ۱۸ النور آیت ۵۸ ع ۸) میں اس فطری رعایت کا تقاضا کرتا ہے۔

اب دیکھیئے یہ ضرورت کس دبے انداز میں اس عنوان میں اس حدیث میں کارفرما ہے۔

(۲) کعب بن مالکؓ کی بیٹی کبشہ کہتی ہیں ابوقتادہؓ آپ کے ہاں آئے اور انہوں نے آپ کے لیے وضو کا پانی تیار کیا۔ بلی آئی اور اس نے اس پانی میں منہ ڈال دیا۔ ابوقتادہؓ کبشہ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ متعجب انہیں دیکھ رہی ہے۔ اس پر حضرت ابوقتادہؓ نے اسے کہا:۔

أتعجبین یا ابنة اخی. "میری بھتیجی کیا تو حیران ہو رہی ہے؟

اس نے کہا۔ ہاں ـــــ اس پر حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انھا لیست بنجس انما ھی من الطوافین علیکم والطوافات[۱]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلی نجس نہیں ہے یہ تو ہر وقت آنے جانے والوں اور گھومنے والیوں میں سے ہے۔

غلام اور کنیز کے بارے میں پردے کی اگر اسی طرح پابندی رہے جیسا کہ عام احرار و حرائر کے لیے ہے تو ظاہر ہے کہ عام کاروبار اور نظام زندگی میں بہت دشواری واقع ہو گی اس لیے ان کی اجازت دی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے گھروں میں عام آنے جانے کو اس پر قیاس فرما کر باوجودیکہ یہ چوہے خور ہے اس کے جوٹھے کو نجس نہ کہا کہ معاشرے میں یہاں بھی دشواری پیش تھی۔ طوافون علیکم کی فطری رعایت، کو طوافات تک وسیع کر دیا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

اوقاتِ مذکورہ بالا کو چھوڑ کر جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔[۲]

---

[۱] سنن نسائی جلد ۱ صہ ۶۳ [۲] تفسیر عثمانی صہ ۴۶۴

فقہ اسلامی کی تیسری بنیاد "تدریج"

انسان جن امور میں مبتلا ہوں ان کی عادت انسان کی آدھی فطرت بن جاتی ہے۔ ان سے انسانوں کو نکالنا اور راہِ سنّت پہ لانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس میں اسلامی فقہ کی بنیاد تدریج پہ ہے کہ درجہ بہ درجہ ان حالات پہ قابو پایا جائے۔

شراب ان تینوں مرحلوں میں حرام ہوئی۔

(۱) اثمهما اکبر من نفعهما۔ (پ۲ البقرہ آیت ۲۱۹ ع ۲۷)

(۲) لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ۔ (پ۵ النساء آیت ۴۳ ع ۷)

(۳) یا ایها الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون۔ (پ۷ المائدہ آیت ۹۰ ع ۱۲)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا۔ اس لیے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے۔ اللّٰهم بیّن لنا بیانًا شافیًا۔ آخر کار المائدہ کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں.... فهل انتم منتهون تک نازل کی گئیں.... حضرت عمرؓ فهل منتهون سنتے ہی چلا اٹھے انتهینا انتهینا (ہم رک گئے ہم رک گئے)[1]

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۱۵۸

اسلام میں مؤلفۃ القلوب پر خرچ کرنا دائرہ ملت کی وسعت میں ایک تدریجی قدم تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب

والغارمین فی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ۔ (پ التوبہ۔ ع ۸)

مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں وہ کمزور حالت میں ہوں۔

دائرہ ملت وسیع ہونے پر حضورؐ کے بعد صدقات کی یہ حد باقی نہ رہی۔

اسلام میں جہاد کا حکم بھی ایک دفعہ نہیں دیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو ان عادات کی تربیت دی گئی جن سے قومیں بنتی ہیں۔ انہیں صبر و تحمل اور بُردباری کی تعلیم دی گئی جفاکشی کا عادی بنایا۔ ثابت قدمی اور استقامت کا خوگر کیا گیا۔ تب کہیں مدینہ منورہ میں انہیں لڑنے کی اجازت دی گئی۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔

(ترجمہ: حکم دے دیا گیا لڑنے کا ان لوگوں کو جن سے لڑتے ہیں کفار،
بایں وجہ کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ (پ الحج)
اور اس کی حکمت بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت
ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں اور دوسرے بعض کے ذریعے نہ
روکے تو ڈھا دیئے جائیں تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور
مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بیشتر۔

یہ تدریج (یعنی باری باری حکم کا آنا) کبھی تو زمانی رہی کہ اس کے احکام باری باری آئے اور کبھی یہ تدریج ایک حکم کے کامیاب کرنے میں مختلف اعمال میں لپیٹی گئی کہ ان سب کا بجا لانا اس ایک حکم کی شانِ تکمیل ہو ——— زنا کو حرام ٹھہرایا گیا اور زنا کے جملہ دواعی بھی حرام ٹھہرائے گئے۔ عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ غیر محرم عورت پر دوسری ارادی نظر

حرام ٹھہرائی گئی۔ ان امور کی پابندی زنا کی حرمت کی وہ تدریجات ہیں کہ ان پر عمل پیرا معاشرہ کبھی زنا کے قریب نہ جا سکے گا۔ یہ زمانے کی تدریج نہیں عمل کی تدریج ہے جس میں بہت سے اعمال گھرے ہوئے ہیں۔

فقہ اسلامی کی یہ تین بنیادی ہیں جو ہم مختلف مثالوں سے آپ کے سامنے لائے ہیں۔

۱۔ علتِ حکم پہ نظر ہو۔ ۲۔ لوگوں پر تنگی ہو اور بلا ضرورت کوئی پابندی نہ ہو۔ ۳۔ عمل میں تدریج اور ہم آہنگی ہو۔

شریعت میں تقلیل تکالیف

جہاں تک ہو سکے پابندیاں کم لگیں ہر ایسے انداز زندگی سے بچو جو تم کو زیادہ پابندیوں میں جکڑے۔ یہاں تک کہ حضورؐ سے زیادہ سوال بھی نہ کرو تاکہ جواً با تم اور احکام کے پابند کیے جاؤ۔

یاایہا الذین امنوا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنہا حین ینزل القرآن تبد لکم۔ (پ۷ المائدہ آیت ۱۰۱ ع۱۴)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! (بے ضرورت) سوال نہ کرو کہ جواب آئے اور وہ تمہیں اچھا نہ لگے (تم پر کوئی اور پابندی آجائے) اور اگر تم زمانہ نزولِ قرآن میں ان کے بارے میں پوچھو گے تو وہ باتیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

مثلاً تمہارے سوال کرنے پر کوئی چیز تم پر حرام کر دی گئی وہ اس سے پہلے مباحات میں تھی۔ تمہارے اس سوال پر تم پر ایک اور پابندی آگئی۔ اگر تم نہ پوچھو تو ہو سکتا ہے کہ یہ باب نہ کھلے اور تمہیں اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حسبِ سابق اختیار رہے۔

شیخ الاسلامؒ اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

ان آیات میں تنبیہ فرماویں کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں

ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو، جس طرح تحلیل و تحریم
کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت
بھی موجب رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے
حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش
اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا، عمل کرنے والے اس کے فعل و
ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور
بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے گا بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے
اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جوابات
میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش
اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہو گی کہ جو چیز خود مانگ کر لی
ہے اسے نبھا نہ سکیں۔[1]

آیت مذکورہ میں اس اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ پابندیوں
میں لانا مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔ فقہ اسلامی نہیں چاہتی کہ انسان اپنے اوپر خود اپنے
عمل سے کوئی سختی لائے۔

نوٹ : مباح وہ چیز ہے جس کے کرنے پر تم پر کوئی مواخذہ نہ ہو گرفت نہ آئے ____
عبادات اور نیکیوں کے کسی درجے کا نام مباح نہیں۔ عبادات اور طاعات فرض[1]، واجب[2]،
سنت اور مستحب[3] میں دائر ہیں اور ان پر اپنے اپنے درجے میں اجر و ثواب ملتا ہے۔ کوئی
نیکی نہیں جو مباح درجے میں ہو اور کرنے والے کو اس پر ثواب ملے ____ یہاں جن
چیزوں کے مباح رکھنے کی طلب سکھائی گئی ہے ان کا تعلق تمام اعمال سے ہے عبادات
سے نہیں ____ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں نیکی پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ کیوں کہ اس سے منع

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۱۶۱

نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے اقرار زنا کیا۔ آپ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا ــــ مطلب یہ تھا کہ جب اس کے اس عمل پر شہادتِ شرعی قائم نہیں وہ کیوں اپنے اقرار سے اس پر شہادت لا رہا ہے ــــ یہ بات علیحدہ ہے کہ انتہا رتقویٰ نے اسے اس مقام پر لا رہا تھا۔ تاہم حضورؐ کے اس عمل سے مزاجِ شریعت سامنے آیا کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ پر پردہ ڈال دے تو اس کے حضور سچی توبہ سے حاضری دو اور ستر معصیت کرو۔ اپنے لیے ایسی تنگی کا سامان پیدا نہ کرو کہ پھر تم اس سے نکل ہی نہ سکو۔

کعب بن عمرو ابوالیسر ایک عورت سے بوس و کنار میں مبتلا ہوا۔ پھر اسے اپنے گناہ کا احساس ہوا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا اور اپنا ماجرا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا:۔

استر وتب ولا تخبر احداً۔[1]

ترجمہ۔ اپنے گناہ پر پردہ رکھ اور اللہ کے حضورؐ توبہ کر اور اپنے اس کام کو نشر عام نہ کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حج کا حکم آیا تو ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا لازم آجاتا۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

ذرونی ماترکتم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیاءھم فاذا امرتکم بالشیٔ فخذوا بہ ما استطعتم واذا نھیتکم عن شیٔ فاجتنبوہ۔[2]

ترجمہ جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں تم بھی مجھے جانے دو تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاکت کو پہنچیں کہ وہ اپنے پیغمبروں سے بہت سوال کرنے لگے اور بحثیں کرنے لگے۔

اس سے شریعت کے مجموعی مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمان اس میں اپنی طرف سے زیادہ پیچیدگیاں اور مشکلات نہ پیدا کرتے جائیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۱۳۹ سورۂ ہود [2] سنن نسائی جلد ۲ صہ

اسلامی قانون زندگی کی اساس

اسلام میں قانون کی اساس انسانی ضرورت، معاشرتی سہولت، فطری تقاضوں شرافت انسانی اور اطاعت ربانی کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے اوامر کے قبیل میں سے ہوں یا نواہی میں سے ان سب میں یہ پانچ اصول کارفرما ملیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو کچھ فرمایا اور کیا یا اپنے سکوت سے اسے منظوری بخشی۔ ان سب میں ان پانچ باتوں کی رعایت موجود ہے۔

آگے مجتہدین کتاب و سنت کے وسیع دائرہ احکام میں ان پانچ اصولوں کی روشنی میں چلے اور غیر منصوص مسائل کی ہزاروں جزئیات مرتب کر دیں۔ ان کی محنت اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری لگی کہ یہ کسی جزئیہ میں درست بات نہ بھی پا سکیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک اجر سے نواز دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کو نصوص پر بند نہ رکھنا اور انہیں ان میں لپٹے علل و اسباب کے ساتھ مسائل غیر منصوصہ تک وسیع کرنا دین کی کامل شانِ جامعیت اور اس کی آفاقی کفایت کی ایسی شاہراہ ہے جس پر قیامت تک اہلِ علم کے قافلے چلتے رہیں گے۔ دین میں ان اصولوں کی روشنی میں چلنا تفقہ کہلاتا ہے اور اس کے بل بوتے کہا جا سکتا ہے کہ بنی نوعِ انسان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا حل اسلام میں موجود نہ ہو۔ یہ شریعت آفاقی ہے جملہ بنی نوعِ انسان کو ہمیشہ کے لیے کافی شرفِ انسانی کے ہر تقاضے میں وافی اور آخرت میں نجات کا چشمہ صافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بابِ اجتہاد خود کھولا مجتہد درجے کے صحابہؓ کو اس کی اجازت دی اور درسگاہِ صفہ میں ایک جماعت تیار کی جو آسانی سے اس دروازے سے آ جا سکے۔

سب کے سب تو اس درجے میں نہ تھے۔ دوسروں کے لیے راہِ عمل یہ ٹھہری کہ وہ

کے فیصلوں پر عمل کریں۔ صفوان بن سلیم کہتے ہیں حضورؐ کے زمانے میں ان چار صحابہؓ کے سوا کوئی فتوے نہ دیتا تھا۔

لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر وعلی ومعاذ وابوموسی الاشعری۔

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان چار صحابہؓ کے سوا کوئی فتوے نہ دیتا تھا۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کے سب مسلمان اس مقام کے نہ تھے کہ غیر منصوص مسائل میں (حوادث پیش آمدہ میں) از خود اجتہاد کریں بلکہ وہ اکابر صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے اور فتویٰ زیادہ تر انہی حضرات کا چلتا تھا۔ یہ حضرات فتوے دیتے وقت ساتھ ساتھ دلائل نہیں دیتے تھے۔ ان کے فتوے ان کے علم اور تقویٰ پر اعتماد کے ساتھ قبول کیے جاتے تھے۔ صحابہؓ میں جو اہل علم بھی تھے وہ بھی تقلید اعلم کو (زیادہ علم رکھنے والے کی پیروی کو) احتیاط کے زیادہ قریب سمجھتے تھے۔ یہ حضورؐ کے زمانہ میں چار فقہاء کی پیروی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مفتیوں کا پایا جانا بتلاتا ہے کہ اس وقت سب کے سب صحابہؓ اس مقام پر نہ تھے کہ انہیں مفتیوں کی ضرورت نہ پڑے۔ صحابہؓ میں فقہاء کا وجود بتلاتا ہے کہ ان کے مقلدین بھی اس وقت لاکھوں ہوں گے جو اُن کے فتاویٰ پر ان کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے عمل کرتے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ابھی ان دنوں تقلید شخصی نے راہ نہ پائی تھی۔ اکابر صحابہؓ کی جو پیروی جاری تھی وہ مطلق تقلید کے درجہ میں تھی۔ اصل منبع شریعت تو حضورؐ کی ذات گرامی تھی لیکن آپ ہر جگہ تو نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں کا ہر بات میں حضورؐ کی طرف رجوع کرنا عملاً بہت مشکل تھا۔ اس ضرورت کو آپ کے عہد میں یہ چار فقہاء پورا کرتے تھے۔

اسلام ایک نظام حیات کے آئینہ میں

اسلام صرف عقیدہ اور چند شعائرِ دین ہی نہیں ہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی تمدن ہے جس میں اسلام کی ایک اپنی شوکت و صولت ہے. اس کی رُو سے اسلام کو ایک اساسی سیاسی لیظھرہ علی الدین کلّہ غلبہ چاہیئے. یہ غلبہ پہلے تاریخی مرحلہ میں محض اللہ کی مدد سے عمل میں آیا. اور پھر خلفائے راشدینؓ کے دور میں اس کے سیاسی امور ترتیب پاتے رہے. یہاں تک کہ اسلام نے شریعت کے مطابق دوسری قوموں کو امن کے عہد و پیمان دیئے. اور اسلام سرکاری سطح پر ایک کامل بین الاقوامی قانون کی حیثیت سے سامنے آیا. تاریخ کا یہ وہ دور ہے جب فقہائے اسلام نے پُورے نظام اسلام کو ایک عالمی تدوین بخشی.

اب فقہاء کے ہاں دُنیا دو حصوں میں منقسم تھی. ۱. دارالاسلام اور ۲. دارالحرب. دارالحرب سے مراد صرف لڑائی کا میدان نہیں بلکہ دارالکفر بھی اسی ضمن میں آتا ہے. جس طرح دُنیا میں دو ہی طرح کے انسان ہیں. ۱. مسلم اور ۲. کافر —— لقولہ تعالیٰ ھوالذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن. (پ۲۸ التغابن) —— دُنیا بھی دو حصوں میں منقسم ہے دارالاسلام اور دارالحرب —— ہاں شافعی حضرات نے ایک تیسرا منطقہ بھی تجویز کیا ہے جسے دارالصلح یا دارالعہد کہتے ہیں لیکن فقہاء حنفیہ نے اس کا وجود تسلیم نہیں کیا. وہ کہتے ہیں دارالکفر کے لوگوں نے اسلامی سلطنت کو سالانہ جزیہ دینے کا عہد باندھ لیا اور اسلامی شوکت تسلیم کر لی تو اب ان کا علاقہ دارالعہد نہیں دارالاسلام سمجھا جائے گا اور مسلمانوں پہ اس کی حفاظت لازم ہوگی.

واشنگٹن کی جونز ہوپکنز یونیورسٹی کے ڈاکٹر مجید خدوری لکھتے ہیں :-

ان الاسلام لیس مجرد مجموعة من الفکر والشعائر الدینیة بل هو الیٰ جانب ذٰلک مجتمع سیاسی له سلطة مرکزیه وهٰذه السلطة

كانت في بادي امرها مستمدة من الله وظيفتها تنظيم امور الامة السياسية وعلاقاتها مع العالم الخارجي وفقاً للشرع[1]

ترجمہ۔ اسلام صرف ایک فکر اور چند شعائرِ دین ہی نہیں بلکہ وہ ایک سیاسی نظم بھی ہے جسے ایک مرکزی قوت حاصل ہو۔ یہ غلبہ اپنے پہلے مرحلہ میں خدا کی مدد سے عمل میں آیا اور اس کی ذمہ داری اس امت کے سیاسی امور کی تنظیم اور اس کے عالمی سطح پر دوسری قوموں سے شریعت کے موافق سیاسی تعلقات تھے۔

اقالیم سبعہ اسلام کی نظر میں دو حصّوں میں

جمہور فقہاء کی نظر میں دُنیا دو ہی حصوں میں منقسم ہے۔ فقہاء حنفیہ دارالاسلام اور دارالحرب کے سوا اور کسی تیسرے منطقے کے قائل نہیں۔ ڈاکٹر مجید خدوری لکھتے ہیں:۔

لم يأخذ جميع الفقهاء بالنظرية التي تقسم العالم الى قسمين دار الاسلام ودار الحرب ولاسيما فقهاء المذهب الشافعي الذين افترضوا وجود منطقة ثالثة هي دار الصلح او دار العهد...... ولكن معظم الفقهاء ولاسيما فقهاء المذهب الحنفي لم يعترفوا بدار الصلح وحجتهم في ذلك انه متى عقد سكان الاقليم معاهدة الاسلام ودفعوا الجزية فانهم يصبحون بذلك ضمن دار الاسلام وعلى الاسلام ان يضمن لهم الحماية۔[2]

ترجمہ۔ دُنیا کی تقسیم دارالاسلام اور دارالحرب کے دو منطقوں میں رہے سب فقہاء اس نظریہ کے قائل نہیں۔ خاص طور پر فقہاء مذہب شافعی جنہوں نے ایک تیسرا منطقہ تجویز کیا ہے دارالصلح یا دارالامن...... لیکن جمہور فقہاء خاص کر فقہاء

---

[1] القانون الدولی الاسلامی۔ کتاب السیر ص۲ [2] ایضاً ص۲۳

مذہب حنفی اس دار الصلح کے تصور سے اتفاق نہیں کرتے. ان کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب کسی علاقہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے ایک عہد باندھا اور جزیہ ادا کیا تو وہ اس غلبہ اسلام کے اعتراف سے دارالاسلام کے ضمان میں آ گئے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ اب ان کی حفاظت کریں.

تقسیم عالم صرف تقلید پر قائم ہے

تقسیم عالم کے دونوں نظریے کتاب وسنت میں کہیں صریح طور پر مذکور نہیں. سو یہاں تقلید سے چارہ نہ تھا. فقہاء اسلام نے انہیں اپنے ائمہ سے کتاب وسنت کے حاصل کے طور پر نقل کیا ہے. کوئی حکومتی قانون بلا تقلید فقہاء مرتب نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ حکومتی سطح پر جو ثبات اور روانت فقہ حنفی کو حاصل ہے کسی اور فقہ کو حاصل نہیں. فقہ حنفی کی تدوین سے پہلے اس موضوع کے مسائل صرف کتاب الجہاد اور کتاب الامارہ کے تحت ملتے تھے. فقہ حنفی نے انہیں کتاب السیر کے عنوان سے فقہ اسلام کا ایک مستقل موضوع ٹھہرایا. فاضل غدوری لکھتے ہیں:-

ان النظریة التقلیدیة للقانون الدولی الاسلامی نظریة لا تقوم علی نصوص صریحة من القرآن الکریم ولا علی الاحادیث النبویة الشریفة ولکن جواھر القوانین الاساسیة التی یتضمنھا القانون الدولی الاسلامی مستمد من ھذین المصدرین ، القرآن الکریم والحدیث الشریف واحری بنا ان نقول ان ھذا القانون جاء نتیجة لاجتھاد فقھاء المسلمین[1]

ترجمہ. اسلام کے سرکاری قانون کا یہ تقلیدی نظریہ ایسا نظریہ ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی نصوص صریحہ پر مبنی نہیں. لیکن وہ ان بنیادی قوانین کا جوہر

---

[1] القانون الدولی الاسلامی صفحہ ۳۰

ہے جن کو اسلام کا سرکاری قانون شامل ہے۔ یہ قرآن کریم اور حدیث شریف
سے سند یافتہ ہے۔ بلکہ ہمیں یُوں کہنا چاہیئے کہ سلطنتِ اسلام کا یہ سرکاری
قانون فقہاءِ اسلام کے اجتہاد سے قائم ہے۔

یہ صورتِ حال تبلا رہی ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ ایک باضابطہ قانون کی شکل تبھی اختیار کرتے ہیں جب وہ ایک فقہ کی صورت میں مرتب ہوں۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ بہت کم ضابطوں کو پیش کرتی ہیں۔ یہ کام فقہاء کا ہے کہ ان کی روشنی میں وہ کسی ملک کا قانون مرتب کریں۔

دُنیائے اسلام میں حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام کے امورِ سلطنت کو کتاب السیر کی شکل دی۔ ان سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہؒ اس موضوع کی تدوین فرما چکے تھے۔ لیکن وہ جوہرِ قیمتہ وقت کی سیاسی تگ وتاز میں محفوظ نہ رہ سکا۔ امام اوزاعیؒ اور امام ابویوسفؒ کی بھی اس موضوع پر معرکہ آرائی رہی لیکن مستقل بنیاد پر حضرت امام محمدؒ نے اس پر قلم اُٹھایا۔ اور سیر صغیر اور سیر کبیر کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ میں یہ دونوں کتابیں اصل کا درجہ رکھتی ہیں۔ بلند پایۂ فقہاء احناف نے ان کی شرحیں لکھیں اور حق یہ ہے کہ فقہ حنفی وہ مجموعۂ قوانین ہے جس نے مسلمانوں کو اصولِ جہانبانی سکھائے۔

یہ اس فقہ کی وسعت ہے جس کے بل بوتے آج مسلمانوں کا یہ دعویٰ کسی ایوان میں مسترد نہیں ہوا کہ اسلام میں ایک مکمل ضابطہ قانون ہے۔ گو آج امام محمدؒ ہم میں نہیں لیکن ان کے ابواب السیر رہتی دُنیا تک قانون الدولی الاسلامی کو روشنی بخشتے رہیں گے۔

مجتہد لوگ مر نہیں سکتے علم کی تہ میں وہ ہی چلتے ہیں
اُن کے نقشِ قدم سے صدیوں تک منزلوں کے چراغ جلتے ہیں

واشنگٹن کے ڈاکٹر مجید خدوری نے ان الفاظ حضرت امام محمدؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے:-

یعتبر محمد بن الحسن الشیبانی افضل فقیہ عالج موضوع السیر مع العلم انہ لم یکن اول من عنی بامرھا ولم تکن احکام السیر قبل عھدہ قد جمعت بعد بشکل مجموعۃ قوانین تدرس علی انھا فرع منفصل عن الشرع کان موضوع السیر قبل یعالج فی کتب الفقہ تحت عنوان الجھاد ولم یکن من المواضیع التی کانت تستھوی دراسی الشریعۃ فی طورھا التکوینی[1]

ترجمہ۔ امام محمدؒ سب سے بہتر فقیہ سمجھے گئے ہیں جو سیر کے موضوع پر یہ بات جانتے ہوئے آئے کہ وہ پہلے شخص نہیں جو اس موضوع کے درپے ہوئے ہوں — آپ سے پہلے سیر کے ابواب اس مجموعہ قوانین کی شکل میں جمع نہ تھے کہ انہیں پڑھایا جائے ایسے کہ یہ شاخ شجر اسلام کی فرع دکھائی دے۔ آپ سے پہلے کتب فقہ میں سیر کا موضوع جہاد وغیرہ کے عنوان سے سامنے آتا تھا اور یہ ان موضوعات میں سے نہ تھا جو دراسہ شریعت کو اس کے تکوینی پیرایہ میں اپنے اندر لے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ پہلے امام ابو حنیفہؒ کا نقشہ سلطنت اسلامی کتاب الاصل میں دے چکے تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے خود اسلام کے مالی نظام کی جو تفصیل کتاب الخراج میں پیش کی ہے وہ اسلام کے تصور سلطنت کی روح ہے لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ امام محمدؒ ان تمام فقہاء میں جو آپ سے پہلے اس کھیتی میں بیج بوتے رہے آگے بڑھ گئے۔ فاضل خدوری لکھتے ہیں:

تکاد مولفات الشیبانی تتناول جمیع نواحی الشریعۃ وبصورۃ واسعۃ شاملۃ تفوق جمھور الفقھاء والذین سبقوہ فی ھذا الحقل وفی معظم مؤلفاتہ الفقھیہ یأتی الشیبانی علی ذکر نبذ تتعلق بالسیر

[1] القانون الدولی الاسلامی صہ ۳۴

بوجه عام واحیانا بوجه خاص یتناول فیها ناحیة معیّنة من نواحی هٰذا الموضوع۔[1]

ترجمہ۔ امام محمدؒ کی تالیفات شریعت کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹتی نظر آتی ہیں اور اپنی وسعت میں پہلے تمام فقہاء کی کوششوں کو پیچھے چھوڑتی ہیں جنہوں نے پہلے سیر کی کھیتی میں فقہ کے بیج بوئے۔ امام محمدؒ اپنی تمام بڑی کتابوں میں بعض ابواب سیر کا ذکر عام پیرایہ میں کرتے ہیں اور کبھی خاص پیرایہ میں جو اس موضوع کے کسی خاص حصہ کو ہر طرف سے شامل ہو۔

امام محمدؒ کے ہاں اساس سلطنت اسلامی زیادہ اختلافات کی متحمل نہیں۔ اسلام کے نظام عبادات میں بے شک بہت وسعت رکھی گئی ہے اس میں بندے کا تعلق خدا سے غالب رہتا ہے لیکن سلطنت اسلامی کی اساس ایک قوم کے آفاقی معاشرہ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ وحدت کی ضرورت ہے۔ اس میں پھر جتنی کثرتیں ہوں وہ ایک خلافت کے تحت ایک ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کا جو اختلاف آداب عبادات میں ہے وہ آداب سلطنت نہیں۔ یہاں ایک قوم بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وحدت کی ضرورت ہے۔ عبادات اور سیر میں یہ ایک جوہری فرق ہے۔

یہ تفصیل ہم نے اسلام کے تصور سلطنت پر گذارش کی ہے۔ اسلام کے آثار تشریع میں اسے جاننے کی بہت ضرورت ہے مسلمانوں میں یہ نظام کیسے مدون ہوا یہ تفصیل آپ کو تدوین فقہ میں ملے گی پھر اس پر تاریخ کے مختلف ادوار میں کون کون سی کتابیں لکھی گئیں ان کا تعارف آپ کو کتب فقہ کے ذیل میں ملے گا۔ یہاں ہم مقدمہ کو ختم کر کے اب اپنے اصلی سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمة التحقیق۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

مؤلف

---

[1] القانون الدولی الاسلامی ص ۵۶

ضرورتِ فقہ

ضرورت الفقہ

مختصر طور پر یوں سمجھیے کہ جس طرح قرآن کے بعد سنّت کی ضرورت ہے اسی طرح کتاب و سنّت کے بعد مسائل غیر منصوصہ کی دریافت کے لیے فقہ کی ضرورت ہے پھر صرف مسائل غیر منصوصہ ہی نہیں منصوص مسائل میں بھی روایات مختلف ملتی ہیں کوئی پہلے دور کی اور کوئی پچھلے دور کی۔ ان میں تطبیق کی راہ دریافت کرنا اور احکام کو نکھارنا یہ کبھی فقہ کے بغیر میسّر نہیں آسکتا۔

اپنے پاس نصوص کتنی ہی کیوں نہ ہوں جس قوم کے پاس فقہ نہ ہو وہ ان نصوص سے کبھی اپنا ضابطہ قانون مکمل نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں میں ایک گروہ اس کام کے لیے رہنا چاہیئے جو فقہ مرتب کریں لوگ ان کی طرف رجوع کریں اور یہ حضرات انہیں حکم شریعت بتا سکیں۔ نصوص کتاب اللہ کی ہوں یا حدیث کی، گنتی میں آسکتی ہیں۔ مگر روزنہ روز اُٹھنے والی انسانی ضرورتیں لامحدود ہیں وہ گنتی کی نہیں۔ آخر ان کا بھی تو کوئی حل چاہیئے۔

قرآن کریم میں فقہ کی ضرورت کا اعلان

وما کان المؤمنون لینفروا کافّۃ فلولا نفر من کلّ فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ٥ (پ۱۱ التوبہ آیت ع ۱۵)

ترجمہ۔ اور ایسے تو نہیں کہ سب مسلمان جہاد میں نکل کھڑے ہوں سو کیوں نہ نکلے ہر طبقے سے ایک گروہ جو دین میں تفقہ پیدا کریں (فقہ سنّت سیکھیں) اور پھر اپنے لوگوں کے پاس جب پہنچیں تو انہیں خبر دیں تاکہ وہ بچیں۔

قرآن کریم کا یہ حکم کہ امت میں ایک گروہ فقہاء کا ضرور رہنا چاہیئے اس فطری تقاضے کو پورا کرتا ہے کہ جو خود اس مرتبے کے نہ ہوں وہ ان پر اعتماد کریں اور ان سے دین لیں۔ اجتہاد اور

تقلید کی یہی اساس ہے ہر شخص مجتہد بنے یہ بھی تو نہیں ہو سکتا.

امورِ سلطنت کے بارے میں بھی فرمایا کہ خود فیصلے نہ کرنے لگو. امن و خوف کی جب کوئی بات تمہیں پہنچے تو ان لوگوں تک پہنچاؤ جو اہلِ استنباط ہوں. بات سے بات نکال سکیں اور جو خبر پہنچے اُس کی گہرائی میں اُتر سکیں.

واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم. (پ النساء آیت ۸۳)

ترجمہ. اور ان کے پاس جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں ـــــ اور اگر وہ اسے اللہ کے رسول کی طرف اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو جو لوگ ان میں اہلِ استنباط ہیں وہ بات سمجھ پاتے.

قرآن کریم کی رُو سے استنباط کی حجیّت

قرآن کریم نے استنباط و اجتہاد، بات سے بات نکالنے اور حقیقت تک رسائی پانے کی ہر جگہ راہ کھولی ہے اہلِ حکومت اپنے مسائل میں مجتہد ہیں اور فقہاء کرام شریعت میں مجتہد ـــــ دونوں اپنے اپنے دائرہ میں اولی الامر ہیں اور عوام امت کو حکم ہے کہ ہر دائرۂ زندگی میں وہ اپنے اولی الامر کے پیچھے چلیں نظم سلطنت میں وہ ارکانِ سلطنت کی بات مانیں اور نظم شریعت میں فقہاء و مجتہدین کی. دونوں طرف اپنے اپنے دائرہ عمل کے اولی الامر ہیں.

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :-

فثبت ان الاستنباط حجة والقیاس اما الاستنباط او داخل فیه فوجب ان یکون حجة اذا ثبت هذا فنقول الاٰیة دالة علی امور احدها ان فی احکام الحوادث ما لا یعرف بالنص بل بالاستنباط وثانیها ان ـــ

الاستنباط حجة وثالثها ان العامی یجب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث[1]

ترجمہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ استنباط حجت شرعی ہے اور قیاس یا تو استنباط ہی کا نام ہے یا یہ اس میں داخل ہے۔ سو ضروری ٹھہرا کہ یہ حجت ہو۔ جب یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ اس آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ بعض ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ ان کا حکم نصوص میں دکھائی نہیں دیتا۔ ان کا حکم استنباط سے جانا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ استنباط حجت ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ عامی پر علماء کی تقلید احکام حوادث میں واجب ہے

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کو یہاں تسلیم کرنا پڑا ہے کہ قرآن کی رو سے قیاس جائز ہے اور علم کی ایک وہ قسم بھی ہے جو استنباط سے حاصل ہوتا ہے:۔

فی الآیۃ اشارۃ الی جواز القیاس وان من العلم۔۔۔۔ مایدرک بالاستنباط[2]

ترجمہ۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ قیاس جائز ہے اور علم وہ بھی ہے جو قیاس سے حاصل ہوتا ہے (اسے ہی فقہ کہتے ہیں)۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

(پ۵ النساء آیت ۵۹ ع ۸)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! تم کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو اس رسول کا اور ان کا جو اولی الامر ہوں تم میں سے۔

اولی الامر سے مراد اہل العلم والفقہ

---

[1] تفسیر کبیر امام رازی جلد ۳ صـ۲۷۲ [2] تفسیر فتح البیان جلد ۲ صـ۲۱۹

اولی الامر کی تفسیر قرآن کریم میں سورۃ نساء کی آیت ۸۳ میں اہل استنباط سے کی گئی ہے سو گو اولی الامر میں اہل حکومت بھی شامل ہیں لیکن پہلے درجہ میں اس سے مجتہدین ہی مراد لیے گئے ہیں۔ حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں :-

ووجہ تخصیص المجتہدین انہ جاء فی الآیۃ الثانیۃ ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم ففسر اولی الامر باہل الاستنباط وہم المجتہدون۔[1]

ترجمہ۔ اور اولی الامر کی مجتہدین سے تخصیص کی وجہ دوسری آیت ہے جس میں کہا گیا ہے اور اگر یہ لوگ اپنے معاملہ کو اللہ کے رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو ان میں جو مجتہد ہیں وہ اس کے حکم کو پالیتے سو اولی الامر سے مراد اہل استنباط ہیں اور وہ مجتہد ہی ہو سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مرتبہ علمی کو کون نہیں جانتا۔ دونوں بزرگ فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد اہل الفقہ ہیں[2] اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیروی امت پر واجب کی ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں کا صدر مدرس بنا کر بھیجا اور اہلِ کوفہ کو لکھا کہ تم ان دونوں کی اقتداء کرنا۔ اس سے پتہ چلا کہ حکام بھی اولی الامر میں آتے ہیں اور فقہاء بھی ــــ انتظامی امور میں تم امراء کی بات مانو اور علمی امور میں فقہاء کی پیروی کرو۔ آپ نے اہلِ کوفہ کے نام لکھا :-

انی قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرًا وعبد اللہ بن مسعودؓ معلمًا و وزیرًا وہما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۸

اهل بدر فاقتدوا بهما واسمعوا من قولهما۔[1]

ترجمہ: میں تمہاری طرف عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو علی الترتیب امیر اور معلم بنا کر بھیج رہا ہوں اور یہ دونوں آنحضرتؐ کے اونچے درجہ کے صحابہ میں سے ہیں اور اہل بدر میں سے ہیں تم (اپنے اپنے دائرہ میں) ان دونوں کی پیروی کرنا اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کے قول کو لینا۔

اکابر تابعینؒ کی شہادت

تابعین کرامؒ میں حضرت مجاہدؒ (۱۰۰ھ) حضرت حسنؒ (۱۱۰ھ) اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ) صف اوّل کے مفسرین ہیں ان سے اولی الامر کی تفسیر سنیئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔

اصحاب محمد — وربما قال اولوا العقل والفقه فی دین الله۔[2]

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:۔

اولی الامر اولوا العلم والفقه۔[3]

حضرت ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) اور ابن ابی لیلیٰؒ (ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

هم اهل العلم والفقه۔[4]

ابوالعالیہؒ (۹۰ھ) بھی اس آیت کی تفسیر آیت استنباط کی روشنی میں کرتے ہیں:۔

واستدل علیه ابوالعالية بقوله تعالیٰ ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم فان العلماء هم المستنبطون المستخرجون للاحکام۔[5]

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۸ [3] سنن دارمی صفحہ ۸۳ بیروت
[4] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ [5] روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۶۵ طبع جدید

اولی الامر کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد

حافظ جصاص رازیؒ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

عن ابی ھریرۃؓ انھم امراء السرایا ویجوز ان یکونوا جمیعا مرادین بالآیۃ لان الاسم یتناولھم جمیعا لان الامراء یلون امر تدبیر الجیوش و السرایا وقتال العدو والعلماء یلون حفظ الشریعۃ وما یجوز وما لا یجوز۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ اولی الامر سے مراد لشکروں کے امراء ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں (امراء اور علماء) دونوں مراد ہوں کیوں کہ اولی الامر کا اسم ان سب کو شامل ہے۔ کیونکہ امراء ہی لشکروں کی تدبیر اور دشمنوں سے جنگ کرنے کے والی ہیں اور علماء حفظ شریعت اور یجوز ولا یجوز (مسائل فقہ) کے والی ہیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

قال ابن عباس وجابر والحسن وابو العالیۃ وعطاء والضحاک ومجاھد والامام احمد ھم العلماء[2]

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا مدار قرآن و حدیث کے ساتھ فقہ پر ہے۔ فقہ ہی ہے جس سے قرآن پاک کی مختلف آیات میں تطبیق کی راہیں کھلتی ہیں اور فقہ ہی ہے جس سے حدیث کے مختلف مضامین آپس میں ترتیب پاتے ہیں۔ اسلامی قانون سازی میں کتاب و سنت اس کے پہلے ماخذ ہیں۔ فقہ دانش ان کے ساتھ ساتھ شامل رہی ہے۔ آیات کے اختلاف کو حل کرنا اور احادیث کے اختلافات کو ترتیب دینا یہ کام

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ [2] الجنۃ صفحہ ۴۱

علم اصول کے بغیر انجام نہیں پاتا. ہاں مسائل غیر منصوصہ مستنبطہ من الکتاب والسنۃ جنہیں جزئیات فقہ کہتے ہیں ان کا نمبر بے شک کتاب وسنّت کے بعد ہے. مسائل منصوصہ اور مسائل غیر منصوصہ مستنبطہ کو اپنے اپنے درجہ میں رکھا جائے گا.

ہم اس وقت اجتہاد پر بات کر رہے ہیں. ہم نے یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے رکھ دی ہے کہ قرآن کریم مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کی اجازت دیتا ہے. جو لوگ مجتہد ہیں وہ اس امّت کے اولی الامر ہیں اور امت پر ان کی پیروی لازم ہے. اس میں صرف یہ دو باتیں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں. ایک یہ کہ وہ مجتہد معروف درجے کے ہوں. ہر ایک ایرے غیرے کو مجتہد نہ سمجھ لیا جائے. دوسری بات یہ کہ فقہاء کا کوئی استخراج اور استنباط کتاب وسنّت کے کسی فیصلے سے نہ ٹکرائے.

مقامِ فقہ

مقامِ فقہ

قرآن کریم کا یہ فیصلہ کہ اس امت میں تفقہ فی الدین کی اشد ضرورت ہے اور چاہیئے کہ ایک جماعت فقہ میں لگی رہے اور دوسرے ان سے ان احکام کو اخذ کریں۔ یہ بات اب کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس کی رو سے فقہ کتاب و سنت کا غیر نہیں۔ انہی کی گہرائی میں لپٹے مضامین کا نمایاں ہو کر سامنے آنا ہے۔ سو فقہ الٰہی ہدایت اور نبوی شریعت کی ہی ایک استخراجی صورت ہے ــــ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم حدیث میں بھی فقہ کا احساس دلاتا ہے اور بتلاتا ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے بھی فقہ کی ضرورت ہے۔

اجتہاد سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ کتاب و سنت کا ایک پھیلاؤ ہے۔ یہ کتاب و سنت پر کوئی اضافہ نہیں ہے۔ آنحضرتؐ کی نبوت اس میں جاری و ساری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ صراحت سے فرما گئے وہ بھی آپ کی شریعت ہے اور جو بات نئے حالات کی پیش آمدہ ضرورتوں میں قرآن و سنت کی گہرائیوں میں لپٹی ملے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شریعت شمار ہوگی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ استنباط کرنے والا مجتہد عام آدمی نہ ہو۔ مجتہد صرف مظہر ہوتا ہے۔ وہ اپنے استنباط کردہ مسائل کا موجد نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کی رُو سے فقہ کا مقام

قل کل من عند اللہ فما لھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثاً۔

(پ۵ النساء آیت ۷۸ ع ۱۱)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں ہر اچھائی اور برائی اللہ کے فیصلے سے ہے کیا ہو گیا ان لوگوں کو بات سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔

حدیث بات ہے اور اسے سمجھنے کا سلیقہ فقہ ہے۔ حدیث کے لیے فقہ درکار ہے بدوں اس کے وہ بات سمجھ نہ پائیں گے ــــ اوروں کی بات تو اپنی جگہ رہی پیغمبر کی بات ہو تو بھی اس لیے کہ لوگ اسے سمجھ پائیں۔ انہیں اس کی فقہ حاصل ہونی چاہیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشہور دُعا کسے یاد نہیں۔

قال ربّ اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ (پ۱۶ طٰہٰ آیت ۱۰ ع ۱)

ترجمہ۔ اے رب! کشادہ کر میرا سینہ اور آسان کر میری منزل اور کھول دے گرہ میری زبان کی اور پالیں یہ میری بات میں فقہ (سمجھ)

ذوالقرنین جب دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا تو ان سے ورے کچھ ایسے لوگ پائے جو اس کی ایک بات نہ سمجھ سکتے تھے ان کی اس بے چارگی کو قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کی بات فقہ سے آشنا نہ ہو سکی کچھ بھی نہ جا سکی۔

حتّٰی اذا بلغ بین السّدین وجد من دونہما قومًا لا یکادون یفقھون قولًا۔ (پ۱۶ الکہف آیت ۹۳)

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے مابین تو ان کے ورے ایسی قوم دیکھی جو ایک بات کی فقہ (سمجھ) نہ رکھتے تھے۔

ہمارے جو دوست فقہ کے نام سے چڑتے ہیں اور یہ لفظ تک سننا پسند نہیں کرتے وہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم عام سمجھ اور دانش کے لیے لفظ فقہ بار بار لاتا ہے۔ پھر اُن کے اس لفظ سے چڑنے کے کیا معنی رہ گئے؟ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو فقہ و دانش سے محروم نہ کرے۔ اصطلاحًا جسے فقہ کہا جاتا ہے وہ بھی کتاب و سنّت کا غیر نہیں۔ کتاب و سنّت کی گہرائی میں اُتر کر اُن کو

پا لینے کا نام ہے۔ فقہ کوئی نئی ایجاد نہیں۔ کتاب و سنت کا ہی استخراج ہے۔

فقہ نہ جاننے والوں کی مذمت

قرآن کریم نے کافروں کو کہا ہے کہ وہ فقہ سے محروم ہیں۔

لانتم اشد رھبۃ فی صدورھم من اللہ ذلک بانھم قوم لا یفقھون۔

(پ ۲۸ الحشر آیت ۱۳ ع ۲)

ترجمہ۔ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ فقہ نہیں رکھتے۔

ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا۔ (پ ۹ الاعراف آیت ۱۷۹)

ترجمہ۔ اور البتہ پیدا کئے ہیں ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور بہت سے آدمی۔ ان کے دل ہیں جن میں فقہ نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے ہوں۔

نطبع علیٰ قلوبھم فھم لا یفقھون۔ (پ ۲۸ المنافقون آیت ۳)

ترجمہ۔ سو مہر لگ چکی ہے ان کے دلوں پر سو اب وہ فقہ سے بالکل بے تعلق ہیں۔

ولکن المنافقین لا یفقھون۔ (پ ۲۸ المنافقون آیت ۷)

ترجمہ۔ اور لیکن منافق اپنے پاس فقہ نہیں رکھتے۔

بل کانوا لا یفقھون الا قلیلا۔ (پ ۲۶ الفتح آیت ۱۵)

ترجمہ۔ بلکہ وہ فقہ نہ رکھتے تھے مگر چند لوگ۔

بانھم قوم لا یفقھون۔ (پ ۱۰ الانفال آیت ۶۵، پ ۱۰ التوبہ آیت ۱۸۷)

ترجمہ۔ وہ ایسے لوگ جن کے پاس فقہ نہ ہو۔

ما نفقہ کثیرا مما تقول۔ (پ ۱۲ ہود آیت ۹۱)

ترجمہ۔ ہم تمہاری کہی باتوں میں کچھ فقہ نہیں پاتے۔

لو کانوا یفقھون۔ (پ ۱۰ التوبہ آیت ۸۷)

ترجمہ۔ کاش کہ وہ فقہ پاس رکھے ہوتے۔

آنحضرتؐ کے نزدیک فقہ کا مقام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل روایت کرنے والے تو بہت تھے۔ آپ کی ہدایت تھی کہ میری ایک بات بھی جسے پہنچی ہو اسے لازم ہے کہ اسے آگے روایت کر دے تاکہ دین کی کوئی بات چھپی نہ رہے۔ ہو سکتا ہے جن کے پاس وہ یہ حدیث پہنچائے وہ اس کی نسبت اسے زیادہ سمجھنے والا ہو۔ اہل روایت تو سبھی ہو سکتے ہیں مگر اہل فقہ وہی خوش قسمت ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرلے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین [1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جس بندے سے خیر کا ارادہ فرمالے اسے دین میں فقیہ بنا دیا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:۔

الناس معادن فخیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا [2]

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۹ وقال حسن صحیح، سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۸۵ ورواہ مسلم عن معاویہؓ صفحہ ۳۳۴ من المجلد الاول

[2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۶، ۴۷۳ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۱

ترجمہ۔ لوگ کانیں ہیں جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے اسلام میں بھی وہی اچھے ہوں گے جب وہ فقہ کو جاننے لگیں۔

(۳) حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا:۔

ان رجالاً یاتونکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین واذا اتوکم فاستوصوا بھم خیراً [۱]

ترجمہ۔ بے شک اطرافِ عالم سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے تاکہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی نصیحت کرنا۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد [۲]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسے اس طرح روایت کرتے ہیں:۔

ما عبد اللہ عز وجل بشیٔ افضل من فقہ فی الدین ولفقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ولکل شیٔ عماد وعماد ھٰذا الدین الفقہ [۳]

ترجمہ۔ اللہ کی کوئی عبادت فقہ فی الدین سے بڑھ کر نہیں ہے اور ایک فقیہ شیطان پہ ایک ہزار عابدوں (عبادت گزاروں) سے بھی زیادہ گراں ہے ہر چیز کا ایک ستون ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا:۔

(۵) رب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الیٰ من ھو افقہ منہ [۴]

کئی ایسے ہیں جو حامل فقہ (راوی حدیث) تو ہیں لیکن وہ فقیہ نہیں اور کئی

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸۹ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲ [۲] رواہ الترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۳ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲

[۳] عوارف المعارف جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ [۴] رواہ الشافعی واحمد والدارمی جلد ۱ صفحہ ۸۲ والترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۰

حاملین فقہ روایت، اس کی طرف لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔

کیا یہ انہی حضرات کا حال نہیں جو اس وقت، حضورؐ کے عہد کے لوگ تھے۔ یہ صحابہؓ ہیں جن میں سے بعض کو حضورؐ نے راوی حدیث ٹھہرایا اور بعض دوسروں کو فقیہ بنایا ہمیں مولانا اسماعیل صاحب، (گوجرانوالہ) پر افسوس ہے جو جوش مخالفت میں یہ بات کہہ گئے :۔

صحابہ تمام جس طرح عدول تھے اسی طرح وہ سب فقہاء بھی تھے ـــــ

صحابہ میں فقیہ اور غیر فقیہ کی تفریق شرمناک ہے[1]

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں دو حلقے دیکھے۔ ایک میں لوگ دعائیں مانگ رہے تھے متوجہ الی اللہ ہو رہے تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ (یتعلمون الفقہ) فقہ میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسرے حلقے کے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ یہ پہلوں سے افضل ہیں :۔

اما ھؤلاء فیتعلمون الفقہ ویعلمون الجاھل فھؤلاء افضل[2]

ترجمہ۔ یہ لوگ فقہ کا علم حاصل کر رہے ہیں۔ پھر یہ آگے جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں سو یہ ان سے افضل ہیں۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسے الاشعریؓ کو یمن بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے وہاں پہنچ کر جو خطبہ دیا۔ اس میں انہیں اسلام کی رغبت، دلائی اور تفقہ فی القرآن کی نصیحت کی :۔

فخطب الناس معاذ فحضھم علی الاسلام وامرھم بالتفقہ فی القرآن[3]

ترجمہ۔ پس حضرت معاذؓ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اسلام کی رغبت دلائی اور انہیں قرآن حکیم سے فقہ مرتب، کرنے کا حکم دیا۔

قرآن کریم سے جو مسئلہ بیان کیا جائے۔ دیکھنا ہوتا ہے کہ قرآن کریم اسے عبارۃً بیان

---

[1] تحریک آزادی فکر ص ۱۳۵ [2] سنن دارمی جلد ۱ ص ۹۹ مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۳۶ [3] سنن دارمی جلد ۱ ص ۸۴

کرتا ہے یا دلالۃً یا اشارۃً یا اقتضاءً پھر یہ کہ یہ حکم عام ہے یا خاص، بصورتِ اوّل عام مخصوص منہ البعض ہے یا نہیں، پھر مجمل ہے تو اس کی تفصیل کیا اس میں کسی دوسرے مقام پہ ہے یا اس کی تفصیل سنّت سے معلوم کی جائے گی۔ ان سب کے جاننے میں خاصا علم فقہ درکار ہے حضرت معاذؓ نے انہیں تفقہ فی القرآن کا سبق دیا۔ آپ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجتہد ہونے کی سند پائے ہوئے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

خصلتان لا یجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقه فی الدین۔[1]

ترجمہ۔ دو عادتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو پاتیں ۱۔ حسن سیرت ۲۔ دین میں فقہ کی گہرائی۔

منافق قرآن کی آیات منافقت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے کلمہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ نشہد انك رسول الله بھی کہہ سکتا ہے۔ حدیث بھی روایت کر سکتا ہے صحیح ہو یا اپنے پاس سے بنائے۔ لیکن تفقہ فی الدین سے وہ کلیۃً عاری ہوتا ہے۔ یہ ایسا نور ہے جو قلب منافق میں اُتر نہیں سکتا اور اس کا کوئی ظاہر نہیں جسے وہ ظاہری طور پہ اپنا رکھے۔ فقہ کے ظاہری پیرائے قرآن و حدیث ہیں اور ان میں وہ منافقت کی راہ نہیں چل سکتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ فقہی جزئیات کی نقل کرے اور غلط کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ فقیہ نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے جو علم دے کر حضورؐ کو مبعوث فرمایا اس میں جو شخص فقہ پالے اور پھر قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہ پڑھائے اس کی کیا مثال ہو سکتی ہے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :۔

مثل ما بعثنی الله به من الهدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۲ صد ۹۳

ارضًا فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلاء والعشب الكثير و
منها اجادب امسكت الماء فنفع اللہ بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا
واصاب منها طائفة اخریٰ وانما هی قیعان لا تمسك ماءً ولا تنبت
كلاء فذلك مثل من فقه فی دین اللہ ونفعه بما بعثنی اللہ به
فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلك راسًا۔[1]

ترجمہ۔ اللہ نے مجھے جو علم اور ہدایت دیکر بھیجا ہے اسکی مثال اس وافر بارش کی ہے جو ایسی زمین پر برسی جو بڑی صاف تھی اس نے پانی کو اپنے میں جذب کیا اور بہت گھاس اور سبزیاں اگائیں اور ایسی زمین بھی تھی جو پتھریلی تھی اس نے پانی روک رکھا۔ اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچایا وہ اسے پیتے رہے پلاتے رہے اور کھیتوں کو دیتے رہے اور ایسی زمین بھی تھی جس چٹیل میدان تھے یہ نہ پانی کو روک سکی نہ سبزہ اگا سکی۔ یہ مثال انکی ہے جو اللہ کے دین میں فقہ حاصل کریں اور اللہ نے جو دین مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے نفع حاصل کریں علم سیکھیں اور اسے سکھائیں اور اسکی جس نے اس کھلی بارش پر سر تک نہیں اٹھایا۔

آپ نے بجا فرمایا :-

مجلس فقه خیر من عبادة ستین سنة۔[2]

ترجمہ۔ فقہ کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

صحیح بخاری جلد ا صـ۱۶۲ میں جریج راہب کا قصہ مذکور ہے۔ والدہ نے اسے تین دفعہ آواز دی اور وہ اپنے صومعہ میں عبادت میں لگا رہا۔ ماں کو جواب نہ دیا۔ ماں نے اسے بددعا دی۔ وہ عبادت کے شوق میں لگا رہا۔ یہ نہ سمجھ پایا کہ ماں کی آواز پر پہنچنا کیسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا :-

لو كان جریج الراهب فقیهاً عالمًا لعلم ان اجابة امه خیر من عبادة ربه۔[3]

ترجمہ۔ اگر جریج راہب علم میں فقیہ ہوتا تو اسے پتہ ہوتا کہ ماں کی آواز پر ہاں کہنا خدا کی عبادت سے بہتر ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صـ۱۸ مسلم صـ [2] رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر [3] عمدۃ القاری جلد ۷ صـ۲۸۳

اس میں لسانِ رسالت سے علم فقہ کی عظمت ظاہر ہے۔ ہر عالم فقیہ نہیں ہوتا۔ فقہ صرف اُونچے علم والوں کا نصیب ہے۔ دوسرے درجے میں محدثین ہیں جو اس بارش کے پانی کو اپنے ہاں روک لیتے ہیں۔

ویسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سینکڑوں صحابہؓ روز آتے جاتے تھے لیکن ان میں جو فقہ میں گہرائی پا چکے وہ آنحضرتؐ کی نظر میں ہوتے تھے۔ درس و تدریس اور فقہ و افتار کی خدمات انہی کے سپرد ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت زیاد بن لبیدؓ انصاری تھے۔ آپؐ نے انہیں فرمایا :-

ان کنت لاعدک من فقہاء المدینۃ[1]

ترجمہ۔ بے شک میں تو تمہیں مدینہ کے فقہاء میں سے سمجھتا تھا۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ ایک اعرابی کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ ـــــ تو وہ اعرابی کہنے لگا حسبی حسبی۔ مجھے مجھے یہ کافی ہے مجھے یہ کافی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا :-

فقہ الرجل ـــــ یہ شخص فقیہ ہو گیا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے دُعا کی تھی :-

اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل[3]

ترجمہ۔ اے اللہ ابن عباسؓ کو دین کی فقہ عطا فرما اور اسے علم تفسیر عطا کر۔

صحابہؓ کے ہاں فقہ کا مقام

(۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کے لیے بُلاتے۔ مہاجرین و انصار میں سے اہلِ علم کو بُلاتے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ

---

[1] رواہ الدارمی عن ابی الدرداء جلد ۱ صفحہ ۹۹ والترمذی جلد ۲ صفحہ ۱ [2] عوارف المعارف بہامش احیاء علوم الدین جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ـــ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۵۸

حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے ۔۔۔ یہی لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں فتوے دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو وہ بھی انہی سے مشورہ لیا کرتے تھے اور فتوے کا مدار زیادہ انہی حضرات پر تھا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کی مجلس فقہاء ان سات ارکان پر مشتمل تھی۔

کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیہ ما یقضی بہ قضیٰ بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ فان وجد فیہا ما یقضی بہ قضیٰ بہ فان اعیاہ ذٰلک سأل الناس ھل علمتم ان رسول اللہ قضیٰ فیہ بکذا و کذا فان لم یجد سنۃ سنہا النبیؐ جمع رؤس الناس فاستشارھم فاذا اجتمع رأیھم علی الشیٔ قضیٰ بہ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو آپ کتاب اللہ پر نظر کرتے اگر اس میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر اسے کتاب اللہ میں نہ پاتے تو سنتِ رسول پاک میں اسے تلاش کرتے۔ اگر آپ کو وہ اس میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ دیتے اور اگر وہ مسئلہ وہاں بھی نہ ملے تو آپ دوسرے صحابہؓ سے پوچھتے۔ کیا تم نے جانا کہ حضورؐ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ دیا ہو۔ اگر آپ کو اس طرح بھی حضورؐ کی کوئی سنت نہ ملتی تو آپ صحابہؓ کی میٹنگ بلاتے اور ان سے مشورہ کرتے اگر وہ کسی بات پر متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ ادلہ شرعیہ میں کتاب و سنت کے بعد اجماع کا درجہ ہے پھر قیاس مجتہد ہے۔

(۲) قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون۔

(پ ۳ آل عمران آیت ۸۱ رع ۹)

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۴ [2] کتاب القضاء لابی عبید ص اعلام الموقعین جلد ۱ ص

ترجمہ: تم ہو جاؤ اللہ والے جیسے کہ تم سکھلاتے تھے اللہ کی کتاب اور جیسے کہ تم خود بھی پڑھتے تھے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

کونوا حکماء علماء فقہاء[1]

ترجمہ: تم ہو جاؤ حکماء، علماء اور فقہاء۔

قال ابن عباسؓ ما سألنی عن مسئلة الا عرفت فقیه هو او غیر فقیه[2]

ترجمہ: جب بھی کسی نے کوئی مجھ سے مسئلہ پوچھا میں نے جان لیا وہ فقیہ ہے یا غیر فقیہ۔

صحابہؓ میں آپ جس کو عالم ربانی سمجھتے کہ وہ بات کتاب و سنت کی مرادات میں گھر کر کہتا ہے تو اسے کہتے یہ فقیہ ہو چکا۔ آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کو بھی یہ سند دی اور فرمایا:۔

انه لفقیه[3]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ہاں فقہ کی کتنی عظمت تھی۔

ایک اور موقعہ پہ فرمایا:۔

افضل العبادة الفقه فی الدین[4] یہ بہترین عبادت ہے کہ فقہ میں لگے رہو۔

(۳) فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلتِ علمی سے کون آگاہ نہیں۔ آپ اس زمانے کو فتنے کا زمانہ کہتے ہیں جب قرآن کے الفاظ کو اُٹھانے والے زیادہ ہو جائیں گے اور اس کی گہرائی میں اُترنے والے اس کے معانی کے علمبردار کم ہو جائیں گے۔ قرآن پاک کے ظاہر و باطن کو اُٹھانے والوں کو آپ قراء اور فقہاء کا نام دیتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ صفحہ ۳۱۲ [3] ذکرہ فی المشکوٰۃ من حدیث البخاری کذا فی فتح الرحمٰن جلد ۳ صفحہ ۱۸ [4] عوارف المعارف بہامش احیاء جلد ۱ صفحہ ۲۲۶

كيف انتم اذا لبستكم فتنة يهرم فيها الكبير ويربوا فيها الصغير
..... اذا كثرت قراءكم وقلت فقهاءكم[1]

ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں فتنے آلیں گے بڑے بوڑھے ہو جائیں گے اور چھوٹے بڑے ہو جائیں گے..... قاری زیادہ ہوں گے اور فقہ جاننے والے کم ہوں گے۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

لا يأتي عليكم عام الا وهو شر من الذي كان قبله..... ولكن علماءكم وخياركم وفقهاءكم يذهبون ثم لا تجدون منهم خلفا و تجئ قوم يقيسون الامر برايهم[2]

ترجمہ: تم پر کوئی سال نہ آئے گا مگر یہ کہ وہ اپنے سے پہلے سال سے بدتر ہوگا۔ لیکن تمہارے علماء، اور اچھے لوگ اور فقہا چلتے بنیں گے۔ پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے۔ پھر ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو معاملے کو اپنے خیال سے طے کریں گے۔

فقہاء مسائل غیر منصوصہ کو علت پر نظر رکھتے ہوئے مسائل منصوصہ پر قیاس کرتے ہیں رائے پر قیاس نہیں کرتے۔ حضرت نے پیشگوئی کی جب اصل فقہاء اٹھ جائیں گے تو وہ لوگ آ جائیں گے جو مسائل کو اپنے خیال سے طے کریں گے۔

(۴) فقیہ شام حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:۔

لا تفقه كل الفقه حتى ترى للقران وجوها كثيرة ولن تفقه كل الفقه حتى تمقت الناس في ذات الله ثم تقبل على نفسك فتكون لها اشد مقتا عنك للناس[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ ص۶۵، [2] ایضاً ص۶۶، [3] ایضاً

ترجمہ. تم اس وقت تک پُورے فقیہ نہیں ہو سکتے. جب تک کہ قرآن کریم میں وجوہِ کثیرہ پر تمہاری نظر نہ ہو اور تم اس وقت تک کامل فقیہ نہ ہو سکو گے جب تک تم اللہ کے لیے لوگوں سے بیزار نہ رہو. پھر تم اپنے جی پر نظر کرو اور تم اس کے لیے لوگوں سے بھی زیادہ دُوری اختیار کرنے والے ہو جاؤ.

(۵) حضرت تمیم داریؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

فمن سوده قومه على الفقه كان حياة له ولهم ومن سوده قومه على غير فقه كان هلاكاً له ولهم[1]

ترجمہ. جس شخص کو اس کی قوم نے فقہ پر سرداری دی اس میں اس کے لیے اور اس قوم کے لیے زندگی ہے اور جسے اس کی قوم نے فقہ کے بغیر سردار بنایا اس میں اس کے لیے اور پُوری قوم کے لیے ہلاکت ہے.

(۶) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسٰی اشعریؓ کو لکھا :-

اما بعد فانى آمركم بما امركم به القرآن وانهاكم عما نهاكم عنه محمد صلى الله عليه وسلم وآمركم باتباع الفقه والسنة والتفهم فى العربية[2]

ترجمہ. میں تمہیں اسی بات کا حکم دیتا ہوں جس کا قرآن کریم نے تمہیں حکم دیا ہے. اور اسی چیز سے روکتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اور میں تمہیں فقہ اور سنّت کے جوڑنے اور عربیت میں فہم پیدا کرنے کی تاکید کرتا ہوں.

عن عمر بن زيد قال كتب عمر الى ابى موسٰى اما بعد فتفقهوا فى السنة وتفقهوا فى العربية[3]

---

[1] دارمی جلد ۱ صا۹ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صـ۲۱۳ [3] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ صـ۲۴۰

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو لکھا کہ سنت میں فقہ حاصل کرنے کی کوشش کرو اور عربیت میں فقہ کی تلاش کرو۔

حضرت ابو موسےٰ الاشعریؓ خود بھی اونچے علمی پائے کے عالم تھے۔ گویا ان کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ فقہ سنت اور علم و ادب ساتھ ساتھ چلیں گے۔ تب کتاب و سنت کی اصل پر اطلاع ہو سکے گی ـــــ حضرت عمرؓ نے ایک اور موقعہ پر بھی فرمایا :-

تفقهوا قبل ان تسوّدوا۔[1]

ترجمہ: سیادت پر آنے سے پہلے فقہ حاصل کرو۔

حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا اس میں کھلے لفظوں میں فقہ کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے فرمایا :-

یا ایها الناس من اراد ان یسأل عن القرآن فلیأت ابی بن کعب ومن اراد ان یسأل عن الفرائض فلیات زید بن ثابت ومن اراد ان یسأل عن الفقه فلیات معاذ بن جبل۔[2]

ترجمہ: جو شخص چاہے کہ قرآن کے بارے میں کچھ پوچھے وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے اور جو شخص وراثت کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس آئے اور جو شخص فقہ کا خواہاں ہو وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس آئے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت

لاخیر فی عبادة لافقه فیها ولا فی قرأة لاتدبر فیها افلا یتدبرون القرآن[3]

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷ المصنف لابن ابی شیبہ جلد ص و راجع لہ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۴۶ [2] رواہ الطبرانی فی الاوسط و راجع لہ مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۳۵ [3] اتحاف شرح الشمائل للدوجی ص ۲۴۲

ترجمہ. اس عبادت میں خیر نہیں جس میں فقہ کا دخل نہ ہو اور نہ قراءۃ میں جس کے ساتھ تدبر نہیں (قرآن کریم میں ہے) کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة و اعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها الى الله واشبهها بالحق فيما ترى[۱]

ترجمہ. جو چیز تیرے دل میں کھٹکے جس کے بارے میں تمہیں کتاب و سنت سے کوئی بات نہ پہنچی ہو اس میں غور کرو اور اسے جاننے کی کوشش کرو. اس کی امثال اور ملتی جلتی صورتوں کو پہچانو پھر اس موقعہ پر قیاس سے کام لو اور وہ پہلو اختیار کرو جو اللہ کو زیادہ پسند ہو اور تمہاری نظر میں حق کے زیادہ قریب ہو.

حضرت معاویہؓ جنہیں حضرت ابن عباسؓ نے انه لفقيه کے اعزاز سے ذکر کیا ہے. آپ نے طاعون عمواس میں جو خطبہ دیا اس میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں فرمایا وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں فقہ کا ذکر کس عزت اور عظمت سے کیا جاتا تھا اور فقہ کی اسلام میں کتنی ضرورت سمجھی جاتی تھی.

حضرت عمرؓ کا اعلان تھا کہ جو شخص فقہ نہ جانتا ہو وہ ہمارے بازار (ہماری مجلس شوریٰ) میں نہ بیٹھے[۲]

(۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی عظیم علمی شخصیت سے کون انکار کرسکتا ہے آپ کی زبان سے فقہ کی عظمت سنیئے:۔

عن جابر قال ما رايت احدا كان اقرأ لكتاب الله ولا افقه في دين الله ولا اعلم بالله من عمر[۳]

---

[۱] دار قطنی صد [۲] وصیۃ السنتہ ص۷ مجلس ص۶ طبع الہ باد [۳] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۶ ص۱۳۹

ترجمہ: میں نے حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی کو قرآن پڑھنے والا دین کی زیادہ سمجھ رکھنے والا (فقہ) اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا۔

(۹) عن عبید بن عمرؓ قال اذا اراد اللہ بعبد خیرًا فقّھہ فی الدین والھمہ رشدہ۔[۱]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرمالیں تو اسے دین میں فقہ عطا فرمادیتے ہیں اور اس کا رشد و ہدایت ہونا اس کے دل میں القا فرمادیتے ہیں۔

محمد بن کعبؓ سے بھی فقہ کی عظمت و اہمیت اسی طرح مروی ہے۔

(۱۰) جب فقہ کی اہمیت نہ رہے تو اسے دورِ آخر کی علامت سمجھیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:-

عن یحییٰ بن سعید انّ عبداللہ بن مسعودؓ قال لانسان انک فی زمان کثیر فقہاءہ وقلیل قراءہ تحفظ فیہ حدود القرآن وتضیع حروفہ قلیل من یسأل کثیر من یعطی..... وسیأتی علی الناس زمان قلیل فقہاءہ کثیر قراءہ یحفظ فیہ حروف القرآن وتضیع حدودہ۔[۲]

ترجمہ: تم ایسے دور میں ہو جس میں فقہاء زیادہ ہیں اور قاری کم۔ قرآن کی حدود کی حفاظت ہے اور اس کے حروف (اختلافِ قرأت) کی بحثوں میں زیادہ وقت نہیں لگایا جاتا۔ مانگنے والے کم ہیں اور دینے والے زیادہ۔ لیکن ایک ایسا زمانہ بھی آرہا ہے کہ فقہ والے کم ہوجائیں گے اور قاریوں کی کثرت ہوگی۔ حروف قرآن پر محنت ہوگی اور قرآن کی حدود کا دھیان نہ رہے گا۔

---

[۱] المصنف، جلد ۶ صـ۲۴۱ [۲] موطا امام مالک صـ۱۸۱

فقہ کی عظمت اور اہمیّت

تابعینؒ کی نظر میں

قرآن کریم حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی نظر میں فقہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کتنی عظمت ہے یہ آپ دیکھ آئے ہیں. اب اس تسلسل میں چند اقوال تابعینؒ بھی ایک نظر میں دیکھ لیجیے:-

(۱) حضرت عمرو بن میمون الاودیؒ (۷۴ھ) کہتے ہیں یمن میں حضرت معاذ بن جبلؓ ہمارے پاس تشریف لائے. فقہ میں ان کی علمی شان میرے دل میں گھر کر گئی. میں زندگی بھر ان کا گرویدہ رہا. آپ کہتے ہیں:-

فما فارقته حتی دفنته بالشام میتا ثم نظرت الی افقه الناس بعده فاتیت ابن مسعودؓ فلزمته حتی مات[1]

ترجمہ. میں آپ کے ساتھ عمر بھر لگا رہا کبھی آپ سے جدا نہ ہوا. یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی میں نے آپ کو شام میں قبر میں اُتارا. پھر میں دیکھتا رہا کہ اب آپ کے بعد افقہ الناس کون ہے؟ (علم فقہ زیادہ جاننے والا کون ہے) پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور انہی کے ساتھ لگا رہا. یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی.

اس حدیث سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں علم فقہ کی کیا قدر و منزلت تھی. اور فقہاء صحابہؓ (جیسے حضرت معاذؓ اور حضرت ابن مسعودؓ) کسی طرح امت کے امام سمجھے جاتے تھے. یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ بعض تابعینؒ زندگی بھر ایک امام کے پیرو رہے. اور پھر یہ بھی واضح ہوا کہ تمام مسائل میں

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صد ۶۲ مسند امام احمد جلد ۵ صد ۲۳۱

کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا ان کے ہاں کوعیب نہ سمجھا جاتا ہے۔ آج یہ لوگ تقلید شخصی کو عیب سمجھتے ہیں یہ سوچ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں نہ تھی۔ علم اسی کا اونچا سمجھا جاتا جس کو دین میں فقہ حاصل ہو۔ صرف حدیث کا کثرت سے بیان کرنا ان کے ہاں کافی نہ سمجھا جاتا تھا۔

(۲) حضرت ابو تمیمہؒ (۹۷ھ) کس درجے کے تابعی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے شاگرد خاص ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ ھو ثقة حجة عند جمیعھم[1]۔ آپ ایک مجمع علیہ علمی سند تھے یحییٰ بن معین اور دارقطنی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ آپ کے ہاں صحابہ میں فقہی امتیاز کس درجے میں تھا اسے درج ذیل واقعہ میں ملاحظہ فرمائیں:

آپ کہتے ہیں میں شام آیا اور میں نے دیکھا لوگ ایک شخص کے گرد گھیرا بنائے ہوئے جمع ہیں۔ میں نے کہا یہ کون ہیں؟

قالوا ھٰذا افقه من بقی من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم[2]۔

ترجمہ۔ اس ہجوم نے کہا حضورؐ کے جو صحابہؓ رہ گئے ہیں ان میں یہ فقہ کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

یہ حضرت عمرو البکالیؓ تھے۔ انہیں افقہ الناس صرف حضرت تمیمہؒ نے نہیں کہا تابعینؒ کے اس جم غفیر نے کہا ہے۔ اس سے اس بات کی قوی شہادت ملتی ہے کہ عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں علم فقہ کو کس بلند نظری سے دیکھا جاتا تھا۔ لوگ ان کے گرد صرف روایات سننے کے لیے جمع نہ ہوتے تھے دین سیکھنے کے لیے اکٹھے ہوتے تھے۔ لوگ پوچھتے جاتے تھے اور حضرت جواب دیتے جاتے۔ ان دنوں دین سیکھنا فقہ پر ہی موقوف سمجھا جاتا تھا۔ صرف روایت اس کے لیے کافی نہ سمجھی جاتی تھی۔

(۴) حضرت مجاہدؒ (۱۰۰ھ) کس اونچے درجے کے تابعی ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھیے۔ آپ کے نزدیک فقہ کا کیا مقام ہے اور آپ کے نزدیک تمام مسائل میں کسی ایک امام کی

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ صـ۱۲
[2] اعلام الموقعین جلد ۱ صـ۱۲

طرف رجوع کرنا لیا تھا۔ اسے خود ان کے الفاظ میں دیکھئے:

اذا اختلف الناس فی شئ فانظروا ماصنع عمر فخذوا به[1]

ترجمہ: جب لوگ کسی مسئلے میں اختلاف کریں تو تم دیکھا کرو کہ اس میں حضرت عمرؓ کا عمل کیا رہا ہے تم ان کے فیصلے پر فیصلہ دو۔

مسلمانوں کا اختلاف مسائل منصوصہ میں تو نہیں ہو سکتا۔ یہ مسائل غیر منصوصہ کا حل ہے جو حضرت مجاہدؒ تجویز کر رہے ہیں۔ اور اعلم کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں — یہ کسی ایک مسئلے میں ان کے قول کو اختیار کرنا نہیں۔ تمام مسائل میں ان کے قول پر اعتماد کرنا اور فیصلہ کرنا ہے اور یہی تقلید ہے — تقلید کن کی ہو گی۔ ان کی جو فقہ میں علم وافر رکھتے ہیں۔ وہی اس لائق ہیں کہ آئندہ آنے والے ان کی پیروی میں چلیں۔

ممکن ہے حضرت مجاہدؒ کی نظر میں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی ہو جو حضرت حذیفہ بن یمانؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت امام احمدؒ روایت کرتے ہیں:

عن حذیفۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ[2]

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ کب تک میں تم میں رہوں — پس تم میرے بعد دو شخصوں کی پیروی کرنا۔ ایک ابوبکرؓ کی اور دوسرے عمرؓ کی۔

اس حدیث میں کیا حضورؐ نے ان دونوں بزرگوں کی تقلید شخصی کی تعلیم نہیں دی؟ یہاں امور حکومت مراد نہیں۔ امورِ حکومت قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق امرھم شوریٰ بینھم کے تحت رکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی کو مطلق العنان نہیں رکھا جا سکتا۔ نہ اس کی تقلید کی جا سکتی ہے۔ تقلید دیگر علمی اور فقہی مسائل میں پیروی کا نام ہے جن کا تعلق غیر منصوص مسائل سے ہوتا ہے۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۱۵ [2] رواہ الترمذی وابن ماجہ واحمد۔ مشکوٰۃ ص

اور وہ اہلِ علم کے اعتماد پر قبول کیے جاتے ہیں اور ان سے ہر موقع پہ دلائل کی بحث نہیں کی جاتی۔
کیا حضورؐ یہاں یہ فرما رہے تھے کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ سے دلیل لے کر ان کی پیروی کرنا؟ نہیں اسلام میں اس طرح دلیل لے کر پیروی تو ہر کسی کی کی جا سکتی ہے۔ پھر ان کی تخصیص کیا؟ یہاں جو پیروی ہے وہ ان کے اقوال کو ان کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کرنا ہے اور یہی تقلید کا حاصل ہے۔

(۴) یکسوئی سے عبادت میں لگے رہنا افضل ہے یا دین میں فقہ کی راہیں معلوم کرنا؟ اسے حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) سے سنیئے:۔

قال النخعیؒ وغیرہ تفقہ ثم اعتزل ومن اعتزل قبل التعلم فهو فی الاکثر مضیّع اوقاته بنوم او فکر فی هوس [۱]

ترجمہ: پہلے علم فقہ حاصل کرو پھر بے شک عبادت میں یکسو ہو کر بیٹھو۔ جس نے علم حاصل کیے بغیر یکسوئی اختیار کی وہ زیادہ تر اپنے اوقات سونے میں کھوئے گا یا خواہشات کی فکر میں لگا رہے گا۔

(۵) حضرت ضحاکؒ تابعی کبیر (ھ) جلیل القدر مفسر قرآن ہیں۔ آپ آیت ولکن کونوا ربّانیّین بما کنتم تعلمون الکتاب (پ۳ سورۃ آل عمران ۷۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

حق علیٰ کل من قرأ القرآن ان یکون فقیهاً [۲]

ترجمہ: ہر وہ شخص جو قرآن پڑھ لے اس پر لازم ہے کہ (کسی نہ کسی درجہ میں) فقہ کا بھی علم رکھتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں علم، فقہ کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ قرآن سمجھنے کے لیے بھی تفقہ کی ضرورت ہے اور حدیث سمجھنے کے لیے بھی فقہ درکار ہوتی ہے۔ کتاب و سنت پر فقہی نظر رکھنے والا عالم ہی حوادثِ احکام میں حکم شرعی کا پتہ دے سکتا ہے اور یہی وہ حضرات ہیں جو

---

[۱] احیاء علوم الدین جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ [۲] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۰

مسائل غیر منصوصہ کی نظیریں مسائل منصوصہ میں تلاش کر سکتے ہیں۔

(۶) حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کس درجے کے تابعی ہیں اور کس درجے کے امام ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں. حضرت حسن بصریؒ نے کہا عمران المنقری نے کسی بات پر کہا. لیس ھکذا یقول الفقہاء (فقہاء تو یوں نہیں کہتے) اس پر حضرت نے اسے کہا :-

ویحك و رأیت انت فقیھًا قط۔[1]

ترجمہ۔ تجھے کیا ہو گیا کیا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟

یعنی تمہیں کیا پتہ فقیہ کیا ہوتا ہے۔۔۔اس کی تو بڑی اونچی منزلت ہے۔

(۷) حضرت عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) کی فقہی نظر دیکھئے عورتوں اور مردوں کی فطری ساخت کے پیش نظر دونوں کی نماز میں کچھ فرق ہونا چاہیئے۔ عورتیں کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں، اس سے ان کی چھاتیاں زیادہ نمایاں ہوں گی. ہاتھ بھی اس طرح باندھے کہ چھاتیوں کا پردہ رہے۔ آپ کی فقہی نظر ملاحظہ ہو. فرماتے ہیں. ان للمرأۃ ھیئۃ لیست للرجل[2] کان من لعل الفقہاء۔ (اکمال ص۶۱۵)

(۸) ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) دین میں فقہ حاصل کرنے کو بڑی اونچی عبادت کہتے ہیں آپ نے فرمایا :-

ما عبد اللّٰہ بمثل الفقہ[3]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت جس طرح فقہ دین سے ہو سکتی ہے اور کسی انداز سے نہیں۔

(۹) یحییٰ بن سعید الانصاریؒ (۱۴۳ھ) کس طرح اپنے دور کے فقہاء کا ذکر کرتے ہیں. آپ نے فرمایا :-

ما ادرکت فقہاء ارضنا الا یسلمون فی کل اثنتین من النہار[4]

ترجمہ۔ میں نے اپنے علاقے کے فقہاء کو اس طرح پایا ہے کہ وہ دن کی نمازوں میں ہر دو رکعت کے مابین تشہد کرتے تھے۔

---

[1] شرح السنۃ جلد ۱ ص [2] المصنف جلد ۱ ص۲۳۹ [3] شرح السنۃ جلد ۱ ص۲۷۹ [4] صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۵۵

(۱۰) اعمش رح (۱۴۷ھ) تابعی ہیں اور عظیم محدث ہیں. آپ نے فقہ و حدیث کا تقابل کرتے ہوئے فقہاء کو کہا:-

یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة.[1]

ترجمہ. اے گروہ فقہاء تم اطباء ہو اور ہم عطار ہیں.

علم وہی ہے جس کے پیچھے کوئی گہرائی ہو اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ہنر اور تجربہ ہے. قرآن و حدیث علم کا چشمہ ہیں تو فقہ اس کی گہرائی ہے کسی چشمہ کو اس کی گہرائی جانے بغیر جانا نہیں جا سکتا. قرآن و سنت میں فقہ سے کام لیں تو علماء ان کی مرادات کو پا لیتے ہیں. جس علم میں فقہ نہیں وہ علم ہی کیا — علم کی سمجھ کا نام ہی تو فقہ ہے.

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱

فقہ کی اہمیّت محدّثین کی نظر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مسئلہ چلا کہ قبر مبارک بصورتِ لحد کھود دی جائے یا بصورت شق ـــــ صحابہؓ جنہوں نے دن رات حضورؐ کی مجلس پائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنازے بھی پڑھے تھے سب موجود تھے۔ بایں ہمہ ان کی نظر ان بزرگوں پر تھی جو فقہاء سمجھے جاتے تھے۔ مشہور محدّث جلیل القدر تابعی ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ) کہتے ہیں فقہاء کرام نے اسے بصورتِ لحد تجویز کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں فقہاء کی اہمیت اور برتری شروع سے مسلّم چلی آرہی ہے۔

① مشہور محدث حافظ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) المصنف باب اللحد للمیت میں ایک سند اس طرح لائے ہیں:۔

حدثنا جریر عن هشام بن عروه عن فقهاء اهل المدينة قال كان بالمدينة رجلان يحلان القبور قال فكان احدهما يشق والآخر يلحد فلما توفی رسول الله صلى الله عليه وسلم ..... الخ[1]

② سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) فرماتے ہیں۔ فقیہ ایک بھی ہو تو کئی علماء پر بھاری ہے:۔

لو ان فقيهًا على رأس جبل لكان هو الجماعة۔[2]

ترجمہ۔ اگر ایک فقیہ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو تو (گو وہ ایک ہے) وہ جماعت شمار ہوگا۔

③ لیث ابن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ) فرماتے ہیں:۔

الحديث مضلة الا للعلماء۔[3]

---

[1] المصنف جلد ۳ صـ۱۳ [2] شرح السنۃ جلد ۱ صـ [3] ترتیب المدارک جلد ۱ صـ۹۲

ترجمہ. حدیث رستے کو بھلا دینے والی ہے مگر علماء نہیں جو اسے سمجھ پاتے ہیں۔

یعنی حدیث اپنے پیرایہ میں اختلاف کے بھنور میں اور پس منظر اور پیش منظر کے مباحث میں رستے سے دور جا ڈالتی ہے یہ صرف فقہ جاننے والے ہیں جو اس کی مراد کو پا لیتے ہیں حضرت سفیان بن عیینہ ؒ نے یہاں علماء کا معنی فقہاء ہی کیا ہے۔

(۴) امام مالکؒ (۱۷۹ھ)

آپ نے اپنے دو بھانجوں ابوبکر اور اسماعیل کو کہا. تم حدیث سننے اور لکھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہو. اگر تم چاہتے ہو کہ اس علم سے نفع پاؤ اور دوسروں کو پہنچاؤ تو حدیث روایت کرنا کم کرو اور حدیث میں فقہ حاصل کرنے میں محنت کرو یعنی جمع روایت میں تم صرف محدث ہو گے فقہ سے تم صحیح عالم بن پاؤ گے۔

اوصى الامام مالكُ ابنى اخته ابا بكر واسمٰعيل ابنى ابي اويس فقال لهما اراكما تحبان هٰذا الشان جمع الحديث وسماعه وتطلبانه قال نعم قال ان احببتما ان تنتفعا به وينفع الله بكما فاقلا منه وتفقها.

(رواه الرامهرمزی فی المحدث الفاصل ص۲۴۲ ص۵۵۹ والخطیب فی الفقیہ والمتفقہ جلد۲ ص۸۰)

امام مالکؒ کی یہ نصیحت بھی یاد رکھیں۔

سلموا للائمة ولا تجادلوهم فلو كنا كلما جاء رجل اجدل من رجل لخفنا ان نقع فی رد ما جاء به جبريل عليه السلام[1]

ترجمہ. اماموں کی بات، مان لیا کرو ان سے جھگڑا نہ کرو ہمارے پاس جب بھی بڑے سے بڑا مناظر آیا ہمیں اندیشہ ہوا کہیں ہم قرآن کی تردید کے درپے نہ ہو جائیں۔

(۵) عبداللہ بن وہبؒ (۱۹۷ھ) امام لیثؒ اور امام مالکؒ کے نامور شاگرد کہتے ہیں:۔

---

[1] المیزان الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ ص۵۱

كل صاحب حديث ليس له امام في الفقه فهو ضال ولولا ان الله انقذنا بمالك والليث لضللنا۔[1]

ترجمہ: ہر محدث جس کا فقہ میں کوئی امام نہیں وہ راہ بھٹکا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں امام مالکؒ اور حضرت لیث بن سعودؒ کے ذریعہ اس اندھیرے سے (جو حدیث میں پیش آتا ہے) نہ نکالتا تو ہم بھی بھٹک جاتے۔

(۶) حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ)

الحديث مضلة الا الفقهاء۔[2]

ترجمہ: حدیث فقہاء کے سوا سب کو رستے سے بھلا دیتی ہے۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں:۔

التسليم للفقهاء سلامة في الدين۔[2]

ترجمہ: فقہاء کی بات تسلیم کرنا دین کی سلامتی کی ضمانت ہے۔

(۷) حضرت امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) لکھتے ہیں:۔

حديث يتداوله الفقهاء خير من ان يتداوله الشيوخ۔[3]

ترجمہ: حدیث فقہاء کے ہاتھ لگے اس سے بہتر ہے کہ اسے حدیث کے اساتذہ ہی روایت کرتے رہیں۔

(۸) حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

عن الامام احمد قال اذا كان عند الرجل الكتب المصنفة فيها قول الرسول صلى الله عليه وسلم واختلاف الصحابة والتابعين فلا يجوز ان يعمل بما شاء ويتخير فيقضي به ويعمل به حتى يسأل اهل العلم ما يوخذ به فيكون يعمل على امر صحيح۔[4]

---

[1] کتاب الجامع للقیروانی جلد ۲ ص۱۱۷ [2] ایضاً ص۱۱۸ [3] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱ [4] اعلام الموقعین جلد ۱ ص۴۴

ترجمہ۔ امام احمد سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس حدیث کی کتابیں ہوں تو اس کے لیے جائز نہیں کہ جس پر چاہے عمل کرلے اور جو قول چاہے اختیار کرلے اور اس کے مطابق فیصلہ دے جب تک وہ علماء سے نہ پوچھ لے کہ کون سی بات اختیار کرنی ہے۔ اس صورت میں اس کا عمل صحیح طریق پر ہو سکے گا۔

یہاں اہل علم سے کون لوگ مراد ہیں، محمد عوامہ لکھتے ہیں:۔

لا بد من سوال اهل العلم وهم اهل الفقه والمعرفة هل يوخذ بهذا الحديث اولا۔[1]

ترجمہ۔ اہل علم سے مراد اہل فقہ ہیں وہی بتا سکتے ہیں کہ اس حدیث پر عمل کیا جائے گا یا نہ۔

(۹) امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ جو امام طحاویؒ کے استاد اور ماموں تھے فرماتے ہیں:۔

فانظروا رحمكم الله على ما احاديثكم التى جمعتموها واطلبوا العلم عند اهل الفقه تكونوا فقهاء۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تم پر رحم کرے ان احادیث پر جو تم نے جمع کیں نظر رکھو اور علم اہل فقہ سے حاصل کرو تم خود بھی فقہاء بن جاؤ گے۔

(۱۰) پہلے دنوں وہ اہل علم جن کی بات سند سمجھی جائے فقہاء کہلاتے تھے۔ ابن جریجؒ روایت کرتے ہیں مجھے ابن ابی لیلیٰ (۱۴۸ھ) نے ایک مسئلہ سنایا:۔

عن ابن جريج قال قال لى ابن ابى ليلىٰ عن فقهائهم لسيد العبد ما اصدقها غلامه ياخذه منها عجلت قبل ان تعلم۔[3]

ترجمہ۔

---

[1] اثر الحدیث الشریف صا۷ [2] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ صد ۱۵ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۷ صد ۲۶۲

(۱۱) امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث[1]

ترجمہ۔ اور یہی بات فقہاء نے کہی ہے اور فقہاء ہی حدیث کے معنی بہتر جانتے ہیں۔

(۱۲) حضرت ابوبکر بن عیاشؒ صحیح بخاری کے راوی ہیں (دیکھئے جلد ۲ صفحہ ۷۲۵) علم کا آخری فیصلہ آپ کے ہاں فقیہ کا فیصلہ ہے۔ جب تک کسی مسئلے پر فقیہ کا عمل نہ ہو وہ مسئلہ ہی نہیں۔ آپ ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

مارأیت فقیہا قط یفعلہ[2]

ترجمہ۔ میں نے کسی فقیہ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقہاء۔[3]

ترجمہ سو حلال و حرام کا علم فقہاء سے ہی حاصل کیا جاتا ہے۔

(۱۴) حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) اپنے رسالہ الطیبۃ النافعہ میں لکھتے ہیں:۔

اما الائمہ وفقہاء اہل الحدیث فانہم یتبعون الحدیث الصحیح حیث کان اذا کان معمولاً بہ عند الصحابۃ ومن بعدھم اوعند طائفۃ منہم فاما ما اتفق علیٰ ترکہ فلا یجوز العمل بہ لانہم ما ترکوہ الا علیٰ علم انہ لا یعمل بہ قال عمر بن عبد العزیز خذوا من ای ما کان یوافق قبلکم فانہم کانوا اعلم منکم۔[4]

---

[1] جامع ترمذی جلد ا ص ۱۱۸ [2] طحاوی جلد ا ص ۱۱۲ [3] فتح الباری جلد ا ص ۱۳۱ [4] فضل علم السلف علم الخلف ص ۹

ترجمہ۔ ائمہ اور فقہاء، اہل حدیث حدیث صحیح کی پیروی کرتے ہیں وہ جہاں بھی ہو بشرطیکہ وہ صحابہ اور تابعین کے ہاں یا ان کے کسی ایک طبقے میں معمول بہ رہی ہو لیکن جب اسے سب نے چھوڑ رکھا ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، ان حضرات نے اسے کسی علم کی بناء پر ہی چھوڑا ہو گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کہتے ہیں کہیں سے حدیث لو بشرطیکہ وہ تم سے پہلے لوگوں میں قبول کی گئی ہو۔ وہ بے شک تم سے زیادہ جاننے والے تھے۔

(۱۷) علامہ سیوطیؒ الحاوی میں لکھتے ہیں :۔

قالت الاقدمون المحدث بلا فقه كعطار غير طبيب فالادوية حاصلة فى دكانه ولا يدرى لما ذا يصلح والفقيه بلا حديث كطبيب ليس بعطار يعرف ما تصلح له الادوية الا انها ليست عنده۔[1]

ترجمہ۔ پہلے اہل علم نے کہا ہے وہ محدث جو فقہ نہ جانتا ہو اس عطار کی طرح ہے جو طبیب (ڈاکٹر) نہ ہو سب دوائیں اس کی دوکان میں موجود ہوتی ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ وہ کس مرض کا علاج ہیں اور فقیہ بلا حدیث اسی طرح ہے جیسے وہ طبیب جو جانتا تو ہے کہ یہ دوائیں کس مرض کی ہیں مگر وہ رکھتا نہیں۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہ اور حدیث میں کوئی تضاد نہیں۔ فقہ حدیث کا غیر نہیں۔ حدیث قالب ہے اور فقہ روح ——— فقہاء نے کبھی قیاس اور استنباط کو نص پہ مقدم نہیں کیا۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اپنے ایک مضمون الموافقۃ بین الحدیث والفقہ بھی ہدیہ قارئین کر دیں مضمون کی مناسبت سے اگر کوئی بات دوبارہ آ جائے تو اس سے درگزر فرمائیں۔

---

[1] حاوی جلد ۲ ص ۳۹۸

الموافقة بین الحدیث والفقہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امّا بعد:

امتِ محمدیہ کے علماء، دو حصّوں میں منقسم ہوئے؛ کچھ محدثین اور کچھ فقہاء ہوئے — محدثین اپنے عقیدہ وعمل کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تک پہنچاتے ہیں اور جن اُمور میں انہیں کتاب وسنت سے دلیل نہ ملے ان میں وہ مجتہدین اہلِ فقہ کی پیروی کرتے ہیں — اور جو اہلِ فقہ ہیں وہ ان مسائل میں جن میں کتاب وسنت کی بطریق عبارت راہنمائی نہ ملے وہ کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا حل دریافت کرتے ہیں — مسائل غیر منصوصہ کا حکم استنباط واستخراج کی راہ سے معلوم کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

محدثین اور فقہاء کی ان کاوشوں سے امت پر کوئی ایسا وقت نہ آیا کہ انہیں کسی پیش آمدہ مسئلہ میں روایۃً یا استنباطاً شریعت کی روشنی میں حاصل نہ ہو سکے عبارۃً نہ سہی دلالۃً ان تمام مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت ہوتا رہا اور لوگ فقہ کی روشنی میں آگے چلتے رہے۔

علامہ ابوسلیمان الخطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:۔

رأیت اھل العلم فی زماننا قد حصلوا حزبین وانقسموا فرقتین اصحاب حدیث واثر واھل فقہ ونظر وکل واحدۃ منھما لا تتمیز عن اختھا فی الحاجۃ۔[1]

ترجمہ: میں نے اپنے زمانہ کے اہلِ علم کو دو حصوں میں بٹا پایا ہے اور علماء دو گروہوں میں تقسیم ہیں ایک اصحابِ حدیث اور دوسرے اہلِ فقہ۔

اس سے پتہ چلا کہ چوتھی صدی میں اہلحدیث علماء کا ایک طبقہ تھا۔ یہ کسی فقہی مسلک یا

---

[1] معالم السنن جلد ۱ ص ۳

اَن پڑھ نمازیوں کے کسی گروہ کا نام نہ تھا نہ ان دنوں کسی جاہل میں ہمت تھی کہ اپنے آپ کو اہلحدیث کہے یا اپنے آپ کو محدثین میں شمار کرے۔

ان دو طبقوں میں زیادہ اُونچے درجے کے لوگ کون تھے ماہرینِ فقہ یا ماہرینِ فنِ رجال؟ اس کے لیے امام ابوزرعہ الرازی (د ھ) کی اس تصریح پر غور فرمائیں۔ حافظ ابن عساکر دمشقی اپنی تاریخ میں امام ابوزرعہ کے ترجمہ میں ان سے نقل کرتے ہیں:۔

تفكرت ليلة في رجال فاريت فيما يرى النائم كان رجلاً ينادى يا اباز رعة فهم متن الحديث خير من التفكر في الموتى[1]

ترجمہ۔ ایک رات میں راویانِ حدیث پر غور کر رہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ایک شخص آواز دے رہا ہے۔ اے ابازرعہ! حدیث کے متن کو سمجھنا (اس کی فقہ حاصل کرنا) راویانِ حدیث میں غور کرنے کی نسبت کہیں زیادہ افضل ہے۔

یعنی ضرورت دونوں کی ہے لیکن حدیث کی فقہ پر وقت لگانا اس کے ثبوت پر وقت لگانے کی نسبت کہیں زیادہ آگے کا کام ہے

دونوں کمالات ایک جگہ اکٹھے

کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ یہ دونوں طرح کے کمالات۔ ۱۔ فہم حدیث جسے فقہ کہتے ہیں اور ۲۔ علم رجال پر نظر جو فن حدیث کا موضوع ہے یکجا جمع ہوں اس صورت میں فاضل گروہ کون سا سمجھا جائے گا؟

الجواب: ہاں ایسا بھی ہوا ہے حضرت امام بخاری اور امام داؤد محدث بھی تھے، اور فقیہ بھی۔ امام بخاری اصولِ فقہ میں زیادہ امام شافعی کے اصول پر چلے ہیں اور امام داؤد، حضرت امام احمد کی راہ پر لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فقہ و اجتہاد میں جو مقام ائمہ اربعہ کا

[1] تاریخ ابن عساکر

ہے امام بخاری اور امام ابو داؤد کے اجتہادات امت میں کبھی اس پائے کے نہیں سمجھے گئے جو مقام امام ابو حنیفہ۔ امام مالک. امام شافعی اور امام احمد کا ہے. اتنی بات تو غیر مقلدین حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں ۔

محدثین صحاح ستہ کے اجتہاد کو ائمہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کتنے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں جو گوئے سبقت ائمہ اربعہ لے گئے امت میں اس کی ضرورت اور قدر تاریخ کی ہر نئی کروٹ میں اور زیادہ محسوس ہو گی.

ے ہمارے بعد ہمارے ہی تذکرے ہوں گے
ہمارے بعد ہی محسوس اک کمی ہو گی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس امت کے اہل علم دو حصوں میں کیوں بٹے ؟ اور پھر ایک تیسرا محروم القسمت گروہ بھی آنکلا جو نہ محدثین بنے نہ فقہاء اور نہ وہ کسی فقیہ کی پیروی میں چلے؟ امت کی یہ زمین تین حصوں میں کیوں بٹ گئی ؟

الجواب : یہ دینی فطرت ہے اور فطرت اس میں اپنے تمام تقاضے ظاہر کرتی ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے وہ بارانِ رحمت تھی جو اس امت پر برسی. مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انسانی نگاہ محروم نہ ہو گی کہ زمین میں کچھ زرخیز حصے ہوتے ہیں. یہ زمین پانی پیتی ہے اور خوب پیتی ہے اور پھر یہ فصلیں اگلتی ہے اور پودے پھیلاؤ میں شادابی اور بہار لاتی ہے. اس زمین نے پانی اپنے اندر سمویا اور اپنے سے پھر وہ دولت پیدا کی کہ عام انسانی نگاہ اس کا تصور نہ کر سکتی تھی کہ یہ مٹی اس طرح کے رنگ رنگ کے پھول اور مختلف ذائقوں اور خوشبوؤں کے پھل اس کثیر مقداریں اگلے گی.

۲. ایک اور زمین بھی تھی جو اپنے اندر پانی جذب نہ کر سکی مگر اس کے پتھریلے کناروں نے پانی کو اپنے اندر روک لیا اور پھر وہ انسانوں اور جانوروں اور دوسری زمینوں کے کام آتا رہا.

---

[1] فتاوی اہلحدیث جلد ا ص۷

اس زمین نے پانی کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا۔ یہ دوسرے درجہ کی زمین تھی۔

پہلے درجے کے اہلِ علم اس امت کے فقہاء مجتہدین ہیں۔ دوسرے درجے کے اہلِ علم محدثین ہیں۔ اگر یہ دین بارانِ رحمت ہے اور یقیناً ہے تو اس میں فقہاء اور محدثین دونوں طرح کے علماء ہونے چاہئیں۔ ہاں جو لوگ محدث نہ ہوں نہ فقیہ اور نہ کسی فقیہ کے پیرو ہوں یہ وہ حصہ زمین ہے جو نہ قابلِ کاشت ہے اور نہ قابلِ ذخیرہ۔ یہ اس امت کے وہ محرومُ القسمت ہیں جو دینِ فطرت کی راہ پر نہیں چلے بارانِ رحمت سے حصہ نہیں لے سکے۔ نہ محدث ہوئے نہ فقیہ اور نہ کسی فقیہ کے پیرو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۴۴ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مثل ما بعثنی الله به من الهدیٰ والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضًا فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلاء والعشب الكثير وكانت منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منها طائفة اخرىٰ انما هی قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت الكلاء فذٰلك مثل من فقه فی دين الله ونفعه بما بعثنی الله به فعلم وعلّم ومثل من لم يرفع الله بذٰلك رأسا ولم يقبل هدى الله الذی ارسلت به[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم اور راہ دے کر بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسی۔ اس میں ایسا صاف اور عمدہ قطعہ بھی تھا جس نے بارش کو اپنے اندر جذب کر لیا اور گھاس اور رنگا رنگ کے پودے اُگائے اور ایسے پتھریلے قطعے بھی تھے جنہوں نے (اپنے میں پانی جذب تو نہ کیا تاہم) پانی کو اپنے اندر روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا انہوں نے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۸

وہاں سے پانی پیا. مویشیوں کو بھی پلا یا اور کھیتوں کو بھی دیا — اور بارش ایسے چٹیل قطعات پر آئی جو اپنے میں نہ پانی روک سکیں نہ گھاس اُگا سکیں سو یہ مثال اس کی ہے جس کو دین میں مقام فقہ ملا اور اُسے اس علم سے نفع پہنچا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر مبعوث کیا اس نے سیکھا بھی اور سکھایا بھی اور اس کی بھی یہ مثال ہے جس نے اُدھر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا تھا.

جس طرح زمین اپنے خزانے اُگلتی ہے فقہاء کرام کتاب و سنت کی حدود سے اس کے دبے خزانوں کو باہر نکالتے ہیں اور اپنے استنباط سے ہر نئی پیش آمدہ ضرورت کو پورا کرتے ہیں پانی کو ذخیرہ رکھنے والی زمین اس امت کے محدثین ہیں اور جو نہ اس طرف رہیں کہ فقہاء کے پیچھے چلیں اور نہ اس طرف کے ہوں کہ علم حدیث حاصل کریں یہ وہ سادہ لوح لوگ ہیں جو علم حدیث نہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو محدث اور محقق سمجھتے ہیں نہ زمین نہ قابلِ کاشت ہے نہ پانی کو روک رکھنے والی ہے ان محروم القسمت غیر مقلدین کو بس اسی طرح سمجھیں جنہوں نے اس آسمانی ہدایت کی طرف سر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا. پانی کو روک رکھنے والی زمین کے متعلق علامہ سندھی فرماتے ہیں :-

قسم ينتفع بعين علمه ذلك كاهل الحفظ والرواية [1]

ترجمہ. یہ وہ قسم ہے جو آپ کے علم کے چشمہ سے نفع اٹھاتی ہے جیسے حفظ و روایت کے لوگ.

اور پہلی قسم کے بارے میں فرماتے ہیں :-

قسم ينتفع بثمرات علمه ونتائجه كاهل الاجتهاد والاستخراج [2]

---

[1]

ترجمہ. یہ وہ قسم ہے جو آپ کے علم کے پھلوں اور اس کے نتائج سے نفع اٹھاتی ہے جیسے مسائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں استنباط کرنے والے.

لسانِ شریعت نے اس امت کے اول درجے کے علماء فقہاء مجتہدین کو اور دوسرے درجے کے علماء محدثین کو قرار دیا ہے. رہے تیسرے درجے کے لوگ تو یہ غیر مقلدین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس آسمانی ہدایت کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری کی اس حدیث نے یہ تو واضح کر دیا کہ اس امت میں دو طرح کے لوگ ہوں گے. محدثین اور فقہاء — لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ حافظ حدیث اور فقیہ میں شیطان پر کون زیادہ بھاری ہے. حضورؐ فرما چکے ہیں.

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد.

ترجمہ. ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بھاری ہے.

اس کی تفصیل ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں. حضرت امام شافعیؒ اپنے رسالہ میں اس موضوع کی ایک حدیث پر ایک نہایت مفید بات کہہ گئے ہیں.

دل علی انه قد یحمل الفقه غیر فقیه یکون له حافظاً ولا یکون فیه فقیهاً.[1]

ترجمہ. اس حدیث سے پتہ چلا کہ کبھی حامل فقہ (حدیث روایت کرنے والا) ایسا بھی ہوتا ہے جو خود فقیہ نہ ہو وہ حافظ حدیث تو ہو سکتا ہے لیکن وہ فقیہ کے مرتبے کو نہیں پہنچتا.

حق یہ ہے کہ کیا محدثین اور کیا فقہاء مسلمانوں کو دونوں کی ضرورت ہے. اگر محدثین اسلام کا علمی سرمایہ ہیں تو فقہاء اسلام کی علمی شاہراہ ہیں اور ظاہر ہے کہ شاہراہ کے بغیر کسی راہ پر چلا نہیں جا سکتا. حافظ ابن قیمؒ نے ایک جگہ تفقہ اور استنباط کے توافق پر ایک نہایت مفید نوٹ تحریر

---

[1] الرسالہ صہ ۵۵

کیا ہے :-

ایک قسم وہ حفاظ ہیں جن کا کام صرف روایات کو یاد رکھنا ہے اور جیسی روایات سنی ہیں اُن کو ویسی ہی آگے پہنچا دینا ہے. ان کا کام مسائل معلوم کرنا اور استنباط کرنا نہیں ہے. دوسری قسم ان علمار کی ہے جن کا کام محفوظ سرمایہ سے مسائل نکالنا اور ان کے احکام مستنبط کرنا ہے پہلی قسم جیسے حافظ ابوزرعہ ابو حاتم اور دوسری قسم جیسے امام مالک اور امام شافعی وغیرہ ہیں. خود صحابہؓ میں حفظ روایت اور استنباط مسائل کے لحاظ سے یہ تقسیم موجود تھی —— غور فرمائیے عبداللہ ابن عباسؓ حبرِ امت اور قرآن کے ترجمان ہیں مگر اس کے باوجود آپ کی ان حدیثوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے جن میں ذاتی سماع اور حضورؐ کے دیکھنے کی تصریح ہو. مگر حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ کے فتاوے ضخیم جلدوں میں جمع کیے ہیں. حافظ ابن حزمؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ان کے بحرِ فقاہت کی ایک مٹھی ہے. ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء —— ان کے مقابلے میں حضرت ابوہریرہؓ ہیں. حفظ روایت میں علی الاطلاق حافظ امت ہیں. مگر تفقہ اور استنباط میں حضرت ابن عباسؓ کے برابر نہیں. حفظ روایت اور استنباط مسائل میں امت کو یہ تقسیم صحابہؓ سے ملی ہے. [1]

اسلام میں الفاظ حدیث کی روایت اور حفاظت اپنی جگہ ضروری ہے لیکن الفاظِ حدیث کی گہرائی میں اُترنا اور ان میں لپٹے معانی کا استنباط یہ بھی علم کا کوئی کم اہم باب نہیں ہے ہر دو اسلام کی اصل اصیل اور وجیہ وجیہ ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ یہ بھی لکھتے ہیں :-

---

[1] الوابل الصیب ص۸۶ مختصراً

آنحضرتؐ کی طرف سے دین کو آگے لے جانا دو طرح سے ہے۔ ۱۔ الفاظ نبوت کی تبلیغ اور ۲۔ معانی کی تبلیغ (نفس مسئلہ کو آگے پہنچانا)..... دوسری قسم فقہاء کے اسلام کی ہے جو مسائل نکالنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ان حضرات نے پہلے حلال و حرام کے ضابطے مستنبط کیے اصولِ فقہ مرتب کیے۔ فقہاء کا مقام زمین پر ایسا ہے جیسے ستارے آسمان میں۔ ان کے ذریعے ہی تاریکیوں میں بھٹکے لوگ رستہ معلوم کرتے ہیں لوگوں کو ان کی (فقہاء کی) ضرورت کھانے پینے سے بھی زیادہ ہے اور ان کی اطاعت قرآن کی رو سے والدین کی اطاعت سے بھی زیادہ ضروری ہے[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی لکھ گئے :۔

التخریج علی کلام الفقہاء وتتبع لفظ الحدیث لکل منہما اصل اصیل فی الدین۔[2]

ترجمہ: کلامِ فقہاء پر مسائل کی آگے تخریج کرنا اور الفاظ حدیث کا تتبع ان دونوں کی دین میں ایک بنیادی حیثیت ہے۔

صحابہؓ میں عہدِ نبوت میں یہ دونوں طبقے موجود تھے۔ ایک دفعہ اسلام میں کچھ نئے داخل ہونے والوں نے حضورؐ کے سامنے ایک بات کہی جو حضورؐ کو اچھی نہ لگی۔ اس پر پرانے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضورؐ ہمارے فقہاء نے تو یہ بات نہیں کی :۔

قال لہ فقہاء ھم اما ذو وا رائنا یا رسول اللہ فلم یقولوا شیاء واما اناس منا حدیثۃ اسنانہم فقالوا یغفر اللہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]

اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں بھی اعتبار فقہاء کی بات کا ہی ہوتا تھا حدیث الاسنان لوگوں کا نہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے عرض کی :۔

---

[1] اعلام الموقعین ص۴ مختصراً [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص۱۵۲ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص۴۴۵

فامهل حتی تقدم المدینة فانها دار الهجرة والسنة فتخلص باهل الفقه واشراف الناس [1]

ترجمہ: سو کچھ ٹھہریں یہاں تک کہ آپ مدینہ پہنچیں وہ دار الہجرت ہے اور سنت کا گھر ہے وہاں آپ اہل فقہ سے اور بڑے لوگوں سے علیحدگی میں مل سکیں گے۔

علم حدیث ایک فنکار کے پیرائے میں

علم حدیث میں اشتغال ایک بڑی نعمت ہے۔ حدیث پر اس اعتبار سے نظر کہ یہ کس کس سند سے آئی ہے اور اس پہلو سے اس پر نظر کرنا کہ یہ مقاصد شریعت کی تکمیل میں کہاں تک مفید ہے یہ دو بالکل علیحدہ علیحدہ موضوع ہیں۔ دوسرے پہلو سے حدیث پر غور کرنے والے فقہاء ہوتے ہیں ان کا علم حدیث میں اشتغال ایک حافظ حدیث کی حیثیت سے نہیں ہوتا۔ یہ اس پر مقاصد شریعت کے ایک پہرے دار کی حیثیت میں نظر کرتے ہیں۔ مقاصد شریعت پر اطلاع اور ان کے استنباط واستخراج کا ملکہ یہ علم کی وہ دولت ہے جس سے فقہاء محدثین سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اس درجہ کے لوگ زیادہ روایت کرنا پسند نہیں کرتے وہ اسے ایک فن سمجھتے ہیں۔ امام سفیان الثوری (۱۶۱ھ) اپنے دور کے عام اہلحدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :-

آج کل حدیث پڑھنا موت کی تیاری کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کو دل بہلاوے اور مشغلہ کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ [2]

اس پر حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :-

میں کہتا ہوں بخدا امام سفیان نے صحیح کہا ہے حدیث کا علم حاصل کرنا اور حدیث کو طلب کرنا حدیث سے ایک الگ چیز ہے۔ کیونکہ طلب حدیث

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۱ [2] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۳

کا اطلاق کچھ زائد اُمور پر بھی ہوتا ہے جو نفسِ حدیث سے مختلف ہوتے ہیں
ان میں چند ایک یہ ہیں جن میں حدیث کا علم حاصل کرنے والے خصوصی دلچسپی
لیتے ہیں۔ ۱. عمدہ کلام لکھنا. ۲. عالی سندوں کے حصول کی کوشش کرنا.
۳. زیادہ سے زیادہ اساتذہ کا تلمذ چاہنا. ۴. مختلف القاب سے ملقب
ہونے پر خوش ہونا. ۵. عمر طویل کی خواہش تاکہ کثیر تعداد لوگوں تک احادیث
کی روایت کی جا سکے. ۶. اور بعض اُمور میں منفرد رہنے کی محبت — تو یہ
تمام چیزیں نفسانی اغراض کا پتہ دیتی ہیں انہیں اعمالِ ربانی سے تعبیر
نہیں کیا جا سکتا.[۱]

اس امت میں فقہاء محدثین پر کیوں چھائے رہے؟ یہ محض اس لیے کہ وہ مقاصدِ شریعت
کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور الفاظ کے نام وغیرہ کی انہیں کچھ خواہش نہ رہی ہے.

علامہ ذہبیؒ یہ بھی لکھتے ہیں:-

"خدا کی قسم صحابہؓ و تابعین کو ان علوم (علم منطق. جدلیات وغیرہ) سے کوئی
سروکار نہ تھا اور نہ امام اوزاعی. سفیان ثوری. امام مالک. امام ابوحنیفہ. امام
ابی ذئب اور امام شعبہ ان میں سے کسی علم کو قابلِ التفات سمجھتے تھے؛"

ائمہ اربعہ نے علم حدیث میں ایک فنکار کا پیرایہ اختیار نہیں کیا اور نہ امام احمد کے سوا
کسی نے کثرتِ حدیث سے روایت کی ہے. ان کی نظر کثرتِ نقل پر نہیں مقاصدِ شریعت پر رہتی
تھی اور انہیں سے علماء مجتہد بنے. علامہ شاطبی لکھتے ہیں:-

انما تحصیل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوصفین احدهما فهم مقاصد
الشریعة علی کمالها والثانی من الاستنباط۔[۲]

ترجمہ. اجتہاد کا درجہ اسے ہی ملا جو ان دو وصفوں سے موصوف ہوا. ۱. ایک

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۴ [۲] الموافقات جلد ۱ ص ۲۴

مقاصد شریعت کو پورے کمال سے سمجھ پانا اور ۲. دوسرا اپنے اندر ملکہ استنباط رکھنا (اس سے مسائل کا استخراج کیا جا سکے).

مجتہدین گو اپنی جگہ محدث بھی ہوتے ہیں لیکن علم حدیث میں ان کی نظر مقاصد شریعت پر ہوتی ہے. کثرت طرق تعدد اسناد سند عالی اور حفظ کی شہرت ان کے سامنے نہیں ہوتی. حضرت امام احمد اس لحاظ سے دوہری منقبت کے لائق ہیں کہ باوجود کثرت روایت کے محدثین کے ان اطوار سے جن کی نشاندہی علامہ ذہبی نے کی ہے یکسر کنارہ کش رہے. وہ محدث ہونے کے باوجود کامل مجتہد بھی تھے اور مقاصد شریعت پر ان کی گرفت بھی بڑی مضبوط تھی جو علم حدیث مقاصد شریعت کی تکمیل کرے وہ جملہ مجتہدین کو بخوبی حاصل رہا ہے. وہ مجتہد ہی کیا جس کے پاس حدیث کا ضروری علم موجود نہ ہو. رہے کثرت طرق تو نہ ان پر شریعت کا مدار ہے نہ ان میں اجتہاد کا انحصار ہے. امام ابوحنیفہ اور امام شافعی مجتہد ہوئے ہیں. امت میں کبھی کوئی اختلافی شخصیت نہیں رہے. پوری امت نے انہیں بالاتفاق علمی درجے میں کامل مجتہد مانا ہے اور یہ درجہ علم حدیث پر پورے تمکن کے بغیر کسی کو نہیں مل سکتا. علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

وکان متمکناً من الاطلاع علی مقاصدها کما قالوا فی الشافعی وابی حنیفة فی علم الحدیث.[1]

ترجمہ. مگر مقاصد شریعت پر پختہ اطلاع رکھتا ہو. جیسا کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے علم حدیث کے بارے میں علماء کی رائے متفقہ ہے.

علماء اسلام کی اس متفقہ رائے کی روشنی میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم حدیث کے بارے میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور ان حضرات کے بارے میں کوئی ایسا تصور ہرگز راہ نہیں پا سکتا جس کے تحت ان ائمہ کبار کی نظر مقاصد شریعت پر کمزور نظر آئے. یہ حضرات دینی علم کے کسی پیرائے میں شبہ کا شکار نہیں ہیں. ان کے مرتبہ امامت پر ہمیشہ سے

---

[1] الموافقات جلد ۱ صفحہ ۱۰۹

پُوری امت کا اجماع رہا ہے۔ ان کے اجتہادی مسائل سے کسی کو اختلاف ہو تو ہو لیکن اُن کے مقام اجتہاد میں کسی صاحب علم کو کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔

محدّثین اور فقہاء کی مختلف ذمّہ داریاں

حضرت مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۹۶ھ) خلیفہ حضرت سید احمد شہید و شاگرد حضرت مولانا احمداللہ الصدیقی شاگرد شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی اپنے وقت کے ایک بڑے مصلح اور داعی تھے اور بنگال کے حق میں خدا کی کھلی رحمت تھے اور تاثیر و ہدایت میں آیۃ من آیات اللہ (خدا کی ایک نشانی) تھے۔ آپ اپنے رسالہ حجت قاطعہ میں لکھتے ہیں:۔

> فقہاء دین کے حاکم ہیں۔ دین کے معاملے میں حکم دینے کا ان کو اختیار ہے اور محدث لوگ دین کے چوکیدار ہیں۔ دین کی امانت کو یعنی حدیث کو حفاظت کے ساتھ رکھ کر اس کے لائق لوگوں کے پاس بجنسہٖ پہنچا دیتے ہیں ان کو حکم دینے کا اختیار مطلق نہیں ہوتا...... اس قاعدے کے صحیح ہونے پر اُمّت کا اجماع ہے۔ کیونکہ کسی نے اس قاعدے سے انکار نہیں کیا اور سارے فقہاء اور محدثین اور مفسرین و متکلمین و صوفیہ فقہ پر عمل کرتے ہوئے چلے آئے ہیں اور فقہ پر عمل کرنے کی تاکید سب نے کی ہے چنانچہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ بزازی نے اپنی کتاب میں ان چار چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ سو ان سب چار چیزوں کے بیان کے بعد امام بخاری نے کہا۔ پھر اگر طاقت نہ رکھے ان سب مشکل بوجھ کے اُٹھانے کی تو اس پر واجب ہے فقہ کا اختیار کرنا جس کا سیکھنا ممکن ہے اپنے گھر بیٹھے بیٹھے ـــــ اور فقہ سیکھنے میں نہ تو دور و دراز سفر کرنے کا محتاج ہے نہ ملک ملک پھرنے کا اور نہ جہاز کشتی پر سوار ہو کے دریا کی سیر کا ـــــ اور باوجود اس آسانی کے فقہ جو

ہے سو پھل اور مقصود اصلی حدیث کا ہے اور فقیہ کا ثواب اور اس کی عزت محدث کے ثواب سے اور اس کی عزت سے کم نہیں. یہاں تک کہ بخاری کی بات ختم ہوئی. سو اس بات سے فقہ کے مرتبہ اور بلندی دریافت کرو۔[1]

انبیاء سے مشابہت کن کے حصے میں آئی

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

پس مشابہ بانبیاء دریں فن مجتہدین مقبولین اند پس ایشاں را از ائمہ فن باید شمرد مثل ائمہ اربعہ...... پس گویا مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردیدہ بناءً علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب امام معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف.[2]

ترجمہ. پس اس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہوئے ہیں انہیں ائمہ فن میں شمار کرنا چاہیئے جیسے کہ چار امام ہوئے...... اس فن میں مشابہت تامہ انہی کو نصیب ہوئی ہے. یہی وجہ ہے کہ عامہ اہل اسلام میں وہ خواص ہوں یا عوام یہ حضرات ملقب با مام ہوئے.

فکر کی ایک دردمندانہ درخواست

قارئین سے غور کی درخواست ہے. وہ لوگ جو ائمہ اربعہ کے مقام امامت سے بغض رکھتے ہیں اور مجتہدین کو محدثین سے اونچے درجے کے علما تسلیم کرنے میں انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے وہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کیسے ہم مسلک ہو سکتے ہیں.

مولانا شہیدؒ تو لکھتے ہیں:۔

---

[1] حجت قاطعہ صہ ۱۰۱-۱۰۲ مشمولہ ذخیرہ کرامت حصہ اوّل طبع ۱۲۸۸ھ کانپور [2] منصب امامت صہ ۵۳

اعمال میں چار مذہبوں کی متابعت جو اہل اسلام میں رائج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیئے. بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے.[۱]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں :-

مجتہد ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد امت کے اکثر عالموں نے قبول کیا ہو جیسے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور قیاس بھی فاسد نہ ہو.[۲]

یہ تحریرات تیرہویں صدی کی ہیں. ان سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی تک محدثین اور فقہا میں کوئی تعارض اور تصادم نہ تھا. مجتہدین کے بارے میں محدثین ہمیشہ تسلیم کرتے آئے ہیں کہ علم نبوت کی گہرائی میں یہی لوگ اترتے ہیں اور نہ صرف ان کے علم کی شان ہے کہ مسائل غیر منصوصہ میں یا مسائل منصوصہ (بظاہر) متعارضہ میں حکم جاری کر سکیں مجتہدین کے اس حق کا محدثین نے بھی کبھی انکار نہیں کیا. یہ صرف ہندوستان کے چودھویں صدی کے خارِ مغیلاں تھے جنہوں نے علم فقہ کے خلاف بلا سے سمجھے اپوزیشن کی دیوار کھڑی کر دی اور ایک نیا فرقہ قائم کر دیا اسلاف میں تو ایسا نہ تھا. یہ ترک تقلید کی ہوا اسی دور میں چلی ہے جس کے نتیجے میں نیچریوں منکرین حدیث اور قادیانیوں کو اپنے نئے نئے دائرے بنانے کا موقعہ مل گیا.

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

---

[۱] صراط مستقیم صـ۹۷ [۲] تذکیر الاخوان صـ۱۸۴ یعنی قیاس کسی نص سے متصادم نہ ہو.

سات فقہاء کا نظریۂ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

جس طرح فقہ اور حدیث میں نسبت تضاد نہیں محدثین اور فقہاء بھی ایک دوسرے کے ہم دوش چلے ہیں۔ ان میں بھی آپس میں کوئی تخالف نہیں بعض کم علم لوگ فقہ کو اس طرح حدیث کا مخالف بتاتے ہیں جس طرح بعض دوسرے کم فہم حدیث کو قرآن کے مقابل لا کھڑا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حدیث ایک عجمی سازش ہے جو لوگوں کو قرآن سے دُور کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ (معاذ اللہ)

ہم یہاں محدثین اور فقہاء دونوں کو ایک ساتھ ملا کر بیان کرتے ہیں۔ اس سے علمی دنیا میں ہم آہنگی پیدا ہوگی۔ واللہ ہو الموفق۔

ہم سب سے پہلے سات بڑے فقہاء کا نظریۂ حدیث پیش کرتے ہیں جس سے پتہ چلے گا کہ وہ رائے کو حدیث کے سامنے کس طرح مسترد کرتے ہیں:۔

① حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)　⑤ حضرت امام زفرؒ (۱۵۸ھ)
② حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ)　⑥ حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)
③ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ)　⑦ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ)
④ حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

① حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں:۔

اذا جاءنا الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ بہ اذا جاءنا من الصحابۃ بتخیرنا واذا جاءنا عن التابعین زاحمناھم۔[1]

---

[1] الانتقاء لابن عبد البر ص۱۴۴

ترجمہ: جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث پہنچے تو ہم اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور صحابہؓ سے جب کوئی روایت پہنچے تو ہم ان میں سے کسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور جب ہمیں کوئی بات تابعینؒ سے آئے تو ہم ان کے برابر اپنی بات لاتے ہیں (خود اجتہاد کرتے ہیں)

حضرت امام ابو حنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں:-

اخذ بکتاب اللّٰہ فما لم اجد فبسنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والآثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات فان لم اجد فبقول اصحابہ اخذ بقول من شئت واما اذا انتھی الامر الی ابراھیم والشعبی والحسن والعطاء فاجتھد کما اجتھدوا۔[۱]

ترجمہ: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر مجھے وہاں بات نہ ملے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آثار صحیحہ جو ثقہ راویوں کے پاس ثقہ راویوں سے پہنچی ہو ان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر میں وہاں بھی بات نہ پاؤں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے جس کی بات چاہوں لے لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعیؒ، علامہ شعبیؒ، حسن بصریؒ اور عطا بن ابی رباحؒ تک پہنچے تو میں اسی طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا ہے۔

ان حضرات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنی اور اپنے اساتذہ کی رائے پر حدیث، اور آثارِ صحابہؓ کو بہر حال مقدم کرتے ہیں اور حدیث کے ہوتے ہوئے محض رائے سے دین کی بات کہنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:-

لم تزل الناس فی صلاح ما دام فیھم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا۔[۲]

---

[۱] المناقب للذہبی صفحہ ۲۰ ولم یویدہ ما فی تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۶۸ [۲] میزان کبریٰ للشعرانی جلد ا ص ۵۱

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں :-

ایاکم والقول فی دین اللہ بالرای وعلیکم بالسنۃ فمن خرج عنہا ضل۔ [1]

ترجمہ: دیکھنا! اللہ کے دین میں رائے سے بات کہنے سے بچنا تم پر سنت کی اتباع لازم ہے جو سنت سے نکلا اس نے رستہ کھو دیا۔

سنت کا ثبوت کمزور سند سے بھی ملے تو رائے سے مسئلہ بتانے سے بہتر ہے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس کسی نے شکایت کی کہ امام ابوحنیفہ حدیث کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابوجعفر نے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

اے امیر المؤمنین، تم نے غلط سنا ہے میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد سنت رسول اللہ پر اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلوں پر۔ پھر باقی صحابہؓ کے فیصلوں پر۔ جب صحابہ کرامؓ کسی مسئلے میں مختلف ہوتے ہیں تو بحالت مجبوری قیاس کرتا ہوں (اور ان میں سے کسی کی بات کو ترجیح دیتا ہوں۔ [2]

جو شخص یہ کہے کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے تھے اس کے بارے میں علامہ شعرانی لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے تعصب رکھنے والا اور اپنے دین میں دلیر ہے اور بات چیت میں احتیاط کرنے والا نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے غافل ہے کہ بیشک کان آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں اس شخص سے پرسش کی جائے گی۔ [3]

آگے جا کر لکھتے ہیں :-

اگر اس پر بھی کوئی اعتراض کرنے سے باز نہ آئے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کا سبب سوائے اس کے کہ وہ قلبی بینائی سے کور ہے اور کچھ نہیں۔ [4]

پیش نظر رہے کہ علامہ شعرانیؒ (۹۷۶ھ) کوئی حنفی المذہب بزرگ نہیں کہ اپنے امام کا دفاع کر رہے ہوں آپ شافعی المذہب تھے یہ آپکی انصاف پسندی ہے کہ حق بات کو حق کہہ گئے۔ آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ ہم کو حدیث سے

---

[1] میزان کبریٰ للشعرانی جلد ۱ ص ۵۱ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۶۱ [3] ایضاً جلد ۱ ص ۶۱ [4] ایضاً ص ۱۹۲

الگ کردو۔ امام صاحب نے اس کو سختی سے ڈانٹا اور فرمایا اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی آدمی قرآن مجید کو نہ سمجھ پاتا۔ پھر آپ نے اس شخص سے سوال کیا کہ بندر کے گوشت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کیا قرآن میں اس کی حرمت یا حلت کی کوئی دلیل ہے؟ وہ شخص لاجواب ہو گیا اور ساکت ہو گیا۔ پھر اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی اس میں کیا رائے ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ بندر بہیمۃ الانعام یعنی چار پایہ جانوروں میں سے نہیں ہے یعنی وہ حلال نہیں ہے[1]

---

[1] المیزان جلد ۱ صفحہ ۱۵۸

(۲) حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ) اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقضِ وضو ہے تحریر فرماتے ہیں :-

ولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اهل المدینة ولکن لاقیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للآثار۔[1]

ترجمہ۔ اگر وہ آثار نہ ہوتے جو وارد ہو چکے تو قیاس وہی چاہتا ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس جائز نہیں اور اس موقع پر اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ احادیث کے سامنے سر تسلیم کر دیا جائے۔

اس سے پتہ چلا کہ ائمہ احناف کے ہاں حدیث بہرحال مقدم رکھی جاتی تھی اور اس کے ہوتے ہوئے رائے اور قیاس سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۳) حضرت امام مالکؒ

قال معن بن عیسیٰ سمعت مالکاً یقول انما انا بشر اخطئ واصیب فانظروا فی رایی فکل ما وافق الکتاب والسنة فخذوا به وکل ما لم یوافق الکتاب والسنة فاترکوه۔[2]

ترجمہ: معن بن عیسیٰ کہتے ہیں میں نے امام مالک کو کہتے سنا ہے میں ایک انسان ہوں درست فیصلے بھی کر پاتا ہوں اور کبھی چوک بھی جاتا ہوں۔ تم میرے فتویٰ پر غور کیا کرو۔ جو کتاب و سنّت کے موافق ہو اسے لے لیا کرو (مجتہد کے فیصلے کو لینا کوئی بُری بات نہیں) اور جو فیصلہ کتاب و سنّت کے موافق نہ ہو تو اُسے چھوڑ دیا کرو۔

ابن ابی حاتم حضرت امام مالکؒ سے اور وہ ربیعہؒ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

ان اللہ تعالیٰ وتعالیٰ انزل علیکم الکتاب مفصّلاً وترکَ فیه موضعاً للسنة

---

[1] الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ جلد ۱ صـ۲۰۴ [2] ترتیب المدارک جلد ۱ صـ۱۸۴، صـ۱۸۹

وسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وترك فیہما موضعا للقیاس[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف کتاب مفصل بھیجی اور اس میں سنت کے لیے جگہ رکھ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں اور ان میں اجتہاد کی راہیں رکھ لیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ فقہاء نے اجتہاد اور قیاس کو کبھی سنت کے مقابل نہیں رکھا۔ اسے ہمیشہ سنت کے بعد ہی رکھا ہے

(۴) حضرت امام ابو یوسفؒ

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) نے خلیفہ ہارون الرشید کو لکھا۔

ترجمہ۔ اے امیر المومنین: اپنے عمال کو حکم دے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کے مطابق فیصلہ کریں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا وہ خط بھی تھا جو آپ نے خلیفہ وقت ابوجعفر منصور کو لکھا تھا:۔

میں پہلے قرآن کے مطابق، پھر سنتِ رسول کے مطابق، پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ دیتا ہوں، پھر دوسرے صحابہؓ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ ان میں اگر اختلاف ہو تو پھر اپنی رائے سے ان میں کسی کا قول اختیار کر لیتا ہوں[3]

(۵) حضرت امام زفرؒ

حضرت امام زفرؒ بن الہذیلؒ (۱۵۸ھ) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے

---

[1] الدر المنثور جلد ص [2] کتاب الخراج صلا [3] میزان الشریعۃ الکبریٰ ص۶۲

زیادہ قیاس کے ماہر ہیں۔ آپ بھی فرماتے ہیں :-

لا ناخذ بالرای مادام الاثر واذا جاء الاثر ترکنا الرای۔[1]

ترجمہ: جب حدیث موجود ہو ہم رائے پر نہیں چلتے اور جب حدیث آجائے تو ہم نے رائے قائم بھی کی ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

جب امام زفرؒ بھی رائے اور قیاس کو حدیث اور اثر کے مقابل کچھ نہیں سمجھتے تو اور کوئی فقیہ قیاس کو اس سے اونچا درجہ کیا دے سکتا ہے۔

گیارہویں صدی تک یہی آواز سننے میں آرہی ہے کہ حدیث اور اثر کے سامنے رائے اور قیاس کوئی وزن نہیں رکھتی، محدث کبیر شارح مشکوٰۃ مجدد مائۃ دہم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں :-

ان مذھبھم القوی تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرد الذی یحتمل التزییف نعم من رای ثاقبھم الذی ھو معظم مناقبھم انھم ما تشبثوا بالظواھر بل دققوا النظر فیھا بالبحث عن السرائر۔[2]

ترجمہ: فقہائے احناف کا قوی مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف بھی ہو تو اسے اس قیاس پر جو بے بنیاد ہو مقدم کیا جائے۔ ہاں ان کی روشن رائے یہ رہی ہے اور وہ ان کی بڑی منقبت ہے کہ وہ ظاہر حدیث سے تمسک نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے اندر لپٹے معنی پر بھی غور کرتے ہیں اور دقت نظر سے کام لیتے ہیں۔

یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ صرف اکابر ائمہ فقہ کے فیصلے تھے۔ فقہاء مابعد بھی ان کے مطابق ہی چلے ہیں۔ لیجئے اب ہم فقہ حنفی کے مزاج حضرت علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) کے حوالے سے بات آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ دوسری صدی میں جو کچھ کہا گیا تھا اسی کی آواز گیارہویں اور تیرہویں صدی میں بھی سنی جارہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :-

---

[1] جواہر المضیئہ جلد ۲ صفحہ ۵۳۴، الفوائد البہیہ صفحہ ۷۶ [2] مرقات جلد ۱ صفحہ ۳

نقل العلامہ بیری فی اول شرحہ علی الاشباہ عن شرح الہدایۃ لابن شحنہ ونصہ اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذہب عمل بالحدیث و یکون ذٰلک مذہبہ ولا یخرج مقلدہ عن کونہ حنفیاً بالعمل بہ فقد صح عنہ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذہبی وقد حکی ذٰلک ابن عبد البر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ ونقلہ ایضا الامام الشعرانی عن الائمۃ الاربعۃ۔[1]

ترجمہ۔ علامہ بیریؒ نے الاشباہ کی شرح کے شروع میں علامہ ابن شحنہ کی شرح ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ جب صحیح طریق سے ثابت ہو جائے اور وہ اپنے فقہی مذہب کے خلاف ہو تو عمل حدیث پر کیا جائے گا اور یہی آپ کا مذہب شمار ہوگا اور حدیث پر عمل کرنے سے کوئی شخص حنفی ہونے کے دائرہ سے نہیں نکلتا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ سے صحیح طریق سے یہ بات پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا جو کوئی حدیث صحیح طریق سے ثابت ہو جائے تو اسے ہی میرا مذہب سمجھو۔ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ نے بھی امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ائمہ فقہ سے یہ بات نقل کی ہے علامہ شعرانیؒ یہ بات ائمہ اربعہؒ سے نقل کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں:۔

وذکر ابن حزم الاجماع علی ان مذہب ابی حنیفہ ان ضعیف الحدیث اولیٰ عندہ من الرای والقیاس۔[2]

ترجمہ۔ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ابو حنیفہؒ کے ہاں ضعیف حدیث بھی رائے اور قیاس پر مقدم ہے۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) مجتہد مطلق تھے آپ نے حدیث کی کوئی بڑی کتاب جیسے

---

[1] رد المحتار جلد ا صفحہ ۳۵۸ [2] دلیل الطالب صفحہ ۸

بخاری شریف اور صحیح مسلم) نہیں لکھی۔ مسند امام شافعیؒ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام شافعیؒ علم حدیث میں ان محدثین سے کم تھے۔ آپ کی زندگی کا موضوع فقہ رہا ہے اس لیے بطور فن کار محدث کے آپ حدیث کی کوئی بڑی کتاب نہ لکھ سکے۔ تاہم آپ کی کتاب الامامؒ میں سینکڑوں احادیث آپ نے روایت کی ہیں۔ آپ ہمیشہ سنت کے علمبردار رہے۔ تعامل امت کو آپ نے حدیث کے بعد رکھا ہے۔

حضرت علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) آپ کو الامام العلم حبر الامۃ اور ناصر السنۃ لکھتے ہیں۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

کان اصحاب الحدیث رقود احتی ایقظھم الشافعی۔[1]

ترجمہ۔ اصحاب الحدیث سوئے ہوئے ہیں امام شافعیؒ نے انہیں جگادیا۔

یعنی محدثین روایت حدیث میں مصروف رہے پڑھنے پڑھانے کا کام فقہا کرتے رہے امام شافعیؒ نے محدثین کو جگایا۔ وہ اس فن کے لیے اٹھے اور اس کی باقاعدہ تدوین کی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ سب کتابیں ان کے بعد لکھی گئی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے علم حدیث کم تھا۔ پچھلوں نے پہلوں ہی سے علم لیا ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ امام شافعیؒ صرف حدیث کو دیکھتے تھے تعامل امت کو نہ لیتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ آپ نے بیس رکعت تراویح کا فیصلہ تعامل امت سے ہی تو کیا ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

قال الشافعیؒ ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔[2]

ترجمہ۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہی پایا ہے۔

امام شافعیؒ اپنے زمانے کی بات جس انداز میں لکھ رہے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان

---

[1] توالی التاسیس ص۵۹ [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص۱۳۹

سے سالہا سال پہلے بھی مسجد حرام میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۷) حضرت امام احمدؒ

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی شاگردی کا شرف پایا ہے۔ آپ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابو داؤدؒ کے استاد تھے۔ ائمہ اربعہؒ میں آپ چوتھے امام ہیں سعودی عرب کے علماء آلِ شیخ سب ان کے مقلد ہیں۔ آپ کا نظریہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کے نظریہ حدیث سے ملتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس والرای قوله وقول احمد[1]۔

وقد قدم الحديث الضعيف على القياس[2]۔

ترجمہ: حدیث ضعیف بھی ہو تو اسے اور آثارِ صحابہ کو رائے اور قیاس مقدم کیا جائے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ دونوں کا مذہب ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دین میں رائے سے کام لینا یہ ہرگز امام ابو حنیفہؒ کا طریقہ نہ تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ دونوں کا نظریہ حدیث ایک تھا کہ قیاس اور رائے کو کسی صورت میں حدیث پر مقدم نہیں کیا جا سکتا گو وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

یہ اجلہ فقہاء کا نظریہ حدیث آپ کے سامنے آگیا ہے۔ اب ذرا محدثین کی جوابی روش بھی دیکھ لیں کہ وہ کس طرح فقہاء کے ساتھ مل کر چلے ہیں اور ان کے سایہ میں چلے ہیں۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ـــ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۳۱

محدثین فقہ کے سائے میں

① امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ)

علامہ ذہبی آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام — پختہ کار عالم دین عراق کے محدث امام یحییٰ بن معین (۲۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ وکیع اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے اوزاعی (۱۵۷ھ) اپنے زمانہ میں. امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع سے افضل کوئی آدمی نہیں دیکھا. رات کو قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے. عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں آج دونوں شہروں کے بڑے عالم وکیع بن الجراح ہیں[1]

حضرت امام وکیع بن جراح ائمہ حنفیہ میں سے تھے.[2]

اور آپ حضرت امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے. علامہ حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

ویفتی بقول ابی حنیفة.[3] آپ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے.

② امام یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ)

علامہ ذہبی آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں مجھے عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۲۰ھ) نے کہا تم اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید جیسا کوئی آدمی نہ دیکھو گے. علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں میں نے ان سے بڑا اسماء الرجال کا ماہر نہیں دیکھا. ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ ثقہ حجۃ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ۲۹۴ [2] مفتاح السعادۃ جلد ۲ صـ۱۱۱ مولیٰ طاش زادہ کبریٰ [3] تہذیب جلد ۱ صـ۱۲۶ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ۲۸۲ جامع بیان العلم جلد ۲ صـ۴۹

مامون اور اونچے درجے کے حامل ہیں۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر امام مالکؒ، شعبہؒ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ علم میں پختگی امام یحییٰ بن سعیدؒ پر ختم ہے۔[1]

حضرت امام یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی فقہ میں مفتی تھے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔[2]

علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ:۔

کان یحییٰ القطان یفتی بقول ابی حنیفۃ۔[3] یحییٰ بن سعید القطانؒ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔[4]

(۳) امام شعبہ بن الحجاجؒ (۱۶۰ھ)

امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) کے بقول آپ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی علمی عظمت اور جلالتِ شان کے قائل تھے۔ آپ کو جب حضرت امام کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمایا۔ آج کوفہ پر علم کا چراغ گُل ہو گیا۔

حافظ موصلی تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں:۔

کان شعبۃ حسن الرای فی ابی حنیفۃ۔[5]

ترجمہ۔ امام شعبہؒ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

محدث ابن حجر مکیؒ (۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

امام شعبہؒ کہتے تھے جو لوگ حضرت امام ابو حنیفہؒ پر طعن کرتے ہیں وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

(۴) حضرت امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۲۳۴ اردو [2] دیکھیے تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص۳۴۷ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۲۸۲ البدایہ جلد ۱۰ ص۱۰۸ تہذیب جلد ۱۱ ص۱۲۷ [4] نقلاً عن عقود الجواہر الحنفیہ للزبیدی ص۵

آپ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے استاد حضرت یحییٰ بن بکیرؒ (۲۳۱ھ) کے استاد ہیں صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔ آپ کی جلالت علم اور ثقاہت پر علماء کا اجماع ہے۔ آپ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر فتوے دیتے تھے اور آپ کے شاگرد تھے حضرت علامہ بدرالدین عینیؒ (۸۵۵ھ) شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

كان الليث اماما كبيرا مجمعًا على جلالته وثقته وكرمه وكان على مذهب الامام ابى حنيفه قاله القاضى ابن خلكان۔[1]

ترجمہ۔ حضرت لیثؒ بڑے امام تھے۔ آپ کی جلالت۔ ثقاہت اور بزرگی مجمع علیہ ہے۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر تھے۔ قاضی ابن خلکانؒ نے ایسا ہی کہا ہے۔

نواب صدیق حسن خاںؒ لکھتے ہیں:۔

وے حنفی مذہب بود وقضائے مصر داشت۔[2]

ترجمہ۔ آپ حنفی مذہب کے تھے مصر کی قضا آپ ہی کے سپرد تھی۔

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

آپ مصر کے سب سے بڑے مفتی تھے۔[3]

آپ حضرت امام ابویوسفؒ کے بھی شاگرد تھے۔ عبداللہ بن وہبؒ کہتے ہیں:۔

اخبرنى الليث عن يعقوب عن النعمان عن موسىٰ بن ابى عائشه عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبد الله ان النبى صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقراءة الامام قراءة له۔[4]

ترجمہ۔ مجھے لیث ابن سعدؒ نے امام ابویوسفؒ سے انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے انہوں نے عبداللہ بن شدادؒ سے انہوں

---

[1] عمدۃ القاری جلد ص [2] اتحاف النبلاء المتقین ص ۲۲۷ [3] تہذیب الاسماء جلد ۲ ص ۷۴ [4] طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۸

نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت
کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کا پڑھنا اس
کا ہی پڑھنا ہے۔

محدثین فقہاء کو اپنے سے آگے رکھتے تھے

سابقہ بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں محدثین اور فقہاء میں کوئی خاص فاصلہ نہ تھا۔ نہ
ان میں کسی قسم کا کوئی کھچاؤ تھا۔ دونوں طبقے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ حضرات
محدثین اپنے آپ کو حامل فقہ سمجھتے اور فقہاء کو اپنے سے آگے کے درجہ میں رکھتے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد رب حامل فقہٍ وغیر فقیہ ہر وقت ان کے پیش نظر تھا کہ راوی حدیث ہونا اور
بات ہے اور فقیہ ہونا اور بات ہے۔

(۱) دیکھئے حضرت علامہ شعبیؒ (۱۰۰ھ) کس انکساری سے کہتے ہیں۔

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه الفقهاء[۱]

ترجمہ۔ ہم فقہاء نہیں ہیں۔ ہم حدیث سنتے ہیں اور آگے بیان کر دیتے ہیں۔

(۲) حضرت اعمشؒ (۱۴۸ھ) کس عظیم درجہ کے محدث ہیں۔ مگر دیکھئے آپ فقہاء کی کتنی
قدر کرتے تھے:۔

يا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن صيادلة۔[۲]

ترجمہ۔ اے گروہ فقہاء طبیب تم ہو، ہم تو صرف دوائیں لگائے بیٹھے ہیں۔

(۳) حضرت امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) کس درجے کے محدث ہیں۔ یہ علامہ ذہبیؒ سے معلوم کیجئے:۔
آپ نامور فقیہ اور رسید الحفاظ ہیں۔ آپ سے عبداللہ بن مبارکؒ، یحییٰ القطانؒ، ابن
وہبؒ، وکیعؒ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ امام شعبہؒ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۷۹ اردو صفحہ ۵۸ [۲] نشر العرف صفحہ ۱۲۹

یحییٰ بن معینؒ اور محدثین کی ایک جماعت نے آپ کو امیر المومنین فی الحدیث خطاب دیا ہے. عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں میں نے ایک ہزار ایک سو شیوخ سے علم حاصل کیا. ان میں ایک بھی سفیان ثوریؒ سے افضل نہیں پایا[1]

آپ فقیہ کو کیا مقام دیتے ہیں. یہ ان سے سنیئے :-

لوان فقیہا علیٰ راس جبل لکان ھو الجماعۃ[2]

ترجمہ. ایک فقہ جاننے والا پہاڑ کی چوٹی پہ بیٹھا ہو تو وہ اکیلا ایک بڑی طاقت ہے

محدثین نے عمران المنقری اور حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے. پہلے عمران نے کہا :-

لیس ھکذا یقول الفقہاء - یعنی فقہا اس طرح نہیں کہتے -

(۴) اس پر حضرت حسن بصریؒ نے کہا :-

ویحک و رایت انت فقیہا[3]

ترجمہ. تیری بربادی. کیا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا ہے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں فقہا کتنی عزت سے دیکھے جاتے تھے -

(۵) حضرت ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) کس مرتبے کے محدث ہیں. یہ بات کسی بھی صاحب علم سے مخفی نہیں. آپ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیے :-

ماعبد اللہ بمثل الفقہ[4]

ترجمہ. اللہ کی عبادت کا بہترین پیرایہ دین میں تفقہ ہے -

(۶) حضرت امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) لکھتے ہیں :-

حدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ الشیوخ[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۳ اردو [2] شرح السنۃ جلد ۱ ص ۲۷۹ [3] سنن دارمی جلد ۱ ص ۲۷۹ [4] شرح السنۃ البغوی جلد ۱ ص ۲۷۹ [5] معرفت علوم الحدیث ص ۱۱

محدثین فقہ کے سائے میں علمی ترقی کرتے رہے

(۱) حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) اپنے مؤطا میں جہاں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی پیروی امت میں جاری ہوئی تو وہاں آپ ان اہل علم کے لیے یہ الفاظ اختیار کرتے ہیں :۔

انہ لم یر احدًا من اھل العلم والفقہ یصومھا۔[۱]

ترجمہ۔ آپ نے اہل علم فقہاء سے کسی کو یہ روزے رکھتے نہیں رکھا۔

(۲) حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کے پاس ۱۹۸ھ میں کچھ محدثین مسجد خیف میں آئے آپ نے انہیں فقہ کی تعلیم پر آمادہ کیا۔ وہاں آپ حج کے مسائل پر فتوے دیتے رہے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کے ہاں فقہ اونچے درجے کا علم شمار ہوتا تھا۔ بلکہ اس سے حدیث کی بھی صحیح معرفت ملتی تھی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں :۔

جاءہ اصحاب الحدیث فجعل یعلمھم الفقہ والحدیث ویفتی الناس فی المناسك۔[۲]

ترجمہ۔ آپ کے ساتھ اصحاب الحدیث آتے اور آپ انہیں فقہ اور معرفتِ حدیث کی تعلیم دیتے اور آپ مسائل حج میں فتوے صادر فرماتے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء حضرات نے ہمیشہ محدثین کی سرپرستی کی ہے۔

(۳) حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) صحابہ کرامؓ میں بھی اُونچے درجے کے لوگ انہی کو کہتے ہیں جو فقہاء تھے :۔

فلما اجتمعوا جاءھم رسول اللہ فقال ما کان حدیث بلغنی عنکم قال لہ فقہاءھم اما ذووا راینا یارسول اللہ فلم یقولوا شیئاً رواہ البخاری عن انس بن مالك۔[۳]

---

[۱] مؤطا امام مالک صفحہ ۲۹۱ مصر [۲] تالیفات شیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۲۵۶ [۳] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۴۵

قال یحییٰ بن سعید الانصاری ما ادرکت فقہاء ارضنا الا یسلمون فی کل اثنتین من النہار۔[1]

ترجمہ۔ ہم نے اپنے بلاد کے فقہاء کو اسی پر پایا ہے کہ وہ ہر دو رکعت کے مابین تشہد کرتے تھے۔

(۴) حضرت امام مسلم (۲۶۱ھ) ابوعبید سے حدیث روایت کرتے، اس کے فقیہ ہونے سے اپنی روایت میں قوت لاتے ہیں:-

قال حدثنی ابوعبید وکان من القراء و اہل الفقہ۔[2]

(۵) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) اپنی سنن میں نقل کرتے ہیں:-

فکلمنی فقہاء اہل مکۃ۔[3]

(۶) امام ترمذی (۲۷۹ھ) کو لیجئے۔ باب الرخصۃ فی الاقعاء میں لکھتے ہیں:-

وقد ذہب بعض اہل العلم الیٰ ہٰذا الحدیث من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون بالاقعاء بأساً وھو قول بعض اہل مکۃ من اہل العلم والفقہ۔[4]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:-

قال عمر بن الخطاب لا یبیع فی سوقنا الا من تفقہ فی الدین رواہ الترمذی فی فضل الصلوٰۃ علی النبی۔[5]

ایک اور جگہ پر ہے:-

وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم معانی الحدیث۔[6]

ترجمہ۔ اور اسی طرح فقہاء کہتے ہیں اور وہ حدیث کو بہتر جاننے والے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۸ [4] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ [5] ایضاً جلد ۱ صفحہ [6] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ باب غسل میت

وقال بعض اھل العلم من فقھاء التابعین منھم الحسن البصری و ابراھیم النخعی وعطاء ابن ابی رباح۔[1]

عن سفیان الثوری قال فقھاءنا۔[2]

(۷) امام نسائی (۳۰۲ھ) کتاب الغنائم میں ایک یہ فقرہ بھی لکھ گئے ہیں۔

ویعطی منه عن رای من فیه غناء ومنفعة لاھل الاسلام ومن اھل الحدیث والعلم والفقه والقرآن۔[3]

پہلا درجہ اہل حدیث کا ہے اس سے مراد نقل حدیث کرنے والے ہیں پھر اہل علم کا اس سے مراد حدیث سمجھنے والے ہیں۔ پھر اہل فقہ کا اس سے مراد حدیث کی فقاہت رکھنے والے اور پھر سب پر قرآن کا درجہ ہے۔

(۸) فقہاء مدینہ میں ابوالزناد (۱۳۱ھ) مشہور علمی شخصیت ہیں۔ آپ جب کبھی فقہاء کی بات لیتے تو فرماتے کہ ان سب سے آگے جانے کی کوئی راہ نہیں ان پر بات ختم ہوتی ہے۔ امام بیہقی سنن کبریٰ میں ان سے متعلق نقل کرتے لکھتے ہیں:۔

عن الفقھاء الذین ینتھی الی قولھم من اھل المدینة۔[4]

(۹) امام ابن ماجہ کے ہاں بھی علم اور قرآن سیکھنا بغیر فقہ کے نہیں ہے۔ آپ اپنی سنن باب ذہاب القرآن والعلم میں حضرت زیاد بن لبید سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے آپ کو کہا:۔

ان کنت لاراك من افقه الرجل بالمدینة۔[5]

یعنی قرآن کا باقی رہنا صرف اس کے پڑھنے پڑھانے سے نہیں یہ فقہ سے ہے۔ جتنا کوئی فقیہ ہوگا اتنا ہی وہ علم قرآن کا محافظ ہوگا۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۵ [3] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ [4] سنن کبریٰ جلد ۸ صفحہ ۵

حدیث کی اور کتابوں میں بھی فقہ کی ہی سربراہی ہے۔ المصنف لعبدالرزاق (۲۱۱ھ) المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) سنن دارمی (۲۵۵ھ) مسند ابی یعلی (۳۰۷ھ) اور المستدرک للحاکم (۴۰۵ھ) میں اس قسم کی متعدد جزئیات ملیں گی جن سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اور فقہاء کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں رہے۔ محدثین زیادہ تر روایات نقل کرتے ہیں اور فقہاء انہیں اچھی طرح سمجھ پاتے ہیں اور پھر ان میں بھی کوئی عام فقیہ ہوتے ہیں اور کوئی افقہ ـــ زیادہ افقہ تک پہنچ جائے تو ایک بڑا کام ہوگیا۔

حضرت امام بخاری کے سامنے مسائل آئے کہ کیا حمام میں قرآن پڑھ سکتا ہے اور بغیر وضو اس کی آیات لکھ سکتا ہے۔ مردہ پرندے کے پر پاک ہیں یا نہ؟

آپ کے پاس ان مسائل پر احادیث موجود نہ تھیں۔ آپ نے ان میں حضرت امام نخعی (۹۶ھ) اور امام حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) کے اقوال پر فیصلے کیے اور بلا طلب دلیل ان مجتہدین کی تقلید کی:۔

عن ابراهیم لا بأس بالقرأة فی الحمام و یکتب الرسالة علی غیر وضوء وقال حماد عن ابراهیم ان کان علیه ازار فسلم۔[۱]

پھر آگے ص۷۳ پر لکھتے ہیں:۔

قال حماد لا بأس ـــ بریش المیتة۔

اور پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

قال حماد الاخرس والاصم ان قال برأسه جاز۔[۲]

یہ حماد بن ابی سلیمان کون ہیں؟ امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) اور سفیان الثوری (۱۶۱ھ) کے استاد ـــ امام ابوحنیفہ دارالعلوم کوفہ میں انہی کے جانشین تھے جب امام بخاری جیسے محدث جلیل بھی ان فقہاء کے اقوال سے صحیح بخاری کی تکمیل کرتے ہیں تو ان نادانوں پر تعجب ہے جو ہر جگہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہمیں قرآن اور حدیث کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ فقہ کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۱ [۲] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۷۹۲

ترجمہ. حدیث فقہاء کے ہاتھ لگے اس سے بہتر ہے کہ وہ شیخ الحدیث کے ہاتھ لگے۔

(۷) مشہور محدث ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) تاویل الاحادیث میں فقہاء کو ہی عالم سمجھتے ہیں. آپ نے المصنف میں یہ باب باندھا ہے:-

ما حفظت فیمن عبر من الفقہاء[۱]

ترجمہ. جو فقہاء سمجھے گئے ہیں میں نے ان سے کیا کچھ لیا ہے۔

(۸) حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) فقہ کی عظمت کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

وکذلک قال الفقھاء وھم اعلم بمعانی الحدیث[۲]

ترجمہ. اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معنوں کو زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔

(۹) امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) کو دیکھئے کس شرح صدر سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

رحم اللہ ابا حنیفۃ کان اماما[۳]

ترجمہ. اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحم فرمائے آپ بے شک امام تھے۔

(۱۰) حضرت عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ (۵۹۷ھ) محدث جلیل کو کون نہیں نہیں جانتا. آپ فقہاء کو کیا مقام دیتے ہیں. ملاحظہ کیجئے:-

اعلم ان فی الحدیث دقائق وآفات لا یعرفھا الا العلماء الفقھاء[۴]

ترجمہ. جان لو کہ حدیث میں کئی باریکیاں اور پیچیدگیاں لپٹی ہیں جنہیں وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔

(۱۱) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کی محدثانہ شان کس سے چھپی ہوگی. آپ بھی فقہاء کو یہی اونچا مقام دیتے ہیں۔

---

[۱] المصنف جلد ۶ صفحہ ۱۸۳ [۲] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ [۳] الانتقاء صفحہ ۔ تذکرہ جلد ۵ صفحہ ۱۶۰
[۴] دفع شبہ التشبیہ صفحہ ۲۶

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقہاء[1]

ترجمہ: حلال و حرام کا علم فقہاء ہی سے لیا جا سکتا ہے۔

حضرت امام ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) اور امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) دونوں حضرات امام احمدؒ کے مذہب پر چلتے تھے (دیکھئے الانصاف ص) اور فقیہ کے سائے میں چلنا ان کے ہاں عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ دونوں امام حدیث تھے مگر حنبلی مذہب رکھتے تھے۔ محدث ہونا انہیں کسی امام فقہ کی پیروی سے نہ روکتا تھا۔

امام عبدالرحمن نسائیؒ (۳۰۳ھ) کو لیجئے انہوں نے مناسک حج پر فقہ کی ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ انہوں نے امام شافعیؒ کے مذہب پر ترتیب دی ہے۔ نواب صدیق حسن خاںؒ نے بھی آپ کو شافعی المذہب لکھا ہے۔[2]

امام ابو جعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) نے معانی الآثار اور مشکل الآثار جیسی عظیم کتابیں حدیث پر لکھی ہیں۔ مگر آپ حنفی المذہب تھے (دیکھئے لسان المیزان جلد ا ص۲۷۶) مولانا مبارک پوریؒ لکھتے ہیں آپ حنفی تھے۔ (دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۹۲) آپ کئی مقامات پر حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ آپ مجتہد فی المسائل تھے اتنے بڑے محدث ہو کر کس طرح امام ابو حنیفہؒ کے سائے میں چلے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) بہت سے مسائل میں شافعی المذہب ہیں لیکن کئی مقامات پر انہوں نے امام شافعیؒ کی مخالفت بھی کی ہے اور فقہ حنفی کے مطابق رائے قائم کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک درجے میں مجتہد ہیں۔ آپ کی فقہ آپ کے تراجم ابواب میں ہے فقہ کی عظمت آپ کے ذہن میں کتنی تھی۔ اس کا پتہ آپ کی اس روایت سے چلتا ہے جو آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے کونوا ربانیین کی تفسیر میں نقل کی ہے:-

کونوا حکماء علماء فقہاء[3]

ترجمہ: تم ہو جاؤ حکمت کے حاملین، علم کے جانشین اور فقہ کے خوشہ چین۔

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص۳۱ [2] ابجد العلوم ص۸۱ [3] صحیح بخاری جلد ا ص۱۲

امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) حنبلی المذہب ہیں اور صحابہؓ کے اقوال کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ انہیں نظر انداز نہیں کرتے۔ اختلافِ حدیث میں صحابہؓ کے عمل کو فیصلہ کن ٹھہراتے ہیں:۔

اذ تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔[1]

ترجمہ۔ جب حضورؐ سے کسی موضوع پہ دو مختلف روایتیں ملیں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے صحابہؓ نے آپ کے بعد کیا عمل کیا ہے۔

کیا فقہاء حدیث دان بھی ہوتے ہیں۔

حدیث بیان اور حدیث دان دو علیحدہ علیحدہ منصب ہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ جو حدیث بیان کرے وہ حدیث دان بھی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس میں فرق بتلا چکے ہیں:۔

رب حامل فقہ غیر فقیہ۔[2]

ہاں فقہاء حدیث دان ضرور ہوتے ہیں۔ حدیث نہ جاننے والا کیسے فقیہ بن سکتا ہے۔ صاحبِ ہدایہ (۵۹۳ھ) ہی کو لیں۔ حافظ جمال الدین زیلعیؒ (۷۶۲ھ) جیسے جلیل القدر محدث ان کی روایات تلاش کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کی جگہ سپر انداز ہوتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔ معلوم نہیں صاحبِ ہدایہ نے کہاں سے لی ہے۔

علامہ علاؤ الدینؒ صاحبِ درمختار (۱۰۸۸ھ) کس درجے کے اونچے فقیہ ہیں۔ مگر دیکھئے وہ ساتھ ساتھ صحیح بخاری کے شارح بھی ہیں۔ علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) جہاں ہدایہ کے شارح ہیں وہیں صحیح بخاری کے شارح کی حیثیت سے بھی معروف و مشہور ہیں۔ علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) صاحبِ درمختار کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۲۷۶ [2] رواہ الشافعی

ولہ تعلیقۃ علیٰ صحیح البخاری تبلغ نحو ثلاثین کراسا و علیٰ

تفسیر البیضاوی[1]

ترجمہ: آپ کی صحیح بخاری پر تعلیقات ہیں جو تیس[30] اجزاء میں ہیں اور تفسیر بیضاوی پر بھی

آپ کے حواشی ہیں۔

حدیث اور فقہ میں محل خطر کہاں ہے؟

(۱) فقہ کی عبارت حدیث کی نسبت زیادہ سلیس ہوتی ہے۔

(۲) فقہ اپنے موضوع میں تدریجی مراحل سے نہیں گزری۔ حدیث اپنے موضوع میں تدریجی
مراحل سے گزری ہے اور اس نے ۲۳ سال میں تکمیل پائی ہے۔

(۳) حدیث میں ناسخ و منسوخ کی بحث چلتی ہے لیکن فقہ میں کوئی ناسخ و منسوخ کے فاصلے نہیں۔

(۴) حدیث میں غلطی لائق درگزر نہیں۔ فقہ میں نادرست اجتہاد پر بھی ایک اجر کا وعدہ ہے

اس صورتِ حال میں آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ حدیث اور فقہ میں محلِ خطر کہاں ہے
فقہ کے آزاد مطالعہ میں خطرے کم ہیں، جب کہ حدیث کے آزاد مطالعے میں خطرے زیادہ ہیں۔ علماء
نے فقہ السنۃ میں تو محنت کی ہے اور اس عنوان پر کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن سنۃ الفقہ کا عنوان کہیں
نظر سے نہ گزرا ہوگا۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث ہیں اسے حافظ ذہبیؒ کی زبانی سنیئے:

آپ امام، حجت، حافظِ حدیث، وسیع العلم اور جلیل القدر الشان تھے۔ امام شافعیؒ
فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز سے علم حدیث
ختم ہو جاتا۔ امام عبدالرحمٰن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہؒ اہل حجاز کی حدیث سب
لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے

---

[1] رد المحتار للشامی جلد ۱ ص۱۳۱

سُنا ہے فرماتے تھے. ابن عیینہؒ حماد بن زیدؒ سے بڑے حافظ حدیث ہیں.

امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نے ان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا[۱].

آپ، حضرت، امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اور حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) دونوں کے اُستاد ہیں. فرماتے ہیں:-

الحدیث مضلۃ الا الفقہاء[۱]

ترجمہ. حدیث میں بہک جانے کی بہت راہیں ہیں مگر فقہاء کے لیے یہ خطرہ نہیں.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں:-

ماانت بمحدث قوماً حدیثاً لاتبلغہ عقولہم الا کان لبعضہم فتنۃ[۲]

ترجمہ. تم کسی قوم کے پاس کوئی حدیث بیان کرو جو ان کی سمجھ سے بالا ہو تو وہ ان میں سے بعض کے لیے ضرور فتنہ بن جائے گی.

بعض کے لیے کیوں کہا؟ وہ ان سب کے لیے جو اسے نہ سمجھتے ہوں فتنہ کیوں نہ بنے گی؟ یہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ بعض اس پر براہِ راست عمل نہ کریں. وہ فقہ کے سائے میں چلنے والے ہوں اور کسی فقیہ کی پیروی میں وہ اس فتنہ سے بچ جائیں. اور جو بعض براہِ راست عمل بالحدیث کے قائل ہوں وہ اس گڑھے میں آ گریں کسی فقیہ کی رہنمائی میں چلنا وہ عیب سمجھتے ہوں.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر الزام کہ انہوں نے حدیث کو فتنہ کہا ہے

بعض حضرات جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس لیے ناراض ہیں کہ وہ نماز میں رکوع کے وقت رفع الیدین نہ کرتے تھے. ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کو فتنہ کہا ہے. نہیں ایسا نہیں ہے. انہوں نے حدیث کو فتنہ نہیں کہا. بلکہ اس شخص کے عمل بالحدیث کو فتنہ کہا ہے جو علم نہ رکھتا ہو اور جہاں اسے کوئی حدیث ملے وہ اس پر عمل کرنے لگے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سمجھانا چاہتے ہیں کہ

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ اردو [۲] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹

اسے فقیہہ درجے کے علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور ان سے پوچھے بغیر وہ ظاہر حدیث پر عمل پیرا نہ ہو۔ اس میں بقول حضرت سفیان بن عیینہؒ اس کے گمراہ ہونے کا بہت اندیشہ ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں امام مالکؒ سے کہا گیا کہ سفیان بن عیینہؒ کے پاس کئی ایسی احادیث ہیں جو آپ کے پاس نہیں۔ آپ نے کہا اگر میں لوگوں کو وہ تمام احادیث روایت کروں جو میں نے سُنیں تو میں احمق ہوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں انہیں گمراہ کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

انی ارید ان اضلھم اذن و لقد خرجت منی احادیث لوددت انی ضربت بکل حدیث منھا سوطا ولم احدث بھا۔[1]

ترجمہ: تو اس صورت میں ان کو گمراہ کرنیوالا ہوں گا مجھ سے کئی ایسی احادیث بیان ہو چکی ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک ایک کے بدلے ایک کوڑا لگ جاتا اور میں نے انہیں روایت نہ کیا ہوتا۔

آپ کے شاگرد محمد بن عیسی الطباع کے بیان سے امام مالکؒ کے اصول کا پتہ چلتا ہے۔

کل حدیث جاء ک عن النبیؐ لم یبلغک ان احدا من الصحابۃ فعلہ فدعہ۔[2]

مجتہد علماء کے لیے امام مجتہد کی پیروی ضروری نہیں

مجتہد اپنے سے بڑے مجتہد کی پیروی کرے، یہ جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کس اونچے درجے کے مجتہد تھے۔ مگر آپ حضرت عمرؓ کی پیروی میں چلتے تھے۔ ان کے اجتہاد کے سامنے اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ خود مجتہد تھے مگر زیادہ تر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی پیروی میں چلتے تھے۔ یہ جائز ہے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو ہم اسے ملزم نہ گردانیں گے۔

قاسم بن محمد الاندلسی القرطبیؒ (۲۷۶ھ) حضرت امام شافعیؒ کے پیرو تھے۔ جب فقہ میں مہارت حاصل کر لی اور امامت اور اجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے تو تقلید چھوڑ دی۔ لوگوں کو امام شافعیؒ سے ہٹانے کے لیے کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین لکھی۔ حضرت علامہ محمد بن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ)

---

[1] ترتیب المدارک جلد ا ص۱۸۸ [2] الفقیہ والمتفقہ للخطیب جلد ا ص۱۳۲

بھی شافعی المذہب تھے. آپ نے اجتہاد کے دائرہ میں قدم رکھا تو کسی خاص مسلک کی تقلید سے کنارہ کش ہو گئے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ غیر مجتہد بھی کسی امام مجتہد کی پیروی سے نکلنے کا مجاز ہے. کیونکہ اندیشہ ہے کہ ظاہر حدیث پر عمل کرنا اس کے لیے فتنہ بن جائے۔

حدیث علم کا خزانہ ہے اور کھرا سونا ہے. فقہ اس کے کھرا رکھنے اور غلط آلائش سے بچانے کی علمی ضمانت ہے. حدیث اور فقہ میں تو اول درجہ حدیث کا ہے. مگر محدثین اور فقہاء میں فقہاء پہلے ہیں اور بقول امام ترمذیؒ وہ حدیث کے معنی سمجھنے میں محدثین سے آگے نکل گئے ہیں۔

تاہم یہ بات علی وجہ البصیرت کہی جا سکتی کہ محدثین اور فقہاء میں کوئی علمی، فکری اور اعتقادی فاصلہ نہیں. تاریخ میں ہر دو طبقے ساتھ ساتھ چلے ہیں. ابن حزمؒ ظاہری کے بعد آٹھ سو سال تک کسی نے فقہ کی ضرورت کا انکار نہیں کیا. پہلا شخص جس نے برٹش انڈیا میں فقہ کے خلاف آواز اٹھائی وہ ہری چند کھتری تھا جو پہلے ہندو تھا اور معلوم نہیں کس ارادے سے مسلمانوں میں گھس آیا تھا۔

فقہاء اور محدثین پوری تاریخ اسلام میں ساتھ ساتھ چلے ہیں علم میں دونوں سے استناد رہے تو انسان بھٹکتا نہیں. ورنہ بلا فقہ جانے مطالعہ حدیث میں خطرے ہی خطرے ہیں۔

امام ابن وہبؒ امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں کیا پتہ کی بات کہہ گئے :-

کل صاحب حدیث لیس له امام فی الفقه ضال ولولا ان الله انقذنا بمالك والليث لضللنا۔[1]

ترجمہ. ہر الحدیث جو فقہ میں کسی امام کا پیرو نہیں رستے سے بھٹکا ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں امام مالک اور لیث بن سعد مصری کے ذریعہ اس مشکل سے نہ نکالتے تو ہم بھٹک بھی جاتے۔

امام ابن تیمیہؒ گہری بصیرت سے نصیحت فرماتے ہیں :-

ایاك ان تتكلم فی مسئله لیس لك فیها امام۔[2]

ترجمہ. خبردار! اس سے بچنا کہ تم کوئی مسئلہ بتاؤ اور اس میں تمہارا کوئی پیشرو نہ ہو۔

کئی ایسی احادیث بھی ہیں جن پر فیصلہ نہیں دیا سکتا. امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) فرماتے ہیں:-

قد جلعت احادیث لا یؤخذ بها۔[3]

---

[1] [2] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۶ [3] شرح العلل جلد ۱ صفحہ ۲۹

جو مجتہد نہیں وہ اجتہادی مسائل میں تقلید کرے

ہر ایک شخص مجتہد درجے کا ہو یہ عادۃً محال ہے۔ اس سے دوسرے سب کام رُک جائیں گے اور یہ فطرت کے خلاف ہے۔ شیخ شنقیطی لکھتے ہیں:۔

ولو کلف الناس کلھم الاجتھاد وان یکونوا علماء فضلاء لضاعت مصالح العباد و تعطلت السنن والمتاجر وکان الناس کلھم علماء مجتھدین و ھذا مما لا سبیل الیہ شرعًا والقدر قد منع من وقوعہ۔[1]

ترجمہ: اگر لوگ سب کے سب اجتہاد کے مکلف ٹھہرائے جائیں اور یہ کہ وہ سب عالم فاضل بنیں تو اس سے تمام مصالح عباد جاتی رہیں گی اور رفتارِ عمل اور کاروبار کی منڈیاں سرد پڑ جائیں گی اور سب لوگ بس مجتہد ہی ہوں گے اس کا نہ شرع تقاضا کرتی ہے اور قضاء قدر نے ایسا ہونے بھی نہیں دیا۔

قرآن پاک میں صرف ایک طبقے کو مجتہد بننے کے لیے کہا گیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ باقی سب لوگ ان کی تقلید کریں:۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ......

وھذا تقلید منھم للعلماء۔[2]

ترجمہ: یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر طبقے سے کچھ لوگ دین میں فقہ کی تعلیم کے لیے نکلیں یہ ان طبقوں کی طرف سے ان اہل علم کی تقلید ہے۔

یعنی جب وہ فقہ کی تعلیم لے کر آئیں تو پھر اپنی قوم کو اللہ کے خوف سے ڈرائیں اور انہیں شریعت کے احکام بتائیں۔

---

[1] اضواء البیان للشنقیطی جلد ۷ صفحہ ۵۰۳ [2] ایضًا

حقیقتُ الفقہ

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

قرآن کریم میں فقہ کا کیا مقام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا اہمیت دی ہے. یہ آیات، اور احادیث آپ دیکھ آئے ہیں. صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے اسے کس نظر سے دیکھا. یہ بات بھی آپ سے ڈھکی چھپی نہیں. اب یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ کتاب و سنّت میں فقہ کی حقیقت کیا ہے اور کس طرح فقہ کتاب و سنّت کے ساتھ چلتی ہے.

فقہ کی حقیقت معلوم کرنا اس کی جزئیات کی تلاش نہیں. یہ اس جہت کو جاننا ہے جس سے فقہاء نے کتاب و سنّت کے لہلہاتے باغ کے گرد اجتہاد کی آبیاری کی ہے. شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۲ھ) لکھتے ہیں:-

> علمائے تفسیر و ائمہ حدیث اور فقہائے اسلام نے اپنے اپنے علم سے کتاب و سنّت، کا احاطہ کیا اور ان سے احکام کا استنباط کیا اور حوادث نو بہ نو کو نصوص الٰہیہ کی اصل کی جانب راجع کیا. پیدا ہونے والے مسائل اور معاملات کو اپنے تفقہ اور علم کی بدولت نصوصِ الٰہیہ کی طرف راجع کیا اور اس سے ان مسائل و معاملات کے فیصلے کیے.
>
> اللہ تعالیٰ نے ان علماء کے ذریعے دین کی حمایت اور حفاظت فرمائی. علمائے تفسیر نے تفسیر کے اسباب دریافت کرائے. علم تاویل سے روشناس کرایا اور لغتِ عرب، کے طریقوں سے واقف کرایا. صرف و نحو کے عجائبات و غرائب بیان کیے. قصصِ قرآنی کے اصول قرأۃ سبعہ اور اس کے اختلاف کے اسباب وجوہ بیان کیے اور ان علماء تفسیر نے ان موضوعات پر بہت سی تصانیف پیش کیں. علماء کرام کی ان کاوشوں سے امّتِ مسلمہ پر علوم قرآنی بہت وسیع اور

کشادہ ہو گئے — یہ خدمات تو علمائے فن تفسیر کی تھیں اور دوسری طرف ائمہ حدیث نے احادیث صحیح وحسن میں تمیز کی (اس کا ایک معیار مقرر کیا) اور راویانِ حدیث کی چھان بین اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے فن اسماء الرجال کی تدوین کی اور اس فن میں یکتائے زمانہ شمار کیے گئے (کہ ان سے قبل کسی قوم میں یہ کام نہیں ہوا تھا) اور انہوں نے جرح وتعدیل کے اصول وضع کر کے احادیث پر (صحت وعدم صحت) کے حکم لگائے تاکہ صحیح وسقیم میں تمیز ہو سکے اور کج وراست میں امتیاز کیا جا سکے اور اس طرح روایت اور سندِ حدیث کا طریقہ (تحفظ سنت کے لیے) مصئون ومحفوظ رہے۔

فقہائے اسلام کا دائرہ عمل

فقیہان عظام نے اس امر میں کوشش شروع کی کہ احکام الٰہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام کا استنباط کریں، مسائل کی تفریع کی جائے اور تعلیل کی معرفت حاصل کی جائے (یعنی فقہی مسائل کو کس طرح اخذ کیا جائے۔ ان کی فرع کی کیا صورت نکالی جائے اور تعلیل مسائل کی کیا صورت رکھی جائے۔ تاکہ فروع کو اصول علت ہائے جامعہ سے ثابت کرنے میں اور فروع کو اصول کی طرف راجع کرنے میں آسانی ہو۔ انہوں نے اس امر میں کوشش کی کہ نئے مسائل کو نصوص کے احکام سے کامل کریں (جو نت نئے مسائل فقہی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کو نصوص قرآنی سے کس طرح ثابت کیا جائے اور اس سلسلہ میں کون کون سی صورتیں ہو سکتی ہیں جن کے ذریعے ان مسائل کو نصوص سے ثابت کیا جا سکتا ہے) چنانچہ جب ان مسائل پر تنقیح اور ان اصول کی تشریح وتوضیح کی گئی تو علم فقہ واحکام سے علم اصولِ فقہ اور علم خلاف پیدا ہوئے۔

اسی علم خلاف سے علم جدل[1] نکلا، اس سے یہ ثابت ہوا کہ علم اصول دین سب سے زیادہ علم اصول فقہ کا ضرورت مند ہے۔ اسی طرح علم فرائض کا تعلق بھی علم فقہ سے ہے اور علم فرائض کے باعث علم حساب اور علم جبر و مقابلہ (الجبرا) وغیرہ کی ضرورت پڑی جب ان علوم پر کتابیں تصنیف کی گئیں تو شریعت اسلامیہ کی خوب تدریج و توسیع ہوئی اور ان کو استواری اور استحکام حاصل ہوا۔ دینِ اسلام جو ایک سچا اور سیدھا دین ہے اور مستقیم اور قائم ہو گیا (ان علوم یعنی تفسیر و حدیث و فقہ سے اس کو مزید استحکام حاصل ہوا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے لیے جو نظام رشد و ہدایت لے کر تشریف لائے تھے اس کی جڑیں دور دور تک پھیل گئیں اور خوب ہی شاخ در شاخ اور برگ آور ہوا (دور دور تک اس کی شاخیں پھیل گئیں)۔

فقہاء کی محنتوں پر آنے والے پھل

اس وقت قلوبِ علماء کی سرزمین سے جس نے ہدایت اور علم کے آبِ حیات سے (؟) حاصل کی تھی عجیب عجیب حسین اور سرسبز و شاداب چراگاہیں اور سبزہ زار پیدا ہوئے (علمائے کرام نے تفقہ فی الدین کے جوہر دکھائے اور اپنی تصنیفاتِ متنوعہ سے آغوشِ اسلام کو مالا مال کر دیا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا۔ (پ ۱۳ الرعد)

ترجمہ۔ اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر بہہ نکلے رود خانے اپنے اپنے ظرف کے مطابق۔

---

[1] علم جدل جب قرآن کے حکم کے تحت ہو وجادلھم بالتی ھی احسن تو اس سے کج بحثی اور شر پیدا نہیں ہوتا۔ یہ علم مناظرہ ہے اور یہ ایک فن ہے جس پر کتابیں لکھی گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی علم ہے اور رود خانے (ندی نالے) لوگوں کے دل ہیں۔

دریائے نُور کی ایک جھلک

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا موتی پیدا کیا جو بڑا صاف و شفاف تھا۔ پھر اس نے اپنی چشم جلال سے اس موتی کا نظارہ کیا تب وہ حیا کے مارے پانی پانی ہو گیا اور بہہ نکلا پس اس کے بارے میں فرمایا کہ انزل من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدرھا تب دلوں کو یہ پانی پہنچا اور وہ صاف و شفاف ہو گئے۔ حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ انزل من السماء ماءً ایک ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے فرمائی ہے وہ اس طرح کہ جب سیل آب رود خانوں سے گزرتی ہے تو ان رود خانوں میں جس قدر اور جس قسم کی نجاست ہوتی ہے وہ سیل سب کو بہا لے جاتی ہے۔ اسی طرح جب نور کا سیلان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندوں میں تقسیم فرمایا ہے تو اس سیلِ نور کے بہاؤ (سیلان) میں نہ کوئی غفلت باقی رہتی ہے اور نہ کوئی ظلمت —— سیلِ نور سب کو بہا کر لے جاتی ہے۔

انزل من السماء ماء یعنی اتارا آسمان سے حصہ نُور کا فسالت اودیۃ بقدرھا یعنی انوار دلوں میں بہہ نکلے بقدر اس کے جتنا اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل ان کے لیے مقسوم کیا تھا۔ فامّا الزبد فیذھب جفاءً پس اگر کف (جھاگ) ہے یعنی اس پہ باطل کا جھاگ موجود ہے تو جاتا رہے گا (باطل کا جھاگ بہہ جائے گا) پھر قلوب اس طرح روشن اور منوّر ہو جاتے ہیں کہ ان میں

کسی طرح کا میل اور کثافت باقی نہیں رہتی۔ واماما ینفع الناس فیمکث فی الارض ناحق اور ناچیز مٹ جاتے ہیں اور حقیقتیں باقی رہتی ہیں (جو لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا زمین پر نہیں ٹھہرتا)۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انزل من السماء ماءً کے معنی ہیں کہ انواع واقسام کی برکات آسمان سے اتاریں۔ اس صورت میں ہر قلب نے اپنا حصہ اور اپنا نصیب لے لیا۔ پھر علمائے تفسیر وحدیث اور فقہ کے دلوں کے دریا اپنے اپنے اندازے سے بہہ نکلے۔ اسی طرح قلوب صوفیہ کے رود خانے جاری ہو گئے کہ یہ صوفیہ دنیا پر دھیان لگائے نہیں بیٹھے ہیں۔ یہ اپنے اندازے کے مطابق حبائل تقوے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور جس کے باطن میں دنیا کا لوث اور گندگی، دنیا کی محبت، مال وجاہ کی آرزو اور طلب مناصب وعلوِ مرتبت کی خواہش جاگزیں ہے تو ایسے شخص کے دل کا دریا اپنے حال میں رواں ہے (ان تمام کدورتوں کے ساتھ بہہ رہا ہے) ایسے شخص نے ایک جزوِ صالح عمل تو حاصل کیا لیکن حقائق علوم سے بہرہ مند نہیں ہوا اور وہ شخص جس نے دنیا کی طرف توجہ نہیں کی اور اسے دنیا کی طرف رغبت نہیں ہوئی تو ایسے شخص کی دل کی وادی کشادہ ہو گئی۔ ایسے دل میں علم کا پانی جمع ہوا اور وہ تالاب سے جھیل بن گیا۔

تفقہ اور فقیہ میں فرق

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ فقہا نے (اس امر میں) ایسا ہی کہا ہے تو آپ نے فرمایا۔ اے شخص تو نے کبھی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ وہ ہے جس کو دنیا کی طرف کبھی رغبت نہ ہو۔ جب صوفیائے کرام نے علم درست

سے حصہ حاصل کیا اور ان کو اس علم درست نے علم کے ساتھ ساتھ عمل کا فائدہ دیا (انہوں نے اس علم داست پر عمل کیا) اور انہوں نے جب ان چیزوں پہ عمل کیا جو ان کے علم میں آئیں تو عمل سے بھی ان کو علم وراثت کا فائدہ حاصل ہوا۔ اس طرح وہ تمام علوم میں علماء کے شریک ہو گئے اور چونکہ ان کے پاس علماء سے زیادہ علوم ہیں۔ اس طرح وہ علماء کے شریک علم ہی نہیں بلکہ ان سے علم میں ممتاز ہو گئے اور وہ علوم زائد علوم وراثت ہیں اور علوم وراثت تفقہ علم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقّھوا فی الدّین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم۔ (پ التوبہ ۱۲۲)

ترجمہ۔ پس کیوں نہیں نکلی اُن کے ہر فرقہ سے ایک جماعت تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور آگاہ کریں اور خوف دلائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں۔

تفقہ فی دین کے معنی

پس انذار یعنی ڈرانا فقہ سے مستفاد ہوا۔ اور انذار کیا ہے وہ ان لوگوں کا علم کے آپ کے آبِ حیات سے زندہ کرنا ہے جو ڈرائے گئے ہیں اور یہ رتبہ یعنی زندہ کرنا اس شخص کا ہے جو فقیہ دین ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ دین میں تفقہ اعلیٰ اور اکمل مرتبہ کا حامل ہے اور یہ علم ایسے عالم کا علم ہے جو دنیا کی طرف راغب اور مائل نہ ہو۔ اور ایسے متقی اور پرہیزگار کا جو اپنے علم کے باعث علم مرتبہ نذیر کو پہنچا ہو۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ علم اور ہدایت کا اولین مرجع و مورد سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم اور ہدایت ان پر وارد ہوئی جس کے باعث ظاہر و باطن میں آپ کو توانائی اور تنومندی حاصل ہوئی۔ اس توانائی سے دین کو قوت اور توانائی حاصل ہوئی اور دین قوی پشت ہو گیا۔

اصُول دین میں اختلاف رائے سے بچنا

دین انقیاد (فرمان پذیری) اور خضوع یعنی فروتنی اور توانائی کا نام ہے وہ ان دونوں سے مشتق ہے یعنی دین یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے رب کے لیے بے جان اور پست کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحًا والذی اوحینا الیك وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ (پ۲۵ الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ۔ اس نے تمہارے لیے دین میں وہی راستہ بنا دیا جس کے ساتھ نوح (علیہ السلام) کو نصیحت کی تھی اور جو کچھ کہ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اور جس کے ساتھ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کو نصیحت کی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

دین میں تفرقہ ڈالنے سے اعضاء پر لاغری اور کمزوری غالب ہو جاتی ہے ظاہری شادابی اور لاغری جس سے اعضاء کی تر و تازگی مراد ہے اس طرح ہے کہ نفس بھی منقاد و مطیع ہو اور حال بھی اور یہ تازگی اور شادابی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب قلب میں تازگی اور توانائی ہو۔ علم سے قلب کا تر و تازہ ہونا دریا کی مثال ہے یعنی جب قلب علم سے تازگی و برتری حاصل کرتا ہے تو وہ دریا کی

طرح رواں بن جاتا ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک علم و ہدیٰ کے ساتھ ایک بحرِ مواج بن گیا (موجیں مارتا ہوا سمندر) اور قلب کا یہ بحرِ موّاج آپ کے نفس تک وسیع ہو گیا اور اس سے جا ملا اور وہی علم و ہدیٰ کی تازگی جو قلب شریف پر وارد ہوئی تھی آپ کے نفس شریف پر بھی نمایاں ہو گئی۔ اس وقت آپ کے نفس کے تمام صفات اور اخلاق یکسر بدل گئے۔ نفس سے پھر یہ تازگی تمام اعضاء اور جوارح میں سرایت کر گئی اور اس وقت یہ تمام اعضاء اور جوارح خوب توانا، تر و تازہ اور سیراب و شاداب ہو گئے۔

بحرِ مواج سے نکلنے والی نہریں

جب آپ کا قلب منوّر، نفس شریف اور تمام اعضاء و جوارح اس علم ہدیٰ سے خوب شاداب اور تر و تازہ ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ امّت میں تشریف لائے۔ آپ کے اس قلب شریف کے سامنے جو علوم الٰہیہ کے پانی سے لہریں مار رہا تھا۔ فہم و فراست کی نہریں آئیں۔ چنانچہ ہر نہر میں آپ کے قلب شریف کے لہریں مارتے ہوئے پانی کا ایک حصہ جو اس کے نصیب کا تھا پہنچا اور وہ اس فہم کی نہر میں داخل ہو کر موجزن ہو گیا۔ یہی آبِ رواں جو آپ کے قلب شریف کے بحرِ موّاج سے نہروں میں پہنچا۔ فقہ دین ہے۔

فقہ دین کی منزلت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ ما عبد اللہ عز وجل بشیء افضل من فقہ الدین۔

"اللہ عزوجل کی عبادت کسی ایسی چیز کے ساتھ نہیں کی گئی جو فقہ دین سے اعلیٰ و افضل ہو" یعنی اللہ کی عبادت میں فقہِ دین سب سے اعلیٰ و افضل ہے

بیشک ایک فقیہ دین تن تنہا شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

ہر شئے کے لیے ایک ستون ہوتا ہے اور دینِ اسلام کا ستون فقہ ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کر دیتا ہے۔ اور بے شک میں قاسم ہوں اور اللہ تعالےٰ عطا کرنے والا ہے۔

ہمارے شیخ (ابوالنجیب سہروردیؒ) نے فرمایا کہ جب یہ علم دل تک پہنچا تو دل کی آنکھ کھُل گئی اور اس نے حق و باطل کو دیکھا اور اس نے ہدایت و گمراہی میں امتیاز کیا۔[1]

حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے اس مضمون میں فقہ کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ یہ علم کی وہ گہرائی ہے جس کے بعد علمِ نبوت کے سوا اور کوئی مرتبہ علم نہیں جس طرح کتاب و سنت سے استنباط اور استخراج بدون علم کامل میسر نہیں آتا۔ اس دنیا کی حقیقت اور حق و باطل کا فاصلہ جانے بغیر کسی کو اس علم کی طرف راہ نہیں ملتی۔ فقہ کے لیے جس قدر تقوے اور طہارت کی ضرورت ہے شاید ہی کسی اور علم کے لیے ہو اور دوائر علم میں خارجی حقائق موضوع بحث بنتے ہیں۔ فقہ میں داخلی گہرائی میں اترنا ہوتا ہے اور اس میں وہی اُتر سکتے ہیں جن کی نظر حقائق کائنات میں بہت سُتھری اور صاف ہے حضرت حسن بصریؒ نے اسی نقطۂ نظر سے عمران المنقری کو کہا تھا۔

اے شخص! تُو نے فقیہ کبھی دیکھا ہے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم فقہ دین جاننے کی وہ گہرائی ہے جس میں صرف وہی حضرات

---

[1] عوارف المعارف جلد ا صفحہ ۲۲۶ بہامش احیاء علوم الدین

چل سکتے ہیں جو علم و تقوے کے پہاڑ ہوں بغیر اس تقویٰ وطہارت کے فقہ کی راہ کسی پر نہیں کھلتی۔
یہ وہ درجہ علم ہے جو کسی منافق کو کسی درجے میں نہیں ملتا۔

اب اس کے بعد یہ جانیئے کہ اس تقوے وطہارت کو قائم رکھتے ہوئے دین میں وسعت عمل کی راہیں کیسے کھلیں۔ ہم اسے اساس الفقہ کے نام سے گذارش کریں گے۔

اساس الفقہ

اسلام میں فقہ کی بنیاد کیسے قائم ہوئی اور وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے نصوص کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت پیدا کی. اس کے لیے ہمیں اسلامی قانونِ عمل کو مختلف زاویوں سے دیکھنا ہوگا.

آنحضرتؐ کی زندگی میں صحابہؓ کا اجتہاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو بصورتِ عدم نص اجتہاد کی اجازت دے رکھی تھی اور انہیں صواب اور خطا دونوں صورتوں میں اجر کا یقین دلایا تھا کہ انہیں دو اجر یا ایک اجر ضرور ملے گا. دین میں کی گئی اتنی محنت بھی ضائع نہیں جاتی. صواب (فہم صحیح) پالیں تو دو اجر اور بصورتِ خطا ایک اجر اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ دو پہلو برابر رہیں.

نمازِ عصر بنی قریظہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر صحابہؓ کو ایک جگہ روانہ فرمایا اور کہا عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنا. بڑی تاکید سے فرمایا:۔

لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة[1]

ترجمہ. تم میں سے کوئی عصر کی نماز پڑھے تو بنی قریظہ جاکر پڑھے.

اتفاق ایسا ہوا کہ عصر کی نماز کا وقت رستے میں ہوگیا عصر کہاں پڑھیں؟ اس پر صحابہؓ کی دو رائیں ہوگئیں. بعض کہتے تھے آنحضرتؐ کے الفاظ کی پابندی کریں اور کچھ کہتے تھے علتِ حکم پر

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۵۹۱

نظر کریں۔ آپ کا منشا ر تھا کہ اتنی جلدی پہنچو کہ عصر تمہیں بنو قریظہ میں آئے۔ یہ نہ تھا کہ رستے میں عصر کا وقت ہو جائے تو وہاں نہ پڑھنا۔ کچھ لوگوں نے رستے میں نماز پڑھ لی اور دوسروں نے الفاظ کی پابندی کرتے ہوئے نمازِ عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے کسی کی بھی سرزنش نہ کی۔ ظاہر الفاظ سے تمسک اور علتِ حکم پر نظر ہر دو طرف مجتہد تھے۔

فلم یعنف واحدًا منهم[1]

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رائے رکھنے والوں میں سے کسی کو نہ جھڑکا۔

الفاظ کی پابندی کرنے والوں کو اگر ہم اہلحدیث کہیں تو رستے میں پڑھنے والوں کو اہل الرای کہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل الرای بننے پر کوئی نکیر نہ فرمائی۔ دیکھیے اس دورِ اوّل میں اہل حدیث اور اہل الرائے کس طرح ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

(۲) علتِ حکم پا لینے سے ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنا

ایک شخص ایک لونڈی ام ولد سے متہم تھا۔ بتلانے والے اس قدر تھے کہ انکار نہ ہو سکتا تھا۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ آپ اس کے ہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں۔

فاذا هو فی رکی یتبرد فقال اخرج فتناوله یده فاخرجه فهو مجبوب لیس له ذکر[2]

ترجمہ۔ کہ وہ ایک چھوٹے کنویں میں اُترا ٹھنڈک لے رہا ہے۔ آپ نے اسے باہر نکلنے کو کہا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں مرد ہونے کی علامت نہیں۔

آپ نے اسے قتل نہ کیا۔ علتِ حکم پر نظر رکھی اور آکر حضورؐ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے حضرت علیؓ کے اس اجتہاد کو پسند فرمایا اور فرمایا جو سامنے والا دیکھ سکتا ہے وہ پیچھے والا نہیں دیکھ سکتا۔

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۱ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۶۸

یعنی تم وہاں موجود تھے اسے دیکھ پائے ہیں وہاں نہ تھا۔ اس لیے نہ دیکھ سکا۔

الشاھد یریٰ مالا یراہ الغائب رواہ احمد۔[1]

ترجمہ۔

۳ پانی ملنے پر تیمم سے پڑھی نماز نہ لوٹانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی کہیں سفر میں تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ پانی نہ ملا تو انہوں نے تیمم سے نماز پڑھ لی۔ نماز کا وقت باقی تھا کہ پانی مل گیا۔ ایک صحابی نے وضو کیا اور نماز پھر سے پڑھی۔ دوسرے نے اس پہلی نماز کو کافی سمجھا اور نماز نہ دہرائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر دونوں نے اپنا ماجرا سنایا۔ جس نے نماز نہ لوٹائی آپ نے اسے فرمایا:۔

اصبت السنۃ وجزأتک صلوٰتک۔[2]

ترجمہ۔ تُو نے صحیح بات پالی اور تجھے تیری نماز کافی ہوگئی۔

اور دوسرے سے فرمایا:۔

لک الاجر مرّتین۔ تجھے دو اجر ملیں گے۔

یعنی نماز پہلے ہوگئی تھی اب اس پھر سے پڑھنے پر نفلوں کا ثواب ملے گا۔

آپ نے اجتہاد کرنے پر ان دونوں میں سے کسی پر سرزنش نہ کی۔

۴ زچگی کی حالت میں سزا کو روک لینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زانیہ باندی کو درّے لگانے کا حکم دیا۔ آپ اس کے پاس گئے تو دیکھا۔ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ آپ اس پر حد جاری نہ کی اور واپس آکر حضورؐ کی خدمت میں صورتِ حال عرض کردی۔ آپ نے حضرت علیؓ کے اس اجتہاد کی تحسین کی اور فرمایا:۔

---

[1] راجع لہ البدایہ والنہایہ جلد ۵ صہ ۲۴۳ [2] سنن ابی داؤد جلد ا صہ ۵۵ سنن نسائی جلد ا صہ ۷۵

احسنت اترکھا حتیٰ تتماثل[۱]

ترجمہ: تم نے اچھا کیا اس پر حد مؤخر رکھو یہاں تک کہ بچہ بڑا ہو جائے۔

آپ یہ اجتہاد بظاہر نص کے مقابلہ میں تھا لیکن مجتہد کی نظر علت سبب اور حالت تینوں پر ہوتی ہے۔ آج کل کا دور ہوتا تو کئی مولوی کہہ دیتے کہ دیکھو حضرت علیؓ نے حدیث پر عمل نہ کیا اور اپنی رائے حدیث میں داخل کی۔ اہلِ فقہ یہ کیا کرتے ہیں۔

نص کے مقابل حالات کی رعایت

قرآن کریم میں چور کی سزا وہ مرد ہو یا عورت قطع ید ہے۔ قرآن کریم کا حکم ہے:۔

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالاً من اللّٰہ واللّٰہ عزیزٌ حکیم۔ (پ۶ المائدہ آیت ۳۸ ع ۶)

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا میں یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے جو انہوں نے کمایا۔

اس حکمِ الٰہی میں کوئی قید اور شرط نہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر اس سزا کے جاری کرنے سے منع فرمایا — کیوں؟ یہ اس لیے کہ کہیں چور اس پریشانی اور تکلیف میں ذہنی توازن نہ کھو دے اور کافروں سے نہ جا ملے۔ ایک مسلمان کے ایمان کی حفاظت کے لیے آپ نے اس موقع پر حد جاری کرنے سے منع رکھا۔ حضرت بسر بن ارطاۃ کہتے ہیں:۔

نھی ان تقطع الایدی فی الغزو۔[۲]

ترجمہ: آنحضرت نے منع فرمایا کہ جنگ کے موقع پر ہاتھ کاٹے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے حالات کی اس رعایت میں قحط سالی کو بھی داخل کیا۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔

ان عمر بن الخطاب اسقط القطع عن السارق عام المجاعۃ[۳]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صہ۔ جامع ترمذی جلد صہ [۲] رواہ ابو داؤد جلد ۲ صہ ۲۴۹ [۳] الجنۃ صہ ۱۴۴

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے سال میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط فرمادی تھی۔

آپ نے اس موقعہ پر اس پر مال کی دوگنی قیمت ادا کرنے کی تعزیر جاری کی[1]

حضرت امام احمدؒ کے ہاں اگر ثابت ہو جائے کہ کسی نے بھوک سے لاچار ہو کر چوری کی ہے تو وہ معذور سمجھا جائے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

یہ رعایت اور حالات پر نظر رکھنا نص کا مقابلہ نہیں مجتہدین کی نظر علت، سبب اور حالات تینوں پر ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس دور کا غیر مقلد اس دور میں نہ تھے۔ ورنہ پراپیگنڈہ کرتے کہ صحابہؓ اور ائمہ نص کے مقابلہ میں قیاس سے کام لے رہے ہیں۔ صحابہؓ اور ائمہ کا یہ فیصلہ ہرگز نص کے خلاف نہیں ہے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

لیس فی ھٰذا ما یخالف نصًا ولا قیاسًا ولا قاعدۃ من قواعد الشرع[2]

ترجمہ: اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی نص پر یا اس پر مبنی کسی قیاس کے خلاف ہو، نہ یہ بات قواعد شرع میں سے کسی قاعدہ سے ٹکرا رہی ہے۔

اجتہاد میں کوئی صورت قطعی نہیں ہوتی

دادا کی وراثت کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائیں مختلف تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کا اظہار اپنی خلافت کے آخری دنوں میں کیا تھا اور حضرت عثمانؓ سے کہا آپ مجھ سے اتفاق کریں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا:۔

ان نتبع رایك فھو رشد وان نتبع رای الشیخ قبلك فنعم ذوالرای کان[3]

ترجمہ: اگر ہم آپ کی رائے کی اتباع کریں تو اس میں رشد ہے اور اگر ہم اس میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل کریں تو آپ بھی بہت اچھی رائے والے تھے۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۸ [2] الجنۃ صفحہ ۱۲۷ [3] مستدرک جلد ۴ صفحہ ۳۴۰

معلوم ہوا کسی امام کے اجتہاد پر چلنا عیب نہیں ہے اور کوئی مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی پیروی میں چلے تو اس میں بھی کوئی عیب نہیں آجاتا. حضرت عثمانؓ بہت بلند پایہ بزرگ تھے. مگر وہ اپنے لیے جائز سمجھتے تھے کہ پہلے دو بزرگوں میں سے کسی کی پیروی کرلیں علم رکھنے کے باوجود تقلید اعلم جائز ہے۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اہل الرائے کہنا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا.

دو مختلف اجتہاد اور ہر ایک کی تصویب

عن طارق ان رجلاً اجنب فلم یصل فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر لہ ذٰلک فقال اصبت فاجنب اٰخر فتیمم وصلی فاتاہ فقال نحو ما قال الاٰخر[1]

ترجمہ. حضرت طارقؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کو غسل جنابت ضروری تھا اس لے نماز نہ پڑھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اپنا ماجرا بیان کیا. آپ نے فرمایا تو نے ٹھیک کیا — ایک اور شخص کو یہی صورت درپیش ہوئی تو اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی. وہ بھی آنحضرتؐ کے پاس آیا اور اپنی بات کہی. اسے بھی حضورؐ نے وہی جواب دیا جو پہلے کو دیا تھا.

تیمم سے نماز پڑھانے کا اجتہاد

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں غزوہ ذات السلاسل میں ایک رات جب کہ سردی شدید تھی، مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی. مجھے اندیشہ ہلاکت تھا. اگر میں غسل کروں. میں نے تیمم کیا اور صبح کی

---

[1] سنن نسائی جلد ا صـ

نماز پڑھا دی، صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا:-

یا عمرو صلّیت باصحابك وانت جنب۔

ترجمہ۔ اے عمروؓ تم نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی اور تو جنابت کی حالت میں تھا؟

میں نے کہا:-

انی سمعت اللہ عزوجل یقول ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً

ترجمہ۔ میں نے اللہ عزوجل کا کلام سنا ہے۔

اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ بے شک تم پر بڑا مہربان ہے۔

فضحك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یقل شیاً۔[1]

ترجمہ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور آپ نے کچھ نہ کہا۔

ایک مسئلے کے دو جواب مختلف حالات میں

آپ نے اجتہاد کی راہ سے امت کو عجیب رعایت بخشی ہے۔ زندگی کے عام مسائل کو کے لیے اتنے آسان کر دیئے کہ دین ہر قسم کے حالات کے لیے لائق عمل ہو گیا۔ اگر تمام جزئیات قرآن و حدیث میں مذکور اور طے ہوتیں تو یہ وسعت جو امت کو اجتہاد کی راہ سے ملی ہے کبھی قانون کے شامل حال نہ ہو سکتی۔

کسی مسئلے کا حال اور افراد کے ساتھ کیا تعلق ہوتا ہے اسے واقعہ ذیل میں دیکھیں:-

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک شخص آنحضرت کی خدمت میں آیا اور اس نے پوچھا کیا میں روزے کی حالت میں بیوی سے بغل گیر ہو سکتا ہوں؟ آپ نے کہا۔ ہاں۔

ایک اور شخص آپ کی خدمت میں آیا اور یہی سوال کیا۔ آپ نے اسے نہ کہا۔ اور اس کی اجازت نہ دی۔[2]

---

[1] اخرجہ ابوداؤد کما فی تیسر [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۲۲۴

صحابہؓ کا آپ کی صداقت پر پختہ ایمان تھا۔ آج کل کے لوگ ہوتے تو آپ کو تضاد بیانی کا الزام دیتے لیکن انہوں نے ان دونوں سوال کرنے والوں پر غور کیا۔ پہلا شخص سن رسیدہ تھا اور دوسرا جوان اور آپ کا جواب ہر کسی کے حسبِ حال تھا۔

قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں

شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں۔ شریعت نے اسلامی قانون سازی میں تین بنیادی چیزوں کی بطورِ خاص رعایت کی گئی ہے۔

(۱) عدم الحرج۔ اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر تنگی واقع نہ ہو اور عام زندگی میں کوئی حرج واقع نہ ہو۔

(۲) تقلیل التکلیف۔ یعنی انسان پر شریعت کی وجہ سے جو ذمہ داری آئے اس کے تحمل میں انسان کو بہت کم تکلیف ہو۔

(۳) تدریج۔ کوئی حکم اچانک وارد نہ کیا جائے۔ تدریج سے کام لیا جائے۔ شریعت اس راہ سے قانون بنے گی۔

قرآن کریم میں عدم الحرج کا بیان

ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم۔

(پ الحج آیت ۷۸، ع ۱۰)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا ہے اور نہیں رکھی تم پر کوئی دین میں تنگی یہ دین تمہارے باپ ابراہیم کا ہے۔

یعنی دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے تم خود اپنے اوپر ایک آسان چیز کو مشکل بنالو۔

پانی نہ ملے اور وضو نہ کر سکو، اس حال میں تیمم کی راہ کھول دی اور فرمایا۔

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم۔ (پ۶ المائدہ)

ترجمہ: اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ڈالے لیکن چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے۔

یعنی وضو نہ سہی تو تیمم سہی غرض پاک ہونا ہے۔ یہ پاکیزگی جس طرح پانی سے ہو سکتی ہے تو اسی طرح تیمم سے بھی ہو سکتی ہے جس سے پانی نکلا ہے پورا کرۂ ارضی پانی اور مٹی پر مشتمل ہے پانی بھی پاکیزگی کا ذریعہ ہے اور مٹی بھی —— دین میں تنگی نہیں کہ اور کوئی دوسری راہ ہی نہ ہو۔

دین کا علم سب حاصل کریں اور سب دلیل سے جانیں، اس میں سب انسانوں کو ڈالنا دنیا کے دوسرے کاموں میں تعطل حودث کا موجب تھا۔ اس لیے اسے سب کے لیے فرض نہ ٹھہرایا گیا۔ اسے فرضِ کفایہ ٹھہرایا دوسروں کے لیے ان کی تقلید کی راہ کھلی ہے۔ انہیں دلائل جاننے کا لازماً پابند نہ کیا گیا۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا صرف وہ اعضاء جن کو اکثر باہر متحرک رہنے والے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری تجویز کیا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں حدثِ اکبر یعنی جنابت جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصائل کی طرف اُبھارنے کے لیے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر مرض اور سفر وغیرہ حالات میں کسی قدر آسانی فرما دی۔[1]

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم۔ (پ۲ البقرہ آیت ۱۸۵ ع ۲۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر کوئی دشواری نہیں چاہتا۔ وہ

---

[1] تفسیر عثمانی صہ ۱۳۹

چاہتا ہے کہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرلو اور بڑائی کہو اللہ کی اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی۔

حدیث میں دین میں تنگی نہ ہونے کا بیان

(۱) انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب[۱]

ترجمہ۔ ہم امتِ امیہ ہیں (ان پڑھی ہوئی قوم) لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔

یعنی ہمارے روزمرہ کے مسائل کسی ایسے اصول پر مبنی نہ ہو جائیں جس کو کچھ لوگ جانیں اور کچھ نہ جانیں۔ دینِ فطرت وہ دین ہے جس تک رسائی ہر کسی کی ہو سکے۔ چاند دیکھ کر فیصلہ کرنا یہ ہر کسی کے بس میں ہے اور چاند کی منازل کو جاننا پہچاننا اسے صرف اہلِ حق ہی جانتے ہیں۔

(۲) یسّروا ولا تعسّروا۔

ترجمہ۔ دین میں آسانیاں پیدا کرو اپنے اوپر تنگی لازم نہ کرو۔

(۳) ما خیّر بین امرین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما۔

ترجمہ۔ آپ جب بھی دو باتوں میں سے کسی کے اپنانے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان صورت ہی اختیار کی۔ اگر اس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو۔

اس سے مجموعی طور پر شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے کہ حتی الوسع لوگوں پر تنگی ڈالنے سے روکا گیا ہے اسی پر فقہ کا یہ اصول مرتب ہوتا ہے:۔

اذا ابتلی احدکم ببلیتین فلیختار اھونھما۔

ترجمہ۔ جب تم میں سے کوئی شخص دو آزمائشوں میں گھر جائے تو اسے چاہیئے کہ آسان کو اختیار کرے۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۴۷

آنحضرتؐ کی صحابہؓ کو فقہ سکھانے کی محنت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس کو جنس کے بدلے برابر برابر بیچنا تو جائز فرمایا لیکن ان میں کمی بیشی کو سود ٹھہرایا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آج تازہ کھجور خشک کھجور کے بدلے برابر دی جائے اور کل وہ تازہ کھجور خشک ہو کر اس خشک کھجور سے کم ہو جائے تو کیا اس صورت میں وہ پہلی بیع کہ تازہ کھجور خشک کھجور کے بدلے میں برابر بیچی گئی کیا جائز ٹھہرے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ بعض صورتوں میں شریعت کے احکام معلل بعلت ہوتے ہیں۔ احکام میں علت پر نظر رکھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ فقہ پر نظر صرف فقہاء کی ہی ہو سکتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کیا خشک کھجور تر کھجور کے بدلے خریدنا درست ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب بھی دے سکتے تھے کہ نہیں۔ مگر آپ نے صحابہؓ کو اس حکم کی فقہ سمجھائی اور پوچھا کیا تر کھجور خشک کھجور ہو کر وزن میں کم نہیں ہو جاتی؟ صحابہؓ نے کہا ہاں۔ آپ نے پھر فرمایا۔ پھر یہ جائز نہیں۔ اس سودے کو ناجائز فرمایا:۔

فقال لمن حوله أينقص الرطب اذا يبس قالوا نعم فنهى عن ذٰلك۔[1]

قاضی شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں آنحضرتؐ کا مقصد اس تفصیل سے اس کے عدم جواز کی علت بتلانا تھا کہ رطب سوکھ کر جب تمر سے وزن میں کم ہو جائے تو یہ بیع برابر کی برابر سے نہ رہی جب یہ نہیں تو سود متحقق ہو گیا جو حرام ہے۔[2]

دیکھیئے آپ نے بیان علت حکم میں کس قدر اہتمام فرمایا کہ حضار مجلس کی زبان سے کہلوا دیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حکم علت پر متفرع ہوتا ہے۔

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ آنحضرتؐ کے سامنے سے گزرا۔ آپؐ اس کے لیے اٹھ کھڑے

---

[1] رواہ الترمذی وقال حسن صحیح جلد ۱ ص [2] نیل الاوطار جلد ص

ہوئے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ! وہ تو یہودی جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ ایک جان نہیں جو گئی؟[1] الیست نفساً۔

جنازہ دیکھ کر اُٹھنے کی علت کیا تھی؟ ایک جان کا احترام جو دنیا سے گئی۔ یا اس کے ساتھیوں سے انسانی ہمدردی کا اظہار ــــ سو یہ حکم غیر مسلم تک کو ممتد ہوگا حضورؐ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ حضرت حسنؓ نے حضورؐ کا یہ ارشاد نہ سنا تھا۔ انہوں نے آپ کے اٹھنے کی علت یہ بیان کی کہ یہودی اس جنازہ کے ساتھ بخور جلا رہے تھے حضورؐ کو اس کی بو ناگوار تھی اس لیے آپ وہاں سے اُٹھ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین اُن دنوں حکم کی علت تلاش کرتے تھے اور یہ کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ علت پر نظر کر کے مجتہدین ظاہر نص کے خلاف فتویٰ بھی دیتے تھے اور کوئی اسے حدیث کی مخالفت نہ کہتا تھا۔

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں عید گاہ میں آتی تھیں مگر اس کی علت یہ نہ تھی کہ عورتوں پر عید کی نماز فرض ہے بلکہ اُن کا وہاں آنا ایک دینی اجتماع کی حاضری ہوتی تھی جس میں دعوت کا کام ہوتا تھا۔ جو عورتیں نماز پڑھنے کی حالت میں نہ ہوتی تھیں وہ بھی عید گاہ میں حاضری دیتی تھیں۔ اگر حاضری کی علت نماز ہوتی تو ان عورتوں کو جو ایام میں ہوتیں اُن کو عید گاہ میں آنے کا نہ کہا جاتا۔ حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں:-

فاما الحیض فیعتزلن المصلی و یشہدن دعوۃ المسلمین[2]

ترجمہ: ایام والی عورتیں نماز سے تو ایک طرف رہتیں لیکن دعوت کے کام میں حاضری دیتیں۔

کوفہ کے جلیل القدر مجتہد امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) اور حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے اپنے دور میں اس علت پر نظر رکھتے ہوئے دیگر بڑے مصالح کے لیے عورتوں کو عید گاہ میں آنے سے روک لیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فقہی فیصلہ بھی یہی تھا۔ مجتہدین کے اس فیصلے پر کسی

---

[1] الست نفساً دیکھیے صحیح البخاری کتاب الجنائز للامام محمد صد [2] رواہ الترمذی جلد ۱ صد

کسی نے اُن پر مخالفت حدیث کا الزام نہ لگایا۔ اس اصول سے کسی صاحب علم کو اختلاف نہ تھا کہ حکم کی علت پر نظر رکھتے ہوئے مجتہد ظاہر نص کے خلاف بھی فتویٰ دے سکتا ہے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

روی عن ابن المبارك انه قال اكره اليوم الخروج للنساء فی العيدين .... ویروی عن عائشة قالت لو رای رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائيل ويروى عن سفيان الثوری انه كره اليوم الخروج للنساء الى العيد۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں آج میں عورتوں کے عیدین کے لیے نکلنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ اگر دیکھ پاتے جو عورتیں آج کل کر رہی ہیں تو آپ انہیں مسجدوں میں آنے سے ضرور روکتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتوں کو عبادت گاہوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا اور حضرت سفیان ثوریؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ عورتوں کا عید گاہ میں جانا مکروہ ہے۔

آپ نے دیکھا کسی شخص نے ان پر خلاف حدیث کا الزام لگایا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ان دنوں احکام معلل بعلل سمجھے جاتے ہیں اور فتوے دینے کے لیے فقہاء کی ضرورت ہوتی تھی۔ حدیث کے ظاہر پر فتوے دینے کا رواج نہ تھا۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں ایک روز میں اور عطاء اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ بیٹھے تھے اور حضرت ابن عباسؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر پوچھا کہ جب میں پیشاب کرتا ہوں تو پیشاب کے بعد ماء دافق (اُچھل کر نکلنے والا پانی) نکلتا ہے کیا اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے ہم نے پوچھا کیا یہ وہی ماء دافق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس نے کہا ہاں ــــ ہم نے کہا غسل تو واجب ہے۔ وہ شخص انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا چلا گیا ـــــ حضرت ابن عباسؓ جونہی نماز سے فارغ ہوئے آپ نے عکرمہ سے کہا کہ اس شخص کو واپس بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ آگیا۔ آپ نے پھر ہم سے پوچھا ـــ

[1] جامع ترمذی جلد اول باب فی خروج النساء الی العیدین ص۱۴۲

کیا تم نے قرآن سے فتوے دیا ہے ؟ ہم نے کہا نہیں ــــ فرمایا حدیث سے ؟ ہم نے کہا نہیں ــــ فرمایا صحابہؓ کے اقوال سے ؟ ہم نے کہا نہیں ــــ پھر فرمایا کس کے قول سے فتوے دیا ہے ؟ انہوں نے کہا ہم نے اپنی رائے سے یہ فتوے دیا ہے ــــ یہ سن کر آپ نے فرمایا:-

لذٰلک یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد.

ترجمہ. اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے.

پھر آپ نے اس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے بعد جو چیز نکلتی ہے کیا اس کے نکلنے کے وقت تمہیں شہوت ہوتی ہے اس نے کہا نہیں ــــ پھر پوچھا کیا اس کے نکلنے کے بعد اعضاء میں استرخا اور ڈھیلا پن آجاتا ہے ؟ اس نے کہا نہیں ــــ آپ نے فرمایا. اس صورت میں صرف وضو تیرے لیے کافی ہے غسل کی حاجت نہیں[1]

یہ حضرات مجاہد (۱۰۰ھ) عطاء (۱۱۵ھ) طاؤس (۱۰۵ھ) اور عکرمہ (۱۰۷ھ) کوئی معمولی درجے کے لوگ نہ تھے. مگر آپ نے دیکھا کہ فقہ کے دریا کتنے گہرے ہیں. حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سائل سے دو سوال ایسے کیے جن سے علت حکم نکھر کر سامنے آگئی. علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سوال سے فقہ کے یہ اصول سامنے آئے :-

(۱) اسلام میں علم کے ماخذ چار ہیں :-

۱. قرآن ۲. حدیث ۳. صحابہ کرامؓ ۴. اس امام کا قول جس کی پیروی جاری ہو.

حضرت ابن عباسؓ نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم نے یہ مسئلہ ان سے لیا ہے ؟ انہوں نے چاروں مرتبہ ایک ہی جواب دیا کہ نہیں. پانچویں بات انہوں نے اپنی کہی کہ یہ فیصلہ ہم نے اپنی رائے سے کیا ہے.

---

[1] کنز الایمان کتاب الطہارت . حقیقۃ الفقہ صفحہ ۱۹۵، صفحہ ۱۹۶

(۲) ان حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ ہم نے اپنی رائے سے یہ فیصلہ دیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ دین میں رائے سے مسئلہ بتلانے میں کوئی عیب نہیں۔ یہ عیب تب ہے کہ کسی نص کے مقابلہ میں ہو۔ جو رائے کسی نص سے متصادم نہیں وہ ہرگز معیوب نہیں۔ اگر رائے سے فیصلہ کرنا معیوب ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ اس پر ضرور نکیر کرتے۔

(۳) یہ چاروں حضرات مجتہد تھے۔ اگر وہ مجتہد نہ ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ انہیں اُن کے پانچویں جواب پر یہ کہتے کہ تم عامی ہو اور عامی آدمی کو دین کے کسی مسئلہ میں رائے قائم کرنے کا حق نہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ علم کے ہوتے بھی تقلید اعلم جائز ہے۔ اپنے اجتہاد کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب دو سوال کیے اور انہیں حکم کی علت ٹھہرایا تو اس پر ان چار حضرات نے اور نہ اس شخص نے جو مسئلہ پوچھنے آیا تھا ان سے ان کی دلیل پوچھی کہ آپ غسل فرض ہونے کے لیے یہ جو شرطیں لگا رہے ہیں یہ کس نص میں مذکور ہیں قرآن میں یا حدیث میں۔ معلوم ہوا اس وقت مجتہد کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا اور اس پر اعتماد کرنا کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں صحیح مسئلہ بتلا رہا ہوگا جائز تھا کوئی عیب ہرگز نہ تھا۔

فقہ اعمال کے درجوں میں بہت دقیق ہے لیکن معاملات اور امور سلطنت میں فقہ اور بھی گہری ہو جاتی ہے نظام عبادات کو ترتیب دینا اتنا مشکل نہیں جتنا امور سلطنت کو ایک ترتیب پر لانا مشکل ہے۔ شافعی فقہاء نظام عبادات کی ترتیب میں لگے رہے۔ لیکن فقہائے احناف نے ابتداء سے ہی ابواب السیر کو فقہ کا اہم موضوع گردانا۔ یہ انہی کی کوشش تھی کہ اسلام ایک پورے نظام حیات کے طور پر سامنے آیا۔

درجہ فقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد :

ضرورتِ فقہ میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے عربیت فقہ اور سنّت تینوں کا جاننا ضروری ہے اور حدیث کے موارد و معانی سمجھنے کے لیے فقہ و آثار کا مطالعہ ازحد ضروری ہے اور جہاں مسئلہ کتاب و سنّت میں نہ ملے تو استنباط و استخراج سے فقہ ہی اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ تاہم یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ شریعت کے ماٰخذ کی حیثیت سے فقہ کا درجہ کیا ہے ؟

اولاً یہ بات ذہن میں رہے کہ فقہ قرآن و حدیث کا غیر نہیں ہے۔ فقہ مسائل غیر منصوصہ نئے سرے سے بناتی نہیں انہیں صرف دریافت کرتی ہے۔ وہ مسائل نصوص شریعت میں پہلے ہی لپٹے اور مخفی تھے۔ یہ مجتہدین کا علمی کمال ہے کہ انہوں نے وہ کھول کر رکھ دیئے اور دریافت کر لیے۔

سائنس میں ذرے میں کوئی طاقت پیدا نہیں کی۔ ایٹم میں یہ طاقت پہلے سے موجود تھی اور مخفی تھی۔ سائنسدانوں نے اسے دریافت کر کے ایٹم بم بنا دیا ــــ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا ایجاد نہیں کیا۔ وہ پہلے سے موجود تھا۔ گر لوگوں کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ فقہ کی اصولی لائنیں پہلے سے کتاب و سنّت میں کھچی ہوئی تھیں مجتہدین نے انہیں دریافت کر کے ان پر ہزاروں جزئیات مرتب کر ڈالیں۔

اس گہری کاوش کے باوجود ان جزئیات فقہ کو قطعیت کا درجہ حاصل نہیں۔ نہ ان کے منکر کو کافر کہا جا سکتا ہے۔ کتاب و سنّت تو اپنی جگہ قطعی درجے میں واجب القبول ہوں گے لیکن جو مسائل ان سے استنباط اور استخراج کے ذریعے حاصل ہوں ان میں وہ قطعیت نہیں آتی ــــ سو علم کے ماٰخذ ہونے کی حیثیت سے اجتہاد سے حاصل ہونے والے مسائل تیسرے

درجے میں ہیں۔ ان اکابر امت کو ان دوسرے مجتہدین سے اور آگے رکھا جائے تو پھر فقہ سے حاصل شدہ مسائل چوتھے درجہ میں شمار ہوں گے۔ اصولاً ان کا درجہ تیسرا ہے اور وہ کتاب وسنت کے بعد ہے۔

فقہ کے تیسرے درجہ پر قرآن کی شہادت

یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

(پ۵ النساء آیت ۵۹ ع ۸)

ترجمہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔

فقہاء ومجتہدین جو علم شریعت میں ہمارے اولی الامر ہیں انہیں قرآن نے تیسرے درجے میں رکھا ہے۔

قرآن کی دوسری شہادت

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (پ۱۴ النحل آیت ع)

ترجمہ۔ اگر تمہیں کوئی بات معلوم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔

اسلام میں علم کا اصل سرچشمہ کتاب وسنت ہیں۔ اگر کوئی ان سے اپنی بات نہیں لے سکتا تو وہ اہل ذکر سے پوچھ لے۔ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اسے بتلا دیں گے۔ سو ان کی بات تیسرے نمبر پر رہے گی۔

علم نہ رکھنے والے اہل الذکر کی باتوں کو دلائل وبراہین سے پرکھ نہیں سکتے کسی بات کو دلائل وبراہین سے جاننا اہل علم کا کام ہے نہ کہ عوام کا ——— ان کا کام بس یہی ہے کہ وہ اہل ذکر پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے دلیل طلب کیے بغیر ان کے بتائے پر عمل کرلیں ——— اس آیت کے جملہ

ان کنتم لا تعلمون نے جانچ پڑتال کی. یہ سب پابندیاں ان پر نرم کر دی ہیں.
اہل کتاب کے بارے میں جاننا ہو تو ان کے اہل ذکر سے پوچھیں. اسلام کے بارے
میں جاننا ہو تو ان کے اہل علم سے پوچھیں. اہل ذکر کا لفظ عام ہے جو دونوں کو شامل ہے. آیت کا
شان نزول گو کسی ایک سے متعلق ہو. قرآن کریم کو اس کے اسباب نزول پر بند نہیں کیا جا سکتا.
علماء اسلام پہلے بھی اس آیت سے تقلید ائمہ پر استدلال کرتے رہے ہیں خطیب بغدادیؒ
(۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:-

اما من یسوغ له التقلید فهو العامی الذی لا یعرف طرق الاحکام
الشرعیة فیجوز له ان یقلد عالماً ویعمل بقوله قال الله تعالیٰ فاسئلوا
اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون[1]

ترجمہ. تو جس کے لیے تقلید کی راہ ہے یہ وہ عامی ہے جو احکام شرعیہ کی
راہوں کو نہ جانتا ہو. اس کے لیے جائز ہے کہ کسی ایک عالم کی تقلید کرلے
اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرے کہ اگر تم نہیں جانتے تو ان سے پوچھ
لیا کرو جو جانتے ہیں.

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

ان من الناس من جوّز التقلید للمجتهد بهذه الآیة.

ترجمہ. ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جو اس آیت کی رو سے تقلید مجتہد کو جائز سمجھتے ہیں.

تفسیر روح المعانی میں امام جلال الدین سیوطیؒ سے نقل کیا ہے:-

استدل بها علی جواز التقلید العامی فی الفروع[2]

ترجمہ. اس آیت سے فروعات میں تقلید کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے

---

[1] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ ص ۶۸ [2] روح المعانی جلد ۱۴ ص ۱۴۸

قرآن کی تیسری شہادت

نماز میں ہم سب اللہ رب العزت سے صراطِ مستقیم پہ چلنے کی دعا کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم اللہ رب العزت کے انعام یافتہ لوگوں کی راہ کا نام ہے۔ اس صدیقوں شہیدوں اور صالحین امت کا نام من النبیین کے بعد آتا ہے۔ معلوم ہوا اسلام میں ان بزرگوں کی پیروی اللہ اور اس کے رسول خاتم کے بعد تیسرے نمبر پہ ہے۔ رسول کی پیروی سے مراد ہے سنت کی پیروی اور صالحین امت کی پیروی سے مراد فقہ کی پیروی ہے۔

انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔

(پ النساء آیت ۶۹ ع ۹)

ترجمہ۔ جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نبی ہیں صدیق ہیں شہداء ہیں اور صالحین امت ہیں۔

قرآن کی چوتھی شہادت

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ ہم پر سبیل مومنین کی پیروی فرض کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس پیروی کا درجہ حضور پیغمبر خاتم کی پیروی کے بعد کا ہے۔ اب تیسرا درجہ اجماع امت کا ہو گیا۔ مجتہد کی پیروی اب چوتھے درجہ میں آجائے گی۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا (پ النساء آیت ۱۱۵)

ترجمہ۔ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے مسلمانوں کی راہ کے خلاف تو ہم اسے لوٹا دیں گے اسی طرف جدھر وہ خود مڑا اور پہنچائیں گے ہم اسے جہنم میں اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

بندگانِ الٰہی کی پیروی قرآن کریم اس طرح لازم کرتا ہے:۔

واتبع سبیل من اناب۔ (پ۲۱ لقمان آیت ۱۵ ع ۲)

ترجمہ۔ اور تو راہ چل اس کی جو میری طرف رجوع ہوا۔

سورۂ نسار کی مذکورہ آیت کی روشنی میں ہم پورے سبیل المومنین کی پیروی کے پابند ہیں اور سورۂ لقمان کی اس آیت کی روشنی میں ہم ہر منیب الٰہی کی پیروی کے پابند ٹھہرے۔ اختلافِ ائمہ کی صورت میں ہم کسی ایک کی پیروی کرلیں تو اس آیت پر عمل تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ اجماعِ امت تیسرے درجے کا مآخذ علم ٹھہرا اور تقلید مجتہد چوتھے درجے میں آئے گی۔

حافظ ابن تیمیہؒ ان دونوں آیتوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں:۔

واتبع سبیل من اناب الي وا لامّة منیبۃ الی اللہ تعالٰی فیجب اتباع سبیلہا۔[۱]

ترجمہ۔ اور تو راہ چل اس کی جو میری طرف چلا اور امت اللہ تعالٰی کے حضور جھکنے والی ہے۔ سو چاہیئے کہ اس راہ کی اتباع واجب ٹھہرے۔

اجتہاد کے تیسرے درجے پر آنحضرتؐ کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنایا تو اُن سے پوچھا۔ کیف تقضی اذا عرض لک قضاء جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ آپ نے عرض کیا۔ اللہ کی کتاب کے مطابق ـــــ آنحضرتؐ نے پوچھا اگر وہ بات آپ کو کتاب اللہ میں نہ ملے؟ آپ نے کہا تو حضورؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا ـــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر تو اسے میری سنت میں نہ پائے اور وہ تجھے کتاب اللہ میں بھی نہ ملے تو کیا کروگے۔ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا ـــــ اجتھد برای ـــــ ولا آلو میں اپنی رائے سے

---

[۱] معارج الاصول ص۱۹

اجتہاد کروں گا۔ اور اپنی طرف سے (بات سمجھنے اور اس کا حل نکالنے میں) کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ آنحضرتؐ نے اپنی چھاتی پر (مرافقت کا) ہاتھ مارا اور فرمایا:۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ۔[1]

ترجمہ۔ سب حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ جو چیز قرآن و سنت میں نہ ملے اسے یہ نہ کہنا چاہیئے کہ وہ بات دین کی نہیں ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث سے اجتہاداً نکالی گئی ہو صحابہؓ نے اسے ہمیشہ تیسرا ماخذ شریعت سمجھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

حضرت معاذؓ سے اس روایت کو حمص کے کئی بزرگوں نے روایت کیا ہے۔ اس کثرت پر نام لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) نے ایک نام عبدالرحمن بن غنمؒ ذکر کیا ہے عبدالرحمن بن غنمؒ شامی کبار تابعین میں سے ہیں اور انہوں نے بھی یہ حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے۔

چاروں مذاہب کے محدثین نے اس حدیث کی تصدیق کی ہے:۔

(۱) حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وحدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الائمۃ العدول وھو اصل فی الاجتہاد والقیاس علی الاصول۔[2]

ترجمہ۔ حضرت معاذؓ کی یہ حدیث صحیح اور درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اسے ائمہ عدول نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بنیاد ہے اجتہاد کی۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۰ سنن دارمی جلد ۲ صفحہ سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۴ البدایہ جلد ۵ صفحہ ۱۰۳

[2] جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۵۵

(۲) حافظ ابن قیم حنبلیؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں :-

وهذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث کے جملہ راوی متصل ہیں اور سب ثقہ ہونے میں جانے پہچانے ہیں۔

(۳) حافظ ابن کثیر الدمشقی الشافعیؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :-

وهذا الحديث فى المسند والسنن باسناد جيد كما هو مقرر فى موضعه۔[2]

ترجمہ۔ یہ حدیث مسانید وسنن میں سند جید کے ساتھ منقول ہے اور یہ اپنے موقع پر طے شدہ ہے۔

(۴) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

الحديث له شواهد موقوفة عن عمر بن الخطاب وابن مسعود وزيد بن ثابت وابن عباس قد اخرجها البيهقى فى سننه عقب تخريجه لهذا الحديث تقوية له۔[3]

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔ هو حديث صالح للاحتجاج به اور ان کی اس بات کو نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بھی تفسیر فتح البیان بحاشیہ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۳ پر نقل فرمایا ہے۔ قاضی شوکانیؒ نے بھی تفسیر فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۴۱۹ پر اسے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں حضرت معاذؓ نے اجتہاد کے ساتھ رائے کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور حضورؐ نے اسے منظوری بخشی ہے۔ معلوم مجتہد کے لیے اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں اور وہ رائے ہرگز عیب نہیں جو کتاب وسنت کی کسی نہ کسی اصل پر قائم ہو۔ حدیث تو ہر شخص روایت کر سکتا ہے جس میں تثبت اور یادداشت کی قوت ہو۔ پر اہل الرائے ہونا یہ درجہ اجتہاد ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ البتہ خود ساختہ رائے کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت معاذؓ کی اس روایت سے اسلام میں اجتہاد کی راہ کھلی۔ اجتہاد کی راہ سے

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۱۷۶ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳ [3] بذل المجهود جلد ۵ صفحہ ۲۱۳

حاصل کردہ مسائل کو فقہ کہا جاتا ہے۔ ان کی جڑیں کتاب و سنت میں ہوتی ہیں مگر ان کی شاخیں بہت دور تک جاتی ہیں۔

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۰۰ھ) نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عقبہ بن عامرؓ (۵۸ھ) کو بھی ایک ایسی ذمہ داری سونپی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص کسی جھگڑے میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے حضرت عقبہؓ سے کہا۔ اقض بینهما عقبہؓ ان دونوں میں فیصلہ کرا دو ___ اس پر حضرت عقبہؓ نے کہا:-

یارسول الله اقضی بینهما وانت حاضر قال اقض بینهما فان اصبت فلك عشر حسنات وان احطأت فلك حسنة واحدة۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں آپ نے فرمایا۔ تم فیصلہ کرو۔ اگر تم صحیح بات کو جا پہنچے تو تم کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا، اور اگر تم چوک گئے تو تجھے ایک نیکی ملی۔

اس پر جصاصؒ لکھتے ہیں:-

وامر النبی لمعاذ وعقبة بن عامر بالاجتهاد صدر عندنا عن الآية وهو قوله تعالیٰ فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول۔ لانا متی وجدنا من النبی حکماً مواطئاً لمعنی قد ورد به القرآن حملناه علی انه حکم به عن القرآن وانه لم یکن حکماً مبتدأ من النبی کنحو قطعه السارق وجلده الزانی وما جری مجراهما۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ کا حضرت معاذؓ اور عقبہ بن عامرؓ کو اجتہاد کرنے کا کہنا ہمارے نزدیک اس آیت سے ماخوذ ہے کہ ___ جب تم کسی بات میں تنازع میں آؤ تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ ___ کیوں کہ ہم جب حضورؐ سے

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صد ۲۱۳ [2] ایضاً

کوئی بات، پائیں جو اس معنی کے مطابق ہو جو قرآن میں وارد ہو چکا تو ہم اسے اس پر محمول کریں گے کہ آپ ملے وہ بات قرآن سے لی ہے اور یہ حکم ابھی نبی سے صادر ہو رہا جیسے آپ کسی چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیں یا کسی زانی کو کوڑوں کی سزا دیں اور ایسی ہی کوئی بات اور ہو۔

آنحضرتؐ سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے پوچھا کہ اگر مجھے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کا صاف حکم مجھے کتاب و سنّت میں نہ ملے تو ایسے موقع پر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا :-

تشاوروا الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة۔[1]

ترجمہ۔ جماعت فقہاء سے اور دوسرے نیک لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو۔ چند لوگوں کی رائے پر نہ رہا کرو۔

حضرت معاذؓ کو آپ نے براہِ راست اجتہاد کی اجازت دی اور حضرت علیؓ کو دوسرے فقہاء سے مشورے کا حکم دیا۔ یہ اس لیے کہ حضرت معاذؓ جہاں جا رہے تھے وہاں کوئی اور اہلِ علم کا حلقہ موجود نہ تھا کہ آپ ان سے مشورہ کرتے۔ مگر حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کو دوسرے صحابہؓ سے مشورہ کرنے کی کافی گنجائش تھی۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ عہدِ صحابہؓ میں فقہاء صحابہؓ بھی موجود تھے اور وہ اپنی جگہ پورے ممتاز تھے اور دوسرے صحابہ مہماتِ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں فقہ کا تیسرا درجہ ہے سنّت کے ہوتے ہوتے ہوئے اس کے مقابل نہ اجتہاد کی اجازت ہے نہ اس کا کوئی مقام۔ اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنّت، دونوں میں نہ ملے تو ان کی کسی اصل پر اس نئے پیش آمدہ مسئلے کو قیاس کرنا جائز ہوگا۔ یہ

---

[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اہل الصحیح معارف السنن جلد ۳ صـ ۲۶۵ مو ائد العوائد صـ ۱۱۲ نواب صدیق حسن خاں مرحوم۔ قال الهیثمی فی مجمع الزوائد جلد ۱ صـ ۷۸ رجالہ موثقون وصححہ السیوطیؒ فی مفتاح الجنۃ۔

عمل اجتہاد کہلاتا ہے۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ قیاس کرنے والے میں اجتہاد کی شرطیں پائی جائیں۔ لوگ یونہی مجتہد نہ بن بیٹھے ہوں۔

اثنا عشریوں نے حضرت امام باقرؒ کی روایت سے حضورؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

ما وجدتم فی کتاب اللہ فالعمل بہ لازم لاعذر لکم فی ترکہ وما لم یکن فی کتاب اللہ وکانت فیہ سنۃ منی فلا عذر لکم فی ترک سنتی وما لم یکن فیہ سنۃ منی فما قال اصحابی فخذوہ فانما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم فبایھا اخذ اھتدی وبای اقوال اقاویل اصحابی اخذتم اھتدیتم۔[1]

ترجمہ: جو تم کتاب اللہ میں پاؤ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اسے کسی صورت میں چھوڑا نہیں جا سکتا اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور اس میں میری سنت موجود ہو تو تمہیں میری سنت چھوڑنے کا کوئی موقعہ نہیں اور جو کوئی بات میری سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ نے کہا وہ لے لو۔ میرے صحابہؓ آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کہ اجتہاد تیسرے نمبر پر ہے

حضورؐ کی موجودگی میں اجتہاد تیسرے درجہ میں تھا کہ جب کتاب و سنت میں کوئی بات نہ ملے تو اجتہاد کر لیا جائے۔ لیکن حضورؐ کی وفات کے بعد اجتہاد کی راہ عام نہ رکھی گئی۔ اکابر امت کے فیصلے عام اجتہاد امت پر مقدم ٹھہرائے گئے۔ تاہم کتاب و سنت کو ہر حال میں مقدم رکھا گیا اور اسلامی قانون سازی میں اجتہاد کو سنت کے بعد جگہ دی گئی۔

علامہ شعبیؒ قاضی شریحؒ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ فیصلے کس

---

[1] بصائر الدرجات لابی جعفر محمد بن الحسن الصفار جلد ۱ صـ۱۱ معانی الاخبار لابن بابویہ القمی صـ۵۸

طرح کیے جائیں ـــــ امام نسائیؒ لکھتے ہیں:۔

عن شریح انه کتب الی عمر یسألہ فکتب الیہ ان اقض بما فی کتاب اللہ فان لم یکن فی کتاب اللہ فبسنۃ رسول اللہؐ فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقض بما قضیٰ بہ الصالحون فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ ولم یقض بہ الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ولا اری التاخر الا خیراً لک والسلام۔[1]

ترجمہ: شریحؒ سے مروی ہے آپ نے حضرت عمرؓ کو لکھا فیصلے کس طرح کیے جائیں آپ نے لکھا کتاب اللہ کے مطابق ـ کتاب اللہ میں نہ ہوں تو سنتِ رسول اللہؐ کے مطابق ـ اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہوں اور سنتِ رسول اللہؐ میں بھی نہ ہوں تو پہلے اکابر امت جو فیصلے کر چکے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرو ـــ اور اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہوں اور سنتِ رسول اللہؐ میں بھی نہ ہوں اور پہلے صالحینِ امت میں اس پر کچھ فیصلہ نہ کر پائے ہوں تو چاہے تو آگے بڑھو (یعنی اجتہاد کر لو) اور چاہو تو رک جاؤ (یعنی یہاں لکھ بھیجو) اور میرے خیال میں تمہارے لیے رکنا بہتر ہے ـــ والسلام

مقامِ اجتہاد کی نزاکت پر غور کریں. حضرت عمرؓ قاضی شریحؒ جیسے فاضلِ اجل کو بھی اس کی کھلی اجازت نہیں دے رہے. تاہم شرعاً چونکہ انہیں اجتہاد کا حق پہنچتا تھا اس لیے روکا بھی نہیں.

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے تشریح اسلامی میں قیاسِ شرعی کو چوتھا درجہ ملتا ہے. اکابر صحابہؓ کے فیصلے موجود ہوں تو پھر کسی مجتہد کو بھی اجتہاد کی ضرورت نہیں. اکابر امت کے فیصلے بطیبِ خاطر قبول کر لینے چاہئیں. حضرت عمرؓ کے بیان میں حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کو من وعن قبول کرنے کا اشارہ تھا.

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵

اجتہاد کے چوتھے درجہ پر ہونے کی شہادت

خلفائے راشدینؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سریرآرائے مسند علم ہیں، آپ فرماتے ہیں:

فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما فى كتاب الله فان جاءه امر ليس فى كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فان جاءه امر ليس فى كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس فى كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم ولا قضى به الصالحون فليجتهد[1]

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کے پاس مقدمہ آئے تو اسے چاہیئے کہ وہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر وہ اسے کتاب اللہ میں نہ ملے تو چاہیئے کہ وہ نبی کریم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر وہ اسے کتاب اللہ اور سنت رسول پاک میں نہ پائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اکابر امت ائمہ کرام (جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلے) کے مطابق فیصلہ دے۔ اور اگر وہ مسئلہ اسے نہ قرآن میں ملے نہ سنت میں اور نہ اکابر صحابہؓ نے اس کا کوئی فیصلہ دیا ہو تو اب اسے اجتہاد کرنا چاہیئے ڈرنا نہ چاہیئے (جب ضرورت پیش آئی ہے تو دین میں اس کا حل کیوں نہ ہو)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس بیان میں بھی رائے سے اجتہاد کرنے کی تلقین ہے یہاں رائے سے وہ رائے مراد ہے جو کتاب و سنت کے اصولوں پہ قائم کی جاتے۔ کتاب و سنت سے اس اصل کو تلاش کرنا اور پھر اس پر مسائل پیش آمدہ کو منطبق کرنا یہ اجتہاد ہے جس میں مجتہد اپنی رائے قائم کرتا ہے۔ سو یہ کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے لوگ بلاوجہ بدکنے لگیں۔

[1] سنن دارمی جلد ۱ ص۶۰ سنن نسائی جلد ۲ ص۳۰۵

سنّت کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی نئی راہیں

حدیث معاذؓ کی روشنی میں جب کوئی چیز سنت میں مل جائے تو اصولاً اس کے ہوتے ہوتے ہوئے اجتہاد کی ضرورت نہیں. لیکن سنت اگر پہلے مورد پر بند نہ ہو اور اسے کسی مصلحت کے لیے اختیار کیا گیا ہو تو اس مصلحت کے نہ ہونے کی صورت میں اجتہاداً کوئی دوسرا موقف اختیار کرنا یہ سنت سے ٹکراؤ نہ ہوگا. دین کی ایک وسعت شمار ہوگا مثلاً:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کیا. اس سے پہلے آپ حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بھی مقرر کر چکے تھے. لیکن آپ نے امورِ سلطنت کے لیے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا. حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے خلیفہ چُنا اور پھر مسجد نبوی میں آپ کی بیعت عام ہوئی.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق کار سب صحابہؓ کے سامنے موجود تھا. مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے آخری ایام میں اس سنت پر عمل کرنے کی بجائے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا. حضرت عثمانؓ اس وصیت کے لکھنے والے تھے. انہوں نے بھی آپ سے نہ کہا کہ آپ سنت کے خلاف یہ کام کیوں کر رہے ہیں. حضورؐ نے تو ایسا نہ کیا تھا؟ کسی نے ایسا نہیں کہا. معلوم ہوا کہ بعض حالات میں سنت کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کی راہ اختیار کی جا سکتی ہے.

پہلی اور دوسری صورت میں اصولی فرق

حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مجتہد تھے ممکن ہے ان کی اس حدیث کی علت پر نظر ہو اور اس لیے وہ ظاہر حدیث پر عمل پیرا نہ ہوئے ہوں. حضورؐ کے اس نامزد نہ کرنے میں یہ سبب نظر آتا ہے:۔

حضورؐ اگر کسی کو مقرر کر جائیں تو اصولاً وہ امت کے سامنے جوابدہ نہیں ہے. حضورؐ کے

مقرر کردہ ہے کسی کو کسی مسئلے میں انگلی اٹھانے کا حق نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اگر کسی نے آپ کا لمبا کرتہ دیکھ کر یہ سوال اٹھایا کہ یہ کرتا ایک چادر سے کیسے بن گیا تو وہ اسی لیے تھا کہ آپ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ نہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اب اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی رُو کہ آپ نے کسی کو امورِ سلطنت میں جانشین نامزد نہ کیا، ملت پا گئے اور اس موقع پر بوجہ عدم علت اپنا جانشین نامزد کردیا تو آپ کا یہ عمل سنت سے ٹکراؤ نہیں اسی سنت کی ایک وسعت شمار ہوگا۔

الحمدللہ! اس وقت کسی نے یہ شور نہ کیا تھا کہ دیکھو یہ فقہ والے ظاہر حدیث کے خلاف چل رہے ہیں۔ یہ اسی لیے کہ وہ دور اہل خیر کا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی اس حدیث پر عمل نہ کیا۔ نہ کاملاً حضرت ابوبکرؓ کے اجتہاد پر چلے۔ انہوں نے اپنا اجتہاد کیا اور چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی نامزد کردی کہ یہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں۔ یہ ایک پہلو سے نامزدگی بھی تھی اور ایک درجے میں یہ انتخاب بھی تھا — آپ نے پہلی دو صورتوں کو جائز العمل سمجھا لیکن عملاً ایک تیسری صورت اختیار کی۔ ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

ان استخلف فان ابابکر قد استخلف وان لم استخلف فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یستخلف[1]

ترجمہ: اگر میں کسی کو خلیفہ بنا جاؤں تو مجھے حق پہنچتا ہے کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو مجھے اس کا بھی حق پہنچتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امورِ سلطنت میں کسی کو جانشین نامزد نہ کیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضورؐ کے عدم استخلاف کو سنت قائمہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۲، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۰

نہیں سمجھا محض ایک سنّت کے درجہ میں لیا ہے۔ اس صورت میں کسی دوسرے عمل کی پوری ہی گنجائش رہی ہے اور وہ عمل حضرت ابو بکرؓ نے اختیار کیا۔ یہ حضرات دین اور مقام سنّت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ اس صورتِ حال میں یہ پراپیگنڈہ کہ دیکھو اہل فقہ کس طرح ظاہر حدیث کے خلاف چلے ہیں انہی لوگوں کا کام ہے جن کو علم سے بہت کم واسطہ پڑا ہو۔

پہلی اور تیسری صورت میں فرق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ آخرت کے وقت مسلمانوں میں اکثریت صحابہؓ کی تھی کسی غیر صحابی کو خلیفہ نہ چن سکتے تھے اور آپ کو بھی یقین تھا کہ اللہ رب العزت اور امتِ مسلمہ حضرت ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کو آگے نہ کریں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے سفرِ آخرت کے وقت مسلمانوں میں اکثریت غیر صحابہؓ کی تھی۔ اگر آپ حضورؐ کے طریقے پر بات امت میں کھلی چھوڑ جاتے تو اصولاً کوئی غیر صحابی بھی قیادت میں آگے آسکتا تھا۔ آپ کی عام پالیسی تھی کہ صحابہؓ کے ہوتے ہوئے کسی غیر صحابی کو آگے نہ آنے دیا جائے۔ آپ نے اس مصلحت کے لیے چھ صحابہ نامزد کر دیئے جو آخر میں دو رہ گئے۔ اس میں یہ امر بھی ذہنی طور پر طے پا گیا کہ جو بھی چنا جائے دوسرا اس کے بعد بہرحال اولی بالخلافۃ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کا انتخاب اچانک ہوا تو کسی نے ان کی اہلیتِ خلافت پر کوئی سوال نہ اٹھایا۔ کیونکہ یہ بات اس سے بہت پہلے طے ہو چکی تھی۔

دوسری اور تیسری صورت میں فرق

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔ یہ اسلام میں دوسری صورت عمل تھی۔ حضرت عمرؓ نے چھ آدمی نامزد کیے۔ یہ اسلام میں عقدِ خلافت کی تیسری صورت تھی۔ دوسری صورت اور اس تیسری صورت میں فرق کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کی افضلیت باقی تمام صحابہؓ پر قطعی تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں نامزد کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کیا۔ جنگ احد میں مخالف صفوں میں

جب یہ خبر چل نکلی کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو نام لے کر للکارا تھا۔ جب وہ سمجھے کہ ابوبکرؓ بھی مارے جا چکے ہیں تو انہوں نے حضرت عمرؓ کا نام لے کر انہیں للکارا تھا ـــــ اس وقت ہر کہ ومہ اپنے پرائے کو پتہ تھا کہ مسلم قیادت میں کون سے صحابہؓ آئیں گے۔ سو حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ قطعی تھا۔ سو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بلا کسی تامل کے آپ کو نامزد کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کی یہ وصیت قلم بند کی تھی۔

یہ تین مجتہدوں کا اجتہاد آپ کے سامنے ہے مجتہد کی نظر حکم کے سبب اور حدیث کی علت پر ہوتی ہے۔ وہ کئی دفعہ بظاہر حدیث چھوڑتا نظر آتا ہے۔ مگر وہ حدیث چھوڑ نہیں رہا ہوتا۔ اس کی علت پر نظر کیے وہ کوئی دوسری صورت عمل تجویز کرتا ہے اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ یہ حضرات حدیث کے خلاف چلے اور یہ کہ ان کا حدیث پر عمل نہ تھا۔

چوتھے خلیفہ کی بھی علتِ حکم پر نظر

پیچھے آپ یہ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک شخص کے بارے میں جو ایک لونڈی ام ولد کے ساتھ متہم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں علت حکم پر نظر کی اور آپ کے ظاہر حکم کے خلاف کیا۔ حضورؐ صورتِ حال معلوم ہونے پر خوش ہوتے اور حضرت علیؓ کو خلافِ حدیث کرنے پر ملامت نہ کی۔ حضورؐ کا حکم اسے قتل کرنے کا تھا۔ جب حضرت علیؓ اس کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں :-

فاذا هو فی رکی یتبرد فقال اخرج فتناوله یده فاخرجه فهو مجبوب لیس له ذکر[1]

ترجمہ: کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کنویں میں ٹھنڈک لے رہا ہے آپ نے اسے اپنا ہاتھ دیا اور اسے وہاں سے نکالا۔ آپ نے دیکھا وہ مرد نہیں کہ وہ آلہ تناسل نہیں رکھتا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ص

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے اس عمل کو پسند فرمایا اور فرمایا جو سامنے والا دیکھ سکتا ہے وہ دُور والا کیسے دیکھ پائے۔ اس میں آپ میں حضرت علیؓ کو اس صورت حال کا شاہد اور اپنے آپ کو اس صورت عمل سے غائب کہا ہے۔

حضرت علیؓ کا یہ اجتہاد بظاہر نص کے مقابلہ میں تھا لیکن مجتہد کی نظر ہمیشہ علت حکم سبب اور حالت پر ہوتی ہے۔

خلفائے راشدینؓ کے اجتہاد کی یہ مختلف صورتیں آپ کے سامنے ہیں اور چاروں عمل بظاہر حدیث کے مقابل ہیں۔ اس صورت حال میں وہی بات کہنی پڑے گی جو امام ترمذیؒ نے کہی ہے کہ فقہاء ہی حدیث کے معانی کو بہتر جانتے ہیں۔

قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث۔[1]

ترجمہ۔ فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حدیث کو بہتر طور پر جانتے ہیں۔

اجتہاد کا انکار سراسر جہالت ہے

اجتہاد کی بحث آپ کے سامنے آچکی ہے اس کے بالمقابل تسلیم و انقیاد اور عمل و نفاذ ہے۔ جاہل کے سوا کوئی مجتہدین کی تقلید و اتباع کا انکار نہ کر سکے گا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

اما القياس على الاصول والحكم للشئ بحكم نظيره فهذا مالا يختلف فيه احد من السلف بل كل من روى عنه ذم القياس قد وجد له القياس الصحيح منصوصاً لايدفع هذا الاجاهل اومتجاهل مخالف للسلف من الاحكام۔[2]

ترجمہ کسی پیش آمدہ مسئلے کو کتاب و سنّت کی اصل پر قیاس کرنا اور کسی چیز کا حکم

---

[1] جامع ترمذی جلد ا صـ [2] جامع بیان العلم جلد ا صـ

اس جیسی چیز کے بیان کردہ حکم کے مطابق ٹھہرانا اس قیاس سے سلف میں سے کسی کا اختلاف نہیں بلکہ جن سے قیاس کی مذمت منقول ہے ان کے ہاں بھی قیاس صحیح منصوص ملتا ہے۔ اس کا انکار جاہل کے سوا دوسرا کوئی نہیں کر سکتا یا وہ شخص جو سلف صالحین کے خلاف ہو اور راوپر اوپر سے جاہل بنا ہوا ہو۔

قیاس حدیث کا مقابل نہیں ہو سکتا

قیاس وہ برا ہے جو اثر کے مقابلے میں ہو یا وہ جو کسی اصل شرعی پر مبنی نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اس قسم کے قیاس کے سخت مخالف تھے۔ امام محمدؒ اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقص وضو ہے؟ آپ کی طرف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اهل المدینة ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد الا آثار[1]

ترجمہ: اگر یہ آثار موجود نہ ہوتے تو قیاس اہل مدینہ کی تائید کرتا مگر بہ مقابلہ اثر (حدیث) کے سامنے قیاس کوئی چیز نہیں اور اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ آثار کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ احناف کے ہاں احادیث کو بمقابلہ قیاس بہت اہمیت دی جاتی تھی اور وہ حدیث کے ہوتے ہوئے کسی مسئلے میں قیاس کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ ہاں حدیث نہ ملے نہ کسی صحابی کا اثر سامنے ہو تو مسئلہ پیش آمدہ کو کسی اصل شرعی پر قیاس کر کے رائی قائم کرنا ہرگز معیوب نہ سمجھتے تھے۔ قاضی شوکانیؒ بھی لکھتے ہیں:۔

فالعمل بالرای مسائل الشرع ان کان لعدم وجود الدلیل فی الکتاب والسنة فقد رخص فیه النبی صلی اللہ علیه وسلم[2]

---

[1] الحجة علی اہل المدینہ جلد ا ص۲۰۴ [2] القول المفید ص

ترجمہ: سو مسائل شرع میں رائے پر عمل کرنا اگر اس لیے ہو کہ کتاب و سنت میں اس کی دلیل نہیں ملتی، تو یہ رخصت جس کی حضورؐ نے اجازت دی ہے۔

مجتہد کے قیاس کو دوسرے تسلیم کریں اور اس سے دلیل کی بحث میں نہ پڑیں کیونکہ اصل شرعی کی تلاش اور اس پر قیاس یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اشباہ و امثال کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ دوسروں کو چاہیئے کہ اعتماداً مجتہد کی بات مان لیں کہ وہ دلیل کے بغیر بات نہیں کہہ رہا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کریں اسے تقلید کہتے ہیں۔ دین اسلام ہے تو سب کے لیے مگر اسے اس کی پوری گہرائی سے صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں۔ دوسروں کے لیے بس یہی راہ ہے کہ ان عالموں کی بات پر اعتماد عمل کریں۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

قرآن کل بنی نوع انسان کے لیے ہے

جب قرآن کل بنی نوع انسان کے لیے ہے تو جو لوگ عالم نہیں وہ کیا کریں۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ وہ کسی عالم کی پیروی کریں۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون. (پ۲۰، العنکبوت آیت ۴۳)

ترجمہ۔ اور یہ امثال ہیں جو ہم تمام لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر انہیں نہیں سمجھ سکتے مگر عالم ہی۔

اور نہ جاننے والوں کے لیے کہہ دیا۔ واتبع سبيل من اناب. (پ۲۱ لقمان ۱۵)

ترجمہ۔ اور پیروی کر اس کی جو میری طرف رجوع لایا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کسی نے کسی مجتہد کے استنباط پر عمل اختیار کر رکھا ہو اور اسے اس کے مقابل حدیث صحیح مل جائے اور اس کے معارض کوئی دوسری حدیث یا صحابی کا کوئی اثر نہ ہو تو وہ اسے چھوڑ دے۔ کیونکہ وہ مجتہد کی پیروی ایک مصلحتی درجے میں تھی۔ یہ نہیں کہ اس پر ہمارے پاس کوئی آسمانی سند ہو۔ مقام فقہ مقام حدیث کے بعد ہے۔

دائرۃ الفقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

قرآن کریم نے بے شک تدبر و تفکر اور اپنے مضامین میں غور و فکر کی دعوت دی ہے استنباط کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے ــــ آنحضرتؐ کی بھی تعلیم رہی کہ حدیث میں فقہ کی تلاش کرو، قرآن و سنت میں فقہ و دانش اور علم و معرفت پوری طرح لپٹی ہوتی ہے. بایں ہمہ محدثین اور حاملین روایت، حامل فقہ ہوتے ہیں فقیہ نہیں ہوتے. فقیہ وہی ہوگا جو کتاب و سنت میں اصول پاکر نئے آمدہ مسائل کو ان اصولوں میں تلاش کر سکے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کئی اہلحدیث (حدیث بیان کرنے والے) اہل فقہ نہیں ہوتے. یہ اہلحدیث سے ایک اگلا مرتبہ ہے اور اس میں جو منتہی ہو اسے مجتہد کہتے ہیں. باقی سب لوگوں کے لیے اب راہ یہ ہے کہ مسائل منصوصہ میں ان سب کی اتباع کریں.

یاد رکھیے رب حامل فقہ غیر فقیہ کہنے سے حاملین روایت کی کوئی منقصت نہیں ہوتی. لیکن فقہ کی شان ضرور دوبالا ہو جاتی ہے کہ اصل دین شناس یہی لوگ ہیں.

اسلام میں مسائل کتنے قسم کے ہوتے ہیں

فقہ کی حدود کہاں تک ہیں؟ اس کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ اسلام میں مسائل کتنی قسم کے ہیں کیا سب مسائل منصوص ہیں؟ یا مسائل غیر منصوصہ بھی ہیں. یہ صحیح ہے کہ مسائل غیر منصوصہ میں فقہ و اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی مسائل منصوصہ میں بھی اگر کہیں باہمی تعارض ہو اور اس میں ناسخ و منسوخ کا بھی پتہ نہ چلے تو ان میں اجتہاد کے ذریعے راجح اور مرجوح کا پتہ کرنا پڑتا ہے سو یہاں جو بات بھی اختیار کی جائے وہ بھی ایک فقہ ہوگی ــــ اسے ہم نقشہ ذیل میں واضح کرتے ہیں.
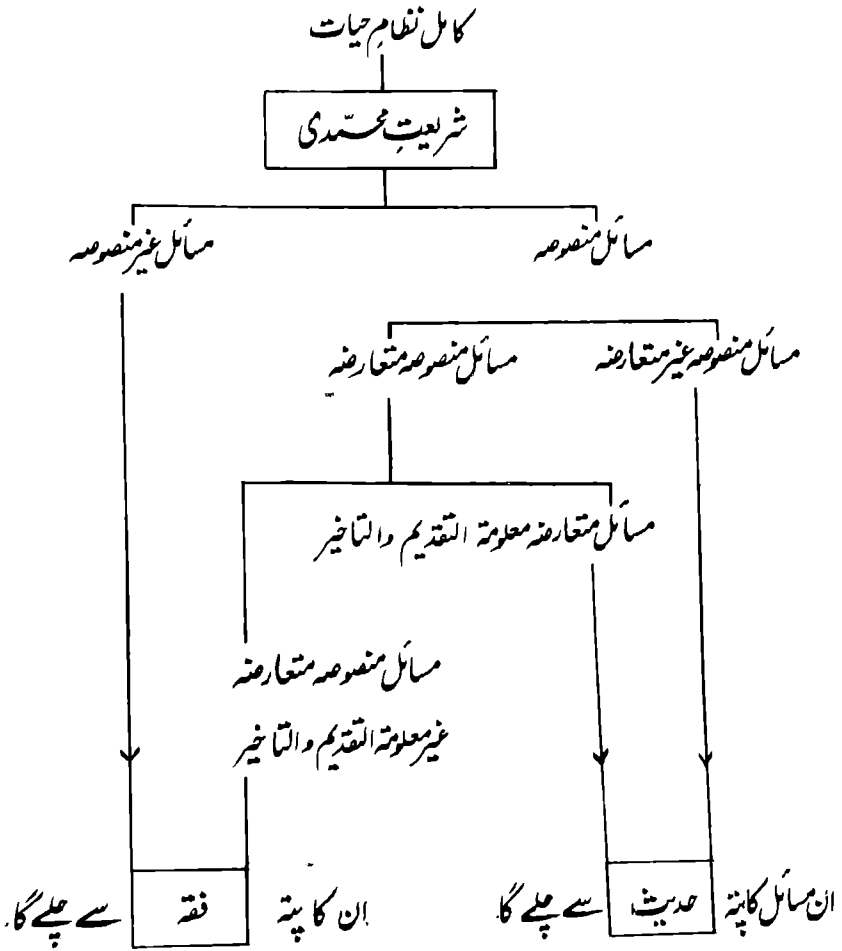
اس نقشہ سے فقہ کا دائرہ عمل آپ کے سامنے واضح ہو کر آجاتا ہے۔ حدیث جہاں آپ کے سامنے واضح اور غیر متعارض صورت میں موجود ہو وہاں وہ کافی ہے فقہ کی ضرورت نہیں اور جہاں احادیث و آثار آپس میں مختلف فیہ ہوں وہاں فقہ کی ضرورت پڑے گی جو تمام روایات کو اپنے اپنے درجہ میں رکھ کر راہِ عمل بتائے گی۔ جو لوگ اس درجے کتاب و سنت پر عبور رکھتے ہوں وہ مجتہد ہوتے ہیں دوسرے ان کے تابع چلیں گے۔ سو فقہ کا دائرہ مسائلِ غیر منصوصہ کے گرد ہی نہیں مسائلِ منصوصہ جو بظاہر متعارض ہوں اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی جلی طور پر معلوم نہ ہو۔ ان میں بھی جو

علمار مجتہد نہیں وہ مجتہد کے سایہ میں چلیں گے جو مجتہد نہ ہوں انہیں خود مختار ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علمار کے بھی مختلف درجے ہیں۔ ایک وہ جو مجتہد درجے کے ہوں اور دوسرے وہ جو اس درجے کے نہ ہوں؟ اس کا جواب ہاں میں ہے۔

قرآن کریم کی شہادت لیجئے :۔

یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت واللّٰہ بما تعملون خبیر۔ (پ۲۸ المجادلہ آیت ع۲)

ترجمہ۔ اللہ بلند کرتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو علم دیئے گئے درجات میں یعنی اہل علم کے مختلف درجات ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ایمان میں قوت اور علمی رفعت بخشتا ہے۔

حدیث سمجھنے کے لیے فقہ کی ضرورت

محدثین کے ہاں فقہ والے حدیث کو زیادہ جاننے والے تسلیم کیے گئے ہیں۔ محدثین کیا اہل علم نہیں، یقیناً ہیں۔ ان کی علمی شان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن کتاب وسنت کی گہرائی میں فقہار ان سے بھی آگے ہیں۔ اور اس کا محدثین نے کھلا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام احمدؒ کی شہادت

خطیب بغدادیؒ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں ایک شخص حضرت امام احمدؒ کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا :۔

سل عافاک اللّٰہ غیرنا سل الفقہاء سل ابا ثور۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تجھے حفاظت سے رکھے ہمارے سوا کسی اور سے پوچھ۔ فقہار سے

[1] بغدادی جلد ۶ صـ۶۶

پوچھ — ابا ثور سے پوچھ۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمدؒ باوجودیکہ بہت بڑے فقیہ تھے امام مجتہد تھے۔ مگر چونکہ روایات کا غلبہ تھا۔ اس لیے آپ مسائل میں دوسرے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا بھی امر فرماتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ کی شہادت

حضرت انسؓ کہتے ہیں بعض انصار نے اموال ہوازن کی تقسیم میں مہاجرین کو زیادہ حصہ ملنے کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں پہنچیں تو آپ نے انہیں ایک جگہ جمع فرمایا۔ اور ان سے پوچھا۔

فلما اجتمعوا جاءهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما كان حديث بلغني عنكم قال له فقهاءهم اما ذو وارأينا فلم يقولوا شيئا واما اناس منا حديثة اسنانهم فقالوا يغفر الله لرسول الله يعطي قريشا ويترك الانصار وسيوفنا تقطر من دمائهم فقال رسول الله اني اعطي رجالاً حديث عهدهم بكفر[1]

ترجمہ: جب وہ سب جمع ہوئے تو حضورؐ ان کے پاس آئے اور کہا یہ مجھے تمہاری کیا بات پہنچی ہے۔ ان کے فقہاء بولے حضورؐ ہم میں — جو اہل الرائے ہیں انہوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی لیکن ہم میں جو نو عمر ہیں انہوں نے کوئی ایسی باتیں کہی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں ان لوگوں کو زیادہ دیتا ہوں جو ابھی ابھی کفر سے نکلے ہیں تاکہ ان کی مدد ہو سکے)۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں پختہ علم والے ثقہ لوگ اس وقت بھی فقہاء کے

---

[1] صحیح بخاری جلد ا ص۴۴۵

طور پر معروف تھے اور بات اہل حدیث کی نہیں فقہاء کی چلتی تھی۔

امام ترمذیؒ کی شہادت

قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث۔[1]

ترجمہ۔ فقہاء نے یہی کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

امام ابوداؤدؒ کی شہادت

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں ایسی پہنچیں جو بظاہر متعارض ہوں تو اس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھا جائے گا۔ آپ نے عامی کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ وہ جو حدیث پڑھ لے اس پر عمل کر لے — نہیں — آپ نے فرمایا اس باب میں صحابہؓ کے عمل کو دیکھا جائے گا۔ تعارض کی صورت میں ان کے عمل کو دیکھنا ضروری ہو گا۔ کیا یہ فقہ کی ضرورت نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبيؐ نظر الى ما عمل به اصحابه من بعده۔[2]

ترجمہ۔ جب دو حدیثیں (بظاہر) ٹکراتی ہوئی ہمیں حضورؐ سے پہنچیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ صحابہؓ کا عمل ان میں سے کس پر تھا۔

امام طحاویؒ کی شہادت

فلما تضادت الآثار في ذلك وجب ان ننظر الى ما عليه عمل المسلمين الذين جرت عليه عادتهم فيعمل على ذلك ويكون ناسخا لما خالفه۔[3]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صـ [2] ابوداؤد جلد ۱ صـ [3] شرح معانی الآثار جلد ۱ صـ ۲۴

ترجمہ۔ جب اس میں آثار و روایات ٹکراتی نظر آئیں تو ہم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے زندہ عمل کو دیکھیں جن سے ان کی سنت قائم ہوئی ہے عمل اس پر قائم کیا جائے گا اور جو روایات اس کے خلاف ہیں وہ منسوخ سمجھی جائیں گی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ کا دائرہ صرف مسائل غیر منصوصہ تک منتہی نہیں مسائل منصوصہ میں بھی جہاں بظاہر تعارض نظر آئے آپ کو ایسے علماء کی رہنمائی درکار ہو گی جو علم میں درجہ رسوخ پا چکے ہوں۔ تاکہ عوام ان مسائل میں ان پر اعتماد کریں۔

مسائل منصوصہ متعارضہ میں باریک فقہی راہیں

شریعت محمدی کی نصوص میں حقیقی تعارض کہیں نہیں۔ اگر یہ الٰہی دین نہ ہوتا تو پھر بے شک اس میں بہت اختلاف نکلتا ــــ سو جہاں کہیں بظاہر تعارض نظر آتا ہے مجتہد اپنی عقابی نظر سے ان میں تطبیق کی راہ بھانپ لیتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو ترجیح کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ راہ صواب نہ بھی پا سکیں تو راہ ثواب پا لیتے ہیں اور ایک اجر کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

ہم یہاں اس سلسلے میں صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں :۔

حدیث اوّل : حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب[1]

ترجمہ۔ اس کی نماز نہ ہوئی جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔

امام بخاریؒ کے نزدیک حضرت عبادہؓ کی صرف اتنی روایت صحیح ہے۔ اس کے بعد اس روایت کا جو حصہ ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام بخاری کے ہاں ان کے معیار صحیح تک نہیں پہنچتا۔ اسی لیے آپ نے اسے صحیح بخاری میں نہیں لیا۔

حدیث دوم : حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صنا

اذا قرأ فانصتوا[1]

ترجمہ۔ امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو۔

امام مسلمؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

یہ دو حدیثیں بظاہر متعارض ہیں۔ ان میں تطبیق کی راہیں کیا ہیں۔

(۱) دوسری حدیث نماز با جماعت سے متعلق ہے اور پہلی حدیث با جماعت نماز کے بارے میں نہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو اکیلا ہو۔ یہ امام بخاریؒ کے اساتذہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام سفیان بن عیینہؒ کی رائے ہے۔ امام احمدؒ کی رائے امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے۔ ان ھٰذا اذا کان وحدہ۔ (جامع ترمذی جلد ۱ ص۴۲) اور سفیانؒ کی رائے امام ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے۔ ھٰذا لمن یصلی وحدہ۔ (سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۱۱۹)

(۲) امام بخاریؒ کی رائے میں پہلی حدیث بطریق عموم نماز با جماعت کو بھی شامل ہے۔ اس لیے دوسری حدیث اس سے متعارض نہ ہوگی۔ اگر اسے سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھے جانے والے قرآن پر محمول کیا جائے کہ جب وہ حصہ پڑھا جا رہا ہو تو تم چپ رہو اور امام کو سنتے رہو۔

ان دونوں فریقوں میں سے کسی کی کوشش اتباعِ نبوی سے گریز کی نہیں وہ بظاہر متعارض روایتوں کو آپس میں تطبیق دے رہے ہیں۔ یہ ان دونوں کی فقہ ہے عامی دونوں طرف کے ائمہ سے کسی کی پیروی کرلے۔ راہ صواب نہ ہونے پر بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہوگا۔ اگر وہ کسی مجتہد کی پیروی سے ایسا نہ کرے۔ اپنے کمزور علم سے کسی ایک جانب کو اختیار کرے تو اللہ کے ہاں اپنے عمل کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ غلط ہوگا تو اس پر اس کا گناہ ہوگا۔ تقلید کی صورت میں اس کی پیروی کا بوجھ مجتہد پر ہوگا اور یہ علم کا وہ درجہ ہے جہاں غلطی بھی اجر پاتی ہے ——— ہمارے نزدیک ان دو بظاہر متعارض روایات میں وہ اصول سامنے رکھنا چاہیئے جو امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں پیش کیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۷۴ سنن نسائی جلد ۱ ص۱۴۶ عن ابی ہریرہؓ۔

اس اصول کی روشنی میں آیئے حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا فیصلہ دیکھیں — حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں :-

من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام[1]

ترجمہ: جس نے ایک رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

یعنی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ جب اکیلے پڑھے پھر پڑھنی ضروری ہے نہ کہ امام کے پیچھے۔

اس حدیث کو حضرت امام مالکؒ نے اپنے موطا میں بھی نقل کیا ہے۔ موطا امام مالک وہ کتاب ہے جسے امام شافعیؒ اصح الکتب بعد کتاب اللہ فرماتے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ھٰذا حدیث حسن صحیح فرمایا ہے۔

حضورؐ کے دوسرے جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں :-

لا قرأۃ مع الامام فی شیء۔[2]

ترجمہ: امام کے ساتھ کسی حصہ قرأت میں کچھ نہیں پڑھنا۔

قرأت کے دو ہی حصے ہیں۔ ۱۔ فاتحہ اور ۲۔ مازاد علی الفاتحہ — امام کے پیچھے تم نے کچھ نہیں پڑھنا۔ نہ فاتحہ نہ مازاد علی الفاتحہ۔

دوسری طرف حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں امام کے پیچھے بھی جی میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اس قول ابی ہریرہؓ میں پھر علماء کرام کا اختلاف ہوا کہ جی میں پڑھنے سے مراد قرأتِ لفظی ہے یا قرأتِ نفسی — ایک طرف قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اس کے ساتھ آہستہ قرأتِ لفظی کی اجازت نہیں۔ لا تحرک بہ لسانک میں زبان کو حرکت دینے کی اجازت نہیں۔ قرأتِ نفسی ہو تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص۴۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۱۵

اس وقت طلبہ کے سامنے ہم اس مسئلے کا محاسبہ نہیں کر رہے بتلانا صرف یہ ہے کہ جن مسائل میں احادیث و روایات بظاہر متعارض ہوں اور ان میں پہلے دور میں ائمہ کا اختلاف بھی چل چکا ہو تو ایسے سب مسائل بھی فقہ کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اس دور میں لوگ جس امام کی چاہیں تطبیق اختیار کریں۔ لیکن یہ درست نہیں کہ دوسرے مکتب فکر کے بارے میں کہا جائے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی۔ صحابہؓ اور بڑے بڑے جبال علم کہہ رہے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ خود امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:۔

ارٰی من لم یقرأ صلوٰتہ جائزۃ و شدد قوم من اهل العلم فی ترك قرأۃ الفاتحۃ وان کان خلف الامام [1]

ترجمہ: میری رائے یہ ہے کہ جس نے (امام کے پیچھے) سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ہو گئی اور بعض اہل علم نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے میں گو وہ امام کے پیچھے ہو شدت کی ہے۔

(۲) رفع الیدین عند الرکوع کی متعارض روایتیں

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کیا میں تمہیں ویسی نماز نہ پڑھاؤں جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے۔ پھر آپ نے نماز پڑھائی اور ابتداءِ نماز کے بعد پھر کہیں رفع یدین نہ کی۔

عن عبد اللہ قال الا اخبرکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اوّل مرۃ ثم لم یعد [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ نے کہا میں تمہیں بتاؤں حضورؐ کس طرح نماز پڑھتے تھے آپ اُٹھے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلی مرتبہ رفعیدین اور پھر نہ کیا۔

---

[1] ترمذی جلد ۱ صـ۴۲ [2] سنن نسائی جلد ۱ صـ۱۵۸

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں. حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی اس کے راوی ہیں،
اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا رفع رأسہ من الرکوع رفعھما کذلك[۱]

ترجمہ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے کندھوں کے برابر ہاتھ اُٹھاتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو بھی اسی طرح سے رفع یدین کرتے۔

اب غور کیجئے پہلی روایت میں صرف ایک رفع یدین کا ذکر ہے اور روایت سنداً صحیح ہے. دوسری میں دو رفع یدین کا ذکر ہے اور روایت سنداً صحیح ہے. اس میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں۔ امام مالکؒ تو پہلے اسے بھی، (رکوع کے وقت رفع یدین کو) روایت کرتے رہے۔ پھر آپ نے اسے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب آپ کی آخری روایت حضورؐ کے صرف دو رفع رفع یدین کی ہے۔

جب امام مالکؒ رکوع کے وقت رفع یدین کی روایت کو چھوڑ چکے تھے تو تعجب ہے. کہ امام بخاریؒ نے پھر اسے امام مالکؒ کے نام سے کیوں روایت کیا ــــ تاہم امام مالکؒ کی اس روایت میں (رفع یدین کی روایت میں) مرکزی راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں. آپ خود رکوع کے وقت اور رکوع سے اُٹھتے رفع یدین نہ کرتے تھے. آپ کے شاگرد خاص امام المفسرین حضرت مجاہدؒ روایت کرتے ہیں :-

عن مجاھد قال صلّیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ[۲]

---

[۱] موطا امام مالک صـ۷۶ [۲] طحاوی جلد ا صـ۱۱۱

ترجمہ۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے نماز کی پہلی تکبیر کے علاوہ اور کسی تکبیر کے ساتھ رفعیدین نہ کرتے تھے۔

امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کرنا بھی نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رکوع سے اُٹھتے وقت کبھی رفعیدین کر بھی لیتے تھے اور کبھی اس پہلے رفع یدین پر ہی اکتفا کرتے جس سے آپ نماز شروع کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح کی روایات منقول ہونے کو اس طرح تطبیق دی ہے:۔

ان الجمع بین الروایتین ممکن وانه لم یکن یراه واجبًا فعله تارةً وتركه تارةً۔[1]

ترجمہ۔ دونوں طرح کی روایات ممکن الجمع ہیں وہ اس طرح کہ آپ رفع یدین کو ضروری نہ سمجھتے تھے کبھی کر لیتے اور کبھی نہ کرتے۔

اب موطا امام مالکؒ کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سنن نسائی کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے معارض نہ رہی اور مسئلہ یوں طے پایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی رکوع کے وقت اور اس سے اُٹھتے رفع یدین کرتے تھے اور کبھی نہ کرتے تھے۔ اگر آپ بالالتزام یہ رفع یدین کرتے ہوتے تو کیا ہو سکتا تھا کہ اس رفع یدین کے مرکزی راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کبھی رفع یدین کریں اور کبھی نہ کریں ـــــ آپ کا اسے احیاناً کرنا بتلاتا ہے کہ آخر تک یہ حضورؐ کی سنّت نہ رہی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اسے مستحب کا درجہ دیا جا سکتا ہے سنّت کا نہیں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی اسے مستحب کے درجے میں رکھا ہے۔ اس سے آگے نہیں گئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔[2]

---

[1] فتح الباری جلد ۲ صـ۱۷۴ [2] اہل حدیث کا مذہب صـ۷۹ تالیف مولانا ثناء اللہ امرتسری

تدوینِ فقہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

فقہ کی تاریخ فقہ کی تدوین سے پہلے کی ہے. تدوین سے مراد یہ ہے کہ پہلے اصولِ فقہ طے ہوں پھر ان کے تحت انسانی زندگی کے مختلف دائروں میں پیش آنے والی ضرورت پر آسمانی تعلیمات ایک ترتیب سے مرتب ہو جائیں اور جن امور میں یہ الہٰی ہدایت صریح طور پہ نہیں ملتی، شریعت میں ان کی نظائر ڈھونڈ کر ان میں ان کا فقہی حکم تلاش کیا جائے. کاروبارلین دین اور حدود و تعزیزات کے مختلف پہلوؤں میں روح قرآن اور فقہ سنّت کیا چاہتی ہے ان کی ضرورت سامنے آئے یا نہ ـــــ ان کے احکامات ضرور دریافت کر لیے جائیں ـــــ اسلام کو ایک ضابطۂ حیات مانتے ہوئے اس کے جملہ احکام وہ کتاب وسنّت میں منصوص ہوں یا نہ ـــــ انہیں محسوس پیرایہ میں لاکر سامنے رکھ دیا جائے. اسلام کے اس باب علم میں اسی علم کی ضرورت تھی. اس طرح کی موشگافیوں سے ذہن انسانی کھلتا ہے اور قوتِ اجتہاد اُبھرتی ہے.

فقہ کا آغاز تو عہدِ صحابہؓ سے ہو چکا تھا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل غیر منصوصہ میں خود صحابہؓ کو اجتہاد کی راہ سمجھائی تھی اور صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حوادث احکام (نئے نئے پیش آنے والے مسائل) میں اسی راہ سے چلے ہیں اور اسی سے امت کی اپنے قانونی تقاضوں اور ضرورتوں میں عملی پیش رفت رہی ہے.

صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بعد بڑے بڑے فقہاء یہ حضرات ہیں :-

(۱) حضرت عثمان غنیؓ
(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ
(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
(۴) حضرت معاذ بن جبلؓ

⑤ حضرت زید بن ثابتؓ ⑨ حضرت جابر بن عبداللہؓ

⑥ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ ⑩ حضرت ابو الدرداءؓ

⑦ حضرت ابی بن کعبؓ ⑪ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

⑧ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ⑫ حضرت امیر معاویہؓ

قال اللہ تعالیٰ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

یہ حضرات کتاب وسنت کے پڑھنے پڑھانے میں تفقہ واستنباط اور استحسان سے کام لیتے تھے۔ اسلامی عدالتیں قائم تھیں ان میں قاضی کتاب وسنت کی روشنی میں — خلفائے راشدین کے فیصلوں کی روشنی میں اور فقہاء صحابہؓ کی پیروی میں چلتے تھے۔ اسلام دنیا میں پہلی مرتبہ ایک قانون کی صورت میں سامنے آیا تھا — اور یہ دنیا کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ اسلام میں علم کے ماخذ باتفاقِ صحابہؓ قرآن وسنت اکابر امت اور فقہ وقیاس قرار پائے:۔

جمہور از صحابہ وتابعین وفقہاء ومتکلمین بآں رفتہ کہ قیاس اصلے از اصولِ شریعت است[1]

اس دور میں اصل قوت علم کی تھی اور اسلام کا نفاذ دنیا میں علم کا ایک فطری پھیلاؤ تھا۔ سپاہِ صحابہؓ حضرت ابو عبیدہ ہوں یا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ — سیف اللہ خالد بن ولیدؓ ہوں یا فاتح مصر عمرو بن عاصؓ علم میں سب فقہاء صحابہؓ کے ماتحت چلتے تھے۔ اسلام کی حکومت ایک طور سے علم کی حکومت تھی جس سے ہر طرف حقائق کے چشمے پھوٹتے تھے۔

صحابہ کرامؓ میں حاملینِ فقہ (کم وبیش روایات کے حافظ) تو سب تھے لیکن اونچے درجے کے فقہاء ان میں چالیس پچاس سے زائد نہ ہوں گے۔ صحابہؓ میں جو حضرات فتوے دیتے تھے۔ ان کی تعداد حافظ ابن القیمؒ (۷۵۱ھ) نے ایک سو تیس (۱۳۰ھ) سے کچھ اوپر بتلائی ہے[2]

صحابہؓ کے بعد بڑے بڑے فقہاء اور ماہرین قانون دنیا میں ظاہر ہوئے اور قانونی سطح پر انہوں نے اسلام کی تفریعات پر بہت عرق ریزی کی۔ یہ قرآن وسنت کی

---

[1] افادۃ الشیوخ ص۱۲۲ نواب صدیق حسن خاں [2] دیکھئے اعلام الموقعین جلد ا ص۹

جامعیت اور اُن کے صائب اجتہادات تھے جنہوں نے پُورے کرۂ ارض کو اسلام کے نُور سے معمور کیا اور دُنیا پہلی دفعہ ایک کامل اور مکمل الٰہی نظامِ حیات سے آشنا ہوئی۔ اس دور کے بڑے بڑے فقہاء میں سے ہم صرف چالیس اکابر تابعین کا یہاں کچھ تذکرہ کرتے ہیں۔

اولٰئك آبائی فجئنی بمثلهم

؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۱) علقمہ بن قیس نخعی (۶۲ھ) کوفہ میں
(۲) مسروق بن اجدع (۶۳ھ) کوفہ میں
(۳) شریح بن حارث کندی (۷۸ھ) کوفہ میں
(۴) عبدالرحمٰن بن غنم (۷۸ھ) شام میں
(۵) ابوادریس خولانی (۸۰ھ) شام میں
(۶) قبیصہ بن ذویب (۸۶ھ) شام میں
(۷) ابوالعالیہ رفیع بن مہران (۹۰ھ) بصرہ میں
(۸) ابوالشعثاء جابر بن زید (۹۳ھ) بصرہ میں
(۹) امام زین العابدین (۹۴ھ) مدینہ میں
(۱۰) سعید بن المسیّب (۹۴ھ) مدینہ میں
(۱۱) ابوسلمہ (۹۴ھ)
(۱۲) عروہ بن زبیر (۹۴ھ) مدینہ میں
(۱۳) ابوبکر بن عبدالرحمٰن (۹۴ھ) مدینہ میں
(۱۴) ابوبکر بن عبدالرحمٰن حارث مخزومی (۹۴ھ) مدینہ میں
(۱۵) اسود بن یزید نخعی (۹۵ھ) کوفہ میں
(۱۶) امام ابراہیم نخعی (۹۶ھ) کوفہ میں
(۱۷) حسن المثنّٰی (۹۷ھ) مدینہ میں
(۱۸) سعید بن جبیر (۹۸ھ) کوفہ میں
(۱۹) خارجہ بن زید بن ثابت (۹۹ھ) مدینہ میں
(۲۰) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ) شام میں
(۲۱) امام مکحول (۱۰۱ھ) شام میں
(۲۲) مجاہد بن جبیر (۱۰۳ھ) مکہ میں
(۲۳) عامر بن شرحبیل الشعبی (۱۰۶ھ) کوفہ میں
(۲۴) طاؤس بن کیسان (۱۰۶ھ) یمن میں
(۲۵) ضحاک بن مزاحم (۱۰۶ھ) خراسان میں
(۲۶) سالم بن عبداللہ (۱۰۶ھ) مدینہ میں
(۲۷) قاسم بن محمد (۱۰۶ھ) مدینہ میں
(۲۸) سلیمان بن یسار (۱۰۷ھ) مدینہ میں
(۲۹) حضرت عکرمہ (۱۰۵ھ) مکہ میں
(۳۰) امام حسن بصری (۱۱۰ھ) بصرہ میں
(۳۱) محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) بصرہ میں
(۳۲) حسن بن ابی الحسن الیسار (۱۱۰ھ) بصرہ میں

(۳۳) عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) مکہ میں — (۳۷) میمون بن مہران (۱۱۷ھ) الجزیرہ میں
(۳۴) رجاء بن حیوۃ الکندی (۱۱۲ھ) شام میں — (۳۸) حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) کوفہ میں
(۳۵) وہب بن منبہ (۱۱۴ھ) یمن میں — (۳۹) یزید بن ابی حبیب (۱۲۸ھ) مصر میں
(۳۶) امام باقر (۱۱۴ھ) مدینہ میں — (۴۰) یحییٰ بن ابی کثیر (۱۲۹ھ) یمن میں

رحمھم اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومھم اجمعین۔

ان کے علاوہ کوفہ کے عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی (۹۲ھ) مدینہ کے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (۹۸ھ) اور امام نافع (۱۱۷ھ) امام حرم کعبہ عمرو بن دینار (۱۲۶ھ) اور مکہ کے ابوالزبیر مسلم بن مسلم (۱۲۷ھ) عبداللہ بن ذکوان ابوالزناد (۱۳۱ھ) مدینہ میں اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۱۳۶ھ) مدینہ کے مشہور مفتیوں میں سے تھے۔

ایک لائق توجہ بات

اسلام کی علمی تاریخ کے دوسرے دور کے یہ جبال علم ہیں جن سے بقعۂ قلمرو اسلامی معمور رہا۔ ان میں غور سے دیکھا جائے تو زیادہ حضرات موالی میں سے ملیں گے آزاد کردہ غلاموں میں سے —— تاریخ اسلام کا یہ علمی دور ہے جس میں عربوں سے بڑھ کر موالی حضرات حوزۂ اسلام کا علمی پہرہ دے رہے ہیں۔

مدینہ کے سلیمان بن یسار (۱۰۷ھ) ام المومنین حضرت میمونہؓ کے مولا تھے۔ حسن بن ابی الحسن الیسار (۱۱۰ھ) حضرت زید بن ثابتؓ کے مولا تھے —— حضرت امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) حضرت انس بن مالکؓ کے مولیٰ تھے۔ عکرمہ (۱۰۷ھ) حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ تھے —— ابوالزبیر مسلم بن مسلم (۱۲۷ھ) حضرت حکیم بن حزامؓ کے مولیٰ تھے —— امام مکحول (۱۰۱ھ) بنو ہذیل کے مولیٰ تھے —— یزید بن ابی الحبیب (۱۲۸ھ) بنو ازد کے مولیٰ تھے —— عطاء بن ابی رباح (۱۱۲ھ) قریش کے مولیٰ تھے۔

اس دور کے مختلف مراکزِ علم میں صرف کوفہ کی مسند علمی تھی. جہاں حضرت ابراہیم نخعیؒ خالص عرب مرکزِ علم اور درس و افتاء کا مرجع تھے. پوری قلمرو اسلامی میں آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی جانشین تسلیم کیے گئے ہیں.

ہم نے یہاں اسلام کے اس دور کے بڑے بڑے ائمہ فقہ و حدیث آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں. ان جبال علم میں قاضی بھی ہوئے اور مفتی بھی ـــــ مدرس بھی اور رواتِ حدیث بھی ـــــ ان حضرات نے عدالتیں بھی قائم کیں. بڑے بڑے مقدمے بھی سُنے اور اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کیا. ان اکابر میں ہر ایک فقہ اسلامی کا ماہر تھا. عدالتوں میں اسلام کے ایک ایک پہلو پر بحثیں ہوئیں. جو مسائل منصوص نہ تھے وہ نکلتے جاتے اور حل ہوتے جاتے اور ان پر اور جزئیات مرتب ہوتی جاتیں. تاہم فقہ کے اصول ابھی تک مدون ہونے پائے تھے وہ اس وقت کے قاضیوں کے ذہن میں تو موجود ہوتے اور وہ بے شک ان کی ہی روشنی میں چلتے تھے لیکن ابھی تک اصولِ فقہ فن کے طور پر مرتب نہ ہوئے تھے.

اسلام کے اس صدی سوا صدی کے تجربات وقت کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور روز کے نئے نئے بدلنے والے حالات اور واقعات اور اسلامی عدالتوں کے مقدموں کے فیصلہ جات نے قانونِ اسلامی کو اتنا نکھار دیا تھا کہ اب ان کی روشنی میں اسلام کے جملہ دوائرِ زندگی کی مرتب قانون سازی ہو سکتی تھی.

ان دنوں خیر غالب تھا. علم کی پیاس تھی اور عمل کا جوش تھا. کتاب و سنّت کی سٹیم ان فقہاء کی رگ رگ میں سمائی تھی اور اس سے اسلامی قوانین کی گاڑی چل رہی ہے. یہ ٹھیک ہے کہ کچھ لوگ اس گاڑی سے اُتر کر اجماع کو توڑتے بھی رہے. تاہم اہلِ حق ہمیشہ آگے چلتے رہے اور وقت آگیا کہ اب فقہ اسلامی کی باقاعدہ تدوین کی جائے. یہ وہ وقت ہے کہ جب رومن لا   عالمی سطح پر دم توڑ رہا تھا. قیصر و کسریٰ اپنی شوکت کھو چکے تھے. مصر کی ثقافت باقی نہ رہی تھی. اسلام کا جھنڈا نصف دنیا پر لہرا رہا تھا اور عالمی

سطح پہ قانونِ اسلام کی تدوین کی ضرورت تھی۔

جس طرح قرآن پہلے سے موجود تھا۔ مگر اس کی یکجا صورت بعد میں سامنے آئی۔ حدیث پہلے سے موجود تھی۔ مگر اس کی فنی تدوین بعد میں ہوئی۔ فقہ اسلام بھی پہلے سے موجود تھی۔ ہزاروں اسلامی عدالتی فیصلے اس کے تحت ہو چکے تھے مختلف اہم موضوعات پر خلفائے راشدینؓ کے فیصلے موجود تھے۔ لیکن قانونِ اسلام ابھی باضابطہ طور پہ مدون نہ ہوا تھا۔ پہلے اصول فقہ طے کرنے ضروری تھے جن پر آگے فقہ مرتب کی جا سکے۔

امام ابو حنیفہؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی اور فقہ اسلامی کو مدون کرنے کے لیے علماء کا ایک بورڈ بٹھایا جس میں حفاظ حدیث۔ ادب و عربیت کے امام۔ قیاس و استنباط کے ماہرین۔ قرآن کریم کے موارد نزول اور ناسخ و منسوخ کو سمجھنے والے بڑے بڑے اساتذہ فن موجود تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کی قیادت میں یہ بورڈ کافی عرصہ تک کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ فقہ کی تدوین ہوئی۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے ظاہر الروایات ترتیب دیں۔ آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے۔ اس بورڈ میں حفص بن غیاثؒ۔ امام ابو یوسفؒ اور یحییٰ بن ابی زائدہؒ جیسے کثیر الحدیث عالم بھی تھے۔ قاسم بن معنؒ اور امام محمد بن حسنؒ جیسے ادب و عربیت کے امام بھی تھے۔ امام زفر جیسے قیاس و استحسان کے بادشاہ بھی تھے۔ داؤد طائیؒ جیسے علم و تقوے کے پہاڑ بھی تھے اور علماء کا ایک جمِ غفیر تھا جو اس عامی محنت میں چل رہا تھا اور یہ سب حضرات اپنے وقت کی معروف شخصیتیں تھے۔ لکھنے کا کام یحییٰ کے سپرد تھا علامہ شبلیؒ کے خیال میں تقریباً تیس برس یہ کام ہوتا رہا۔ امام صاحبؒ فیصلہ کرنے میں عافیہ بن یزید کے منتظر رہتے۔ فرماتے جب تک وہ نہ آئیں فیصلہ نہ کیا جائے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ اسحٰق بن ابراہیمؒ سے روایت کرتے ہیں:-

قال ابو حنیفة لاترفعوا المسئلة حتی یحضر عافیه فاذا حضر عافیه فان وافقهم قال ابو حنیفة اثبتوها فان لم یوافقهم قال ابو حنیفة لاتثبتوها۔[1]

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۱ صـ۱۰۸

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے جب تک عافیہؒ نہ آئیں اس مسئلے کو نہ اُٹھایا جائے جب وہ آتے تو اگر ان کی ہاں ہوتی تو امام ابوحنیفہؒ وہ مسئلہ لکھاتے ورنہ فرماتے اسے نہ لکھو۔

اراکین مجلس تدوین فقہ

حضرت عبدالقادر قرشی علیہ الرحمۃ نے الجواہر المضیۃ میں ان حضرات کی فہرست دی ہے۔ جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین تھے۔

1. امام زفر (۱۵۸ھ)
2. امام مالک بن مغول (۱۵۹ھ)
3. امام مالک بن نضیر طائی (۱۶۰ھ)
4. امام مندل بن علی (۱۶۸ھ)
5. امام نضر بن عبدالکریم (۱۶۹ھ)
6. امام عمرو بن میمون (۱۷۱ھ)
7. امام حبان بن علی (۱۷۲ھ)
8. امام ابوعصمہ (۱۷۳ھ)
9. امام زہیر بن معاویہ (۱۷۳ھ)
10. امام قاسم بن معن (۱۷۵ھ)
11. امام حماد بن ابی حنیفہ (۱۷۶ھ)
12. امام سیاج بن بسطام (۱۷۷ھ)
13. امام شریک بن عبداللہ (۱۷۸ھ)
14. امام عافیہ بن یزید (۱۸۰ھ)
15. امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ)
16. امام ابویوسف (۱۸۲ھ)
17. امام محمد بن نوح (۱۸۳ھ)
18. امام ہشیم بن بشیر (۱۸۳ھ)
19. امام یحییٰ بن زکریا (۱۸۴ھ)
20. امام فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ)
21. امام اسد بن عمر (۱۸۸ھ)
22. امام محمد بن حسن (۱۸۹ھ)
23. امام علی بن مسہر (۱۸۹ھ)
24. امام یوسف بن خالد (۱۸۹ھ)
25. امام عبداللہ بن ادریس (۱۹۲ھ)
26. امام فضل بن موسےٰ (۱۹۲ھ)
27. امام علی بن ظبیان (۱۹۲ھ)
28. امام حفص بن غیاث (۱۹۴ھ)

(۲۹) امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ)
(۳۰) امام ہشام بن یوسف (۱۹۷ھ)
(۳۱) امام یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ)
(۳۲) امام شعیب بن اسحٰق (۱۹۸ھ)
(۳۳) امام ابوحفص بن عبدالرحمٰن (۱۹۹ھ)
(۳۴) امام ابومطیع البلخی (۱۹۹ھ)
(۳۵) امام خالد بن سلیمان (۱۹۹ھ)
(۳۶) امام عبدالحمید (۲۰۳ھ)
(۳۷) امام حسن بن زیاد (۲۰۴ھ)
(۳۸) امام ابوعاصم بن النبیل (۲۱۲ھ)
(۳۹) امام حماد بن دلیل (۲۱۵ھ)
(۴۰) امام مکی بن ابراہیم (۲۱۵ھ)

رحمہم اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہم اجمعین۔

ان اراکین میں دس بارہ ایسے حضرات بھی تھے جو ہر اجلاس میں برابر شریک ہوتے اور ایسے بھی تھے جن سے متفرق مجالس میں تبادلۂ خیالات اور تناظرِ آراء ہو جاتا: تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس محنت سے جو فقہ مرتب ہوئی وہ شخصی فقہ نہیں بلکہ ایک شورائی فقہ ہے گو اس معین فقہ کی پیروی کو ہم تقلید شخصی کا نام دیں اسکی نسبت صدر مجلس کی طرف ہو۔

حضرت امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) نے بسند متصل اسد بن فراتؒ سے روایت کی ہے:۔

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسفؒ. داؤد طائیؒ. زفرؒ. اسید بن عمروؒ. یوسف بن خالد تمیمیؒ. یحییٰ بن زائدہؒ. امام طحاویؒ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تقریباً بیس برس تک اس خدمت کو سرانجام دیتے رہے۔[1]

پہلے یہ لکھنے کا کام کس کے سپرد تھا؟ امام ابو یوسفؒ کے (موفق) پھر یہ ذمہ داری یحییٰ بن زائدہؒ کے سپرد ہوئی۔ حضرت امام محمدؒ حضرت امام صاحبؒ کی زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی خدمت میں آئے تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۳۴ از مولانا شبلی نعمانیؒ

طحاویؒ نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں ان کے سوا عافیہ از دیؒ۔ ابو علی عزیؒ۔ علی بن مسہرؒ۔ قاسم بن معنؒ۔ حبان بن علیؒ اور مندل بن علیؒ بھی اس مجلس کے ممبر رہے ہیں[1]

علامہ زاہد الکوثری (۱۳۷۱ھ) نے فقہ اہل العراق و حدیثہم میں الفہرست لمحمد بن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے:۔

والعلم برًا وبحرًا وشرقًا وغربًا بعدًا وقربًا تدوینه رضی الله عنه[2]

ترجمہ۔ علم اقلیم ارضی میں ہو یا سمندروں میں۔ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ دور ہو یا قریب۔ جہاں بھی پایا جائے گا یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ہی تدوین سے ہے۔

صدر الائمہ علامہ موفقؒ (ھ) لکھتے ہیں:۔

فوضع ابو حنیفة رحمه الله مذهبه شورىٰ بینهم لم یستبد فیه بنفسه دونهم اجتهادًا منه فی الدین ومبالغة فی النصیحة لله ورسوله و المومنین فکان یلقی مسئلة مسئلة ویسمع ما عندهم ویقول ما عنده ویناظرهم شهرًا او اکثر من ذٰلک حتٰی یستقر احد الاقوال فیها ثم یثبتها ابو یوسف فی الاصول حتٰی اثبت الاصول کلها۔[3]

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنا فقہی مذہب شورائی قرار دیا ہے اس میں دوسروں کو نظر انداز کر کے اپنی بات بزور لازم نہیں کی۔ دین میں اجتہاد کرتے ہوئے اور اللہ اس کے رسول برحق اور مومنین سے خیر خواہی کرتے ہوئے۔ آپ ایک ایک مسئلہ سامنے لاتے اور ان کے دلائل سنتے اور اپنی بات بھی کہتے کبھی بحث مہینے بلکہ اس سے بھی زیادہ چلی جاتی۔ یہاں تک کہ ایک فیصلے پر بات ٹھہر

---

[1] سیرۃ النعمان ص۱۹۵ [2] فقہ اہل العراق و حدیثہم ص۵۶ [3] مناقب موفق جلد ۲ ص۱۳۳

جاتی. پھر امام ابو یوسفؒ اسے اصول میں لکھتے۔ یہاں تک کہ سب اصول فقہ طے ہو گئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ میں وقت کے جلیل القدر حضرات موجود تھے جن میں مفسرین بھی تھے اور محدثین بھی فقیہ بھی تھے اور ادب و عربیت کے ماہرین بھی۔۔۔ قیاس و اجتہاد کے بادشاہ بھی اور زہد و تقوے کے امام بھی۔۔۔ امام وکیع بن الجراحؒ کتنی اچھی بات فرما گئے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی ہے جبکہ آپ کے ساتھ اپنے وقت کے عظیم المرتبت لوگ تھے جو غلطی کی صورت میں صحیح بات کی طرف آپ کو واپس کرنے والے تھے۔

الغرض امام ابو حنیفہؒ کی اس تدوین سے جو فقہی ذخیرہ تیار ہوا وہ ایک بہت بڑا ذخیرہ علم تھا اور اس میں مجتہد درجے کے علماء کبار کی بیس سالہ محنت یکجا جمع تھی۔۔۔۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں :-

قضی به الخلفاء والائمة والحکام واستقر علیه الامر[۱]

ترجمہ: خلفاء، ائمہ اور حکام سب اس مدون فقہ کے مطابق فیصلے دیتے تھے اور اس پہ کام جم گیا۔

پھر اس علمی ذخیرے کی خداداد قبولیت ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

واهل الروم وما وراء النهر والهند حنفیون۔[۲]

ترجمہ: اور اہل روم اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے لوگ سب حنفی تھے۔

نواب صدیق حسن مسالک الممالک کے حوالہ سے الواثق باللہ (۲۲۸ھ) کے عہد کی بات کہتے ہیں:-

محافظان سد سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی مے گفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔[۳]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) بھی لکھتے ہیں :-

در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہاں حنفی اند و قضاۃ اکثر و مدرساں و اکثر عوام حنفی۔

---

[۱] موفق جلد ۲ ص۱۳ [۲] تحصیل التعرف فی الفقہ والتصرف ص [۳] ریاض المرتاض ص

ترجمہ۔ تمام علاقوں اور ملکوں میں سربراہانِ حکومت حنفی ہیں۔ قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر عوام اسی مذہب پر ہیں۔[1]

یہ مجموعہ فقہ کتاب وسنّت اور تجربہ وبصیرت اور انسانی ضرورت سے اس قدر ہم آہنگ تھا کہ معاصر محدثین وفقہاء میں سے کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ صرف امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے اس مجموعہ کے کتاب السیر کا رد لکھا، لیکن اسی وقت قاضی ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) نے اس کا پورا پورا جواب دے دیا تھا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے امام شافعیؒ کے مناقب میں جو رسالہ لکھا ہے۔ اس میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ان اصحاب الرای اظہروا مسائلھم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار فلم یقدر احد منھم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای۔[2]

ترجمہ۔ مسائل میں رائے قائم کرنے کے اہل حضرات نے کتاب وسنّت میں چھپے مسائل ظاہر کر دیئے۔ اس وقت دنیا محدثین اور رواۃِ حدیث سے بھری ہوئی تھی۔ مگر ان میں سے کسی کو ان اصحاب الرای کے فیصلوں پر طعن کی ہمت نہ تھی۔

اس میں شک نہیں کہ حکومت حضرت امام صاحبؒ کے خلاف تھی اور وہ نہ چاہتی تھی کہ حضرت امام صاحبؒ کی اس عظیم کام پر زیادہ شہرت ہو۔ تاہم آپ کا یہ فقہی مجموعہ مختلف فقہی ابواب کے طور پر علمی حلقوں میں خاصا معروف تھا۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں :۔

تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) نے بڑے لطائف الحیل سے اس کے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر

---

[1] کلمات طیّبات حضرت شاہ صاحب مکتوب ۱۱ طبع مراد آباد ۱۳۰۸ھ [2] مناقب الشافعی صـ للرازی

رکھتے تھے۔ یحییٰ بن زائدہؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیانؒ کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ ان سے اجازت مانگ کر میں نے اس کو دیکھا تو ابو حنیفہؒ کی کتاب الرہن نکلی میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہؒ کی کتابیں دیکھتے ہیں۔ بولے کاش! ان کی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔[۱]

رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس طرح کے بہت سے حوالے ملتے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ کے عہد میں جو مجموعہ فقہ تیار ہوا اس کے اجزاء متفرق طور پر کہاں کہاں پائے گئے لیکن یہ مجموعہ اس کے کچھ عرصہ بعد بالکل ناپید ہو گیا۔ اب امام صاحبؒ کا وہ ذخیرہ آپ کے شاگردان رشید ہی تھے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ افتاد صرف اس مجموعہ فقہ پر ہی نہیں آئی امام اوزاعیؒ (د ۱۵۷ھ) ابن جریج (۱۵۰ھ) سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) اور معمر بن راشدؒ (۱۵۳ھ) کی تالیفات بھی تو اس پہلے دور کی ہی ہیں۔ ان کے نام رجال و تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ لیکن آج کسی قدیم سے قدیم کتب خانے میں بھی ان کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔

ہمارے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت امام چونکہ سیاسی طور پر عباسی حکومت کے حق میں نہ تھے۔ اس لیے حکومت نہ چاہتی تھی کہ یہ علمی ذخیرہ حضرت امامؒ کے نام سے چلے۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) نے عباسی خلیفہ کی چیف جسٹس کی پیش کش قبول کر لی تھی۔ اس لیے سرکاری حلقے اس میں کوئی بوجھ محسوس نہ کرتے تھے کہ فقہ اسلامی امام ابو یوسفؒ اور ان کے شاگرد امام محمد بن حسنؒ کی تالیفات سے آگے بڑھے۔

علامہ شبلیؒ نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے۔

امام صاحبؒ کا مجموعی فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن

---

[۱] عقود الجمان باب ۱۰ سیرت النعمان صفحہ ۱۶۶

قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے انہی مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا اور
ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیے اضافہ کیے کہ انہی کو رواج
عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پرواہ ہوتے گئے۔ ٹھیک اسی طرح
جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فراء، کسائی، خلیل، اخفش
اور ابو عبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے
بانی اور مدون اول تھے۔[1]

حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) حضرت امام صاحب کے ساتھ بہت کم رہے اور وہ بھی اپنی علمی زندگی کے اوائل میں۔ اتنے مختصر عرصہ میں آپ فقہ کی ان اتھاہ گہرائیوں میں جو آپ کی کتابوں میں ملتی ہیں جا پہنچے ہوں، تجربات کی دنیا اسے تسلیم نہیں کرتی۔ لازماً آپ کے پاس حضرت امام کا وہ مجموعہ فقہ تھا جسے آپ اپنے اور اپنے دوسرے اُستاد امام ابو یوسفؒ کے علوم و افکار اور احادیث و آثار کی روشنی میں اور نکھارتے گئے اور فقہ اسلامی اس شان سے مرتب کی کہ کسی دوسرے متوازی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی —— یہ تدوین فقہ کی دوسری منزل تھی۔

حق بحقدار رسید

حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اپنی اس تدوین میں نوے فیصد مسائل حضرت امام صاحبؒ سے لیے ہیں اور دس فیصد مسائل میں حضرت امام کے استنباط سے اختلاف کیا اور جو اختلاف کیا اس کی بھی ایک سند ان کے پاس حضرت امام سے موجود ہوتی تھی —— ہاں جو مسائل ان کے پاس حضرت امام سے نہ پہنچے۔ ان میں یہ حضرات اور امام زفرؒ خود بھی مجتہد تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی اس تدوین میں مجتہد مطلق کی حیثیت سے کام نہیں کیا۔

---

[1] سیرت النعمان صـ۱۴۷

مجتہد فی المذہب کے طور پر اجتہاد کرتے رہے۔ اصول اجتہاد میں انہوں نے حضرت امام کے اصولوں کی پیروی کی ہے اور احادیث و آثار سے استنباط و استخراج میں یہ اپنے فیصلے بھی دیتے رہے ہیں اور کہیں کہیں حضرت امامؒ سے اختلاف بھی کرتے رہے ہیں۔ تاہم حضرت امامؒ سے ان کا اصول کا کوئی اختلاف نہ تھا ـــــ اور ان کی محنتوں اور تصنیفات اور تدقیقات سے جو فقہ چلی اس نے فقہ حنفی کا ہی نام پایا اور ان مردانِ باوفا نے اپنے استاد کو ہی آگے رکھا۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔ حق بحقدار رسید۔

اس فقہ کے پیرو اب تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھے جاتے ہیں اور انہی کے نام سے یہ فقہی مسلک قائم ہے۔ عباسیوں کی ایک نہ چلی اور یہ فقہ، فقہ حنفی ہی رہی۔

تدوین فقہ کی تیسری فقہ

فقہ حنفی کی تدوین کی پہلی منزل وہ تھی جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مذکورہ مجموعہ فقہ مرتب کرایا تھا۔ اس میں حضرت امام سب حاضر ارکانِ شوریٰ سے کوئی ایک مسئلہ اور اس کے دلائل سنتے اور سب کو سننے کے بعد اس مسئلے پر ایک جامع تقریر فرماتے اور فیصلہ لکھوا دیتے جسے امام یحییٰؒ لکھتے تھے سلسلہ تدوین اس طرح مسئلہ بہ مسئلہ آگے بڑھتا رہا ـــــ تدوین فقہ کی دوسری منزل میں امام ابویوسفؒ۔ امام زفر اور امام محمد بن حسنؒ نے مجتہد فی المذہب کے طور پر فقہ میں کام کیا جس میں اصول میں سب حضرات حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ رہے اور استنباط و استخراج میں برابر کے مجتہد کے طور پر انہوں نے کام کیا۔ تدوینِ فقہ کی تیسری منزل میں مجتہد فی المسائل آگے آئے جیسے امام طحاویؒ اور سرخسیؒ وغیرہما۔ یہ مجتہدین اپنے ائمہ کے اصول و فروع دونوں میں پابند رہے ـــــ ائمہ کے اختلاف کی صورت میں یہ کسی قول پر فتوے دے سکتے ہیں اور جن مسائل میں انہیں اپنے ائمہ سے استنباط و استخراج نہ ملے یہ حضرات ان میں اپنے اصولوں کی روشنی میں اس ضرورت کے موقع پر خود اجتہاد بھی

کرتے تھے۔

تدوین فقہ کی اگلی منزلیں

۱۔مجتہدین فی الشرع۔ ۲۔مجتہدین فی المذہب اور ۳۔مجتہدین فی المسائل کے بعد ۴۔ اصحاب التخریج۔ ۵۔ اصحاب الترجیح اور ۶۔ اصحاب التمییز کا درجہ ہے۔

پہلے مجتہدین نے اپنے اصول کی روشنی میں جو مسائل غیر منصوصہ طے کیے ان پر آگے جو مسائل مرتب ہوئے ان میں پہلے اجتہاد کی روح کارفرما تھی۔ اس لیے وہ مسائل پہلے مجتہدین کے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اس استنباط کا نام تخریج ہے۔ اصحاب التخریج نے ہزارہا جزئیات کی تخریج کی ہے۔ امام کرخیؒ (۳۴۰ھ) وغیرہ اصحاب تخریج میں سے ہیں۔

تخریج میں اختلاف پیدا ہو تو آگے اصحاب ترجیح کھڑے ہیں۔ علامہ قدوریؒ (۴۲۸ھ) قاضی خانؒ (۵۹۲ھ) اور صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) اصحاب الترجیح میں سے ہیں — ان کے بعد اصحاب التمییز ہیں جو درست اور نادرست میں فیصلہ دینے کے مجاز ہیں۔ یہ حضرات مختلف اقوال میں قوی وضعیف کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور کسی ایک بات کو مفتیٰ بہ ٹھہراتے ہیں۔ علامہ نسفیؒ صاحب کنز (۷۰۰ھ) اور علامہ علاؤالدینؒ صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ) اصحاب تمییز میں سے ہیں۔

تدوین فقہ میں احتیاط

تدوینِ فقہ کے اس پس منظر پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ حضرات مسائل غیر منصوصہ کی دریافت اور مسائل منصوصہ متعارضہ کے حل میں کس احتیاط سے چلے ہیں۔ ان سب طبقات میں یہ بات مسلمات میں سے رہی ہے کہ اصل ماخذِ شریعت کتاب و سنت ہی ہیں اور اسلام میں فقہ کی راہیں کتاب و سنت کا ہی ایک پھیلاؤ ہیں اور دین جس طرح روایت سے آگے چلتا ہے اجتہاد سے بھی آگے بڑھتا ہے۔

پھر اصولِ فقہ پر بھی کتابیں مرتب ہوئیں۔ ان میں درسی کتابیں بھی ہیں۔ مدارس میں یہ سب کتابیں اصولِ فقہ کی ہوں یا فقہ کی، کتاب و سنّت کے خادم علوم کی حیثیت میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ انہیں پڑھے اور سمجھے بغیر غوامض سنّت پر اطلاع پانا بہت مشکل ہے۔

تدوین فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر

فقہ حنفی کی تدوین کے یہ مختلف مراحل آپ کے سامنے ہیں۔ یہ سب ائمہ کرام امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) کے اصولوں پر چلے ہیں۔ امام صاحبؒ کے متوازی جو حضرات مجتہد فی الشرع مانے گئے وہ امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۹ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) ہیں اور ان کی فقہ بھی اپنے حلقوں میں باقاعدہ مرتب ہوئی۔ اور امت میں اُن کے بھی کثیر تعداد مقلدین پائے گئے۔ پھر ان میں صرف چار مذاہب باقی رہ گئے۔ ان چاروں فقہوں میں جوہری فرق یہ ہے کہ فقہ حنفی ایک شورائی فقہ[1] ہے اور دوسری تین فقہیں ان ائمہ کی شخصی فقہ ہیں۔

امام مالکؒ کی فقہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے قریب ہے۔ دونوں کے اصول ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ دونوں اتصالِ سند پر زور نہیں دیتے۔ مرسل روایات کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ امام مالکؒ حدیث کے بجائے سنّت کے تمسک کے قائل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ صحابہؓ کی بات کو حجت مانتے ہیں اور یہ عملاً حدیث کے بجائے اسلام کی سنّتِ قائمہ سے تمسک ہے۔ ہاں اختلافِ اصول کے طور پر امام شافعیؒ زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

مصر کے نامور عالم شیخ محمد خضری بیگ لکھتے ہیں:۔

احکام کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ مدون فرمائے ہیں۔ یہ وہ قواعد ہیں جن پر ہر مجتہد احکام کے استنباط میں ان کا اتباع کرتا

---

[1] علامہ موفق مکیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مذہب شورائی مسلک ہے۔ (مقدمہ مسند ذیلعی از علامہ کوثریؒ)

ہے اور حضرات ابو یوسف اور محمد بن حسن رحمہما اللہ کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ان اصول کے بارے میں کوئی کتاب لکھی تھی۔ لیکن افسوس کہ ان کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم کو دستیاب نہ ہو سکی۔ لیکن جو کچھ ہم تک پہنچا اور جو اس علم کی صحیح بنیاد اور اس میں نظر کرنے والوں کے لیے دولتِ عظمیٰ ہے تو وہ رسالہ ہے جس کو محمد بن ادریس الشافعی مکی مصری رح نے لکھوایا ہے۔[1]

اس میں ان دس امور سے بحث کی گئی ہے :-

1. قرآن اور اس کے بیان میں۔
2. حدیث کے بارے میں اور اس کی جو نسبت قرآن سے ہے
3. ناسخ و منسوخ کا بیان وہ قرآن سے متعلق ہو یا احادیث سے۔
4. احادیث کی علتوں کا بیان
5. خبر واحد کی حجیت اور اس کے احکام
6. اسلام میں اجماع کا درجہ
7. قیاس کی حجت اور اس کا مقام
8. اجتہاد اور اس کی اصولی حیثیت
9. استحسان
10. اختلاف

شیخ محمد خضری رح قیاس کے بارے میں امام شافعی رح کا نقطۂ نظر ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:-

انہوں نے قیاس کی حجت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ وہ امور دین میں سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہو اس میں وسعت ہے ۔۔۔۔

---

[1] تاریخ فقہ اسلامی مترجم ص ۱۹۰ طبع کراچی

پھر استحسان سے بحث کی ہے اور اس کے قائلین کی تردید کی ہے اور استحسان وہ ہے کہ حدیث و قیاس کے بغیر ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس کو قیاس کا حق ہے اور فرمایا کہ قیاس کی کئی وجوہ ہیں جس میں قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تھوڑا سا حرام بتلائیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قلیل حرام ہوگا تو اس کا کثیر بھی حرام ہوگا کہ قلت پر کثرت کی زیادتی سے وہ زیادہ حرام ہوگا۔[1]

چوتھے امام حضرت احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد رشید اور حضرت امام بخاریؒ کے اُستاد ہیں۔ آپ زیادہ مسائل میں امام شافعیؒ کے ہم خیال ہیں اور انہی کے اصولوں کے قریب ہیں۔ لیکن آپ میں وہ شدت نہیں جو ہم حضرت امام شافعیؒ کے مذکورہ بالا رسالہ میں محسوس کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ امام منفرد اور مقتدی تینوں کے لیے سورت فاتحہ پڑھنا فرض بتلاتے ہیں۔ لیکن امام احمدؒ حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کو صرف امام اور منفرد کے لیے لازم کرتے ہیں مقتدی کے لیے نہیں ـــ امام شافعیؒ قول صحابہؓ کو حجت نہیں مانتے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور اقوال صحابہؓ کو حجت اور سند سمجھتے ہیں۔

اصول کے اس اختلاف کے باعث حضرت امام احمدؒ امام شافعیؒ کے جانشین نہ ہوئے اور آپ کی مسند شیخ یوسف بن یحییٰ البواطیؒ (۲۳۱ھ) اور اشہب بن قاسم نے سنبھالی۔

تدوین فقہ میں اصولوں کا زیادہ اختلاف امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ میں پایا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے حضرت امام کا دور نہیں پایا۔ ۱۵۰ھ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا سال وفات اور حضرت امام شافعیؒ کا سال پیدائش ہے۔ امام شافعیؒ حضرت امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور ان کے واسطہ سے وہ فقہ حنفی سے آشنا ہوئے۔ تاہم ان کے اصول اپنے تھے جن کی اساس پر امت

---

[1] ایضاً ص ۲۹۵

میں وہ مجتہد مطلق کے طور پر معروف ہوئے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے روایت حدیث خوب کی۔ مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے زیادہ وقت فقہ اور استنباط واستخراج پر لگایا ہے۔ حدیث روایت کرنے میں کم مشتغل رہے۔ تدوین فقہ کو زیادہ اہمیت دی۔ جو حدیثیں ثقہ راویوں میں عام روایت ہورہی تھیں اور ان کے کئی کئی طرق اہل علم میں شائع اور معروف تھے آپ ان پر وقت لگانے کے بجائے تدوینِ فقہ کے کام کو زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ جو لوگ حدیث روایت کرنے میں زیادہ لگے ہیں انہیں حدیث پر غور و فکر کرنے اور حدیث میں تفقہ پیدا کرنے کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے اور روایت حدیث کی کثرت سے ان کی سوچ کی لطافت اور تفقہ کی دقت کمزور پڑجاتی ہے۔

حضرت امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۷ھ) فرماتے ہیں:۔

لم یعط احد بعد النبوة افضل من العلم والفقه فی الدین۔[1]

امام ابن وہب اور امام شافعی دونوں آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کے بارے میں انکی رائے ملاحظہ ہو۔

قال ابن وهب مارایت احداً اعلم بکتاب الله من ابن عیینة وقال الشافعی مارایت احداً من الناس فیه جزالة العلم مافی ابن عیینة۔[2]

آپ کو یہ جامعیت اس لیے ملی کہ آپ کو علم حدیث پر حضرت امام ابوحنیفہ نے لگایا تھا۔[3]

آپ نے عدالتوں میں بھی دیکھا ہوگا کہ اونچے درجے کے جج سوچ بچار، فکر و غور، قانون اور قانون کے تقاضوں کے ادراک میں زیادہ وقت لگاتے ہیں اور حوالوں کا کام اور انکی نشاندہی وکلاء کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات موضوع کے مطابق حوالے جمع کرتے ہیں اور جج صاحبان ان کی روح پر نظر کرتے ہیں کہ وہ کہاں تک مقدمہ زیر بحث سے تعلق رکھتی ہے۔ اہلِ روایت اور اہل الرائے میں یہ امتیاز عام رہا ہے۔ آج بھی جو لوگ حوالوں اور جمع روایات میں زیادہ لگے رہتے ہیں وہ بات سمجھنے میں زیادہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور ایک فقیہ شیطان کو ہزار عابدوں سے بھی بُرا لگتا ہے۔

---

[1] شرح کتاب النیل و شفاء العلیل جلد ۱ صفحہ ۱ [2] تہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۲۰ [3] الجواہر المضیئہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

عوام اہل حدیث میں باریک بینی دقت نظری کیوں کم ہوتی ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ حدیثوں کے اردو ترجمے اُٹھائے پھرتے ہیں اور اسی کو دین سمجھتے ہیں ان کے علم کا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کا ترجمہ تک نہیں جانتے ۔۔۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد اسحٰق بھٹی علوم اہلحدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ہر جماعت کا ایک مزاج ہوتا ہے جماعت اہلحدیث کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے نزدیک عام وعظوں کی باتیں زیادہ مرغوب ہیں علمی اور گہری باتیں ان کے لیے بسا اوقات پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک شاید الدین یسر کا مطلب یہ ہے کہ ایسی آسان بات کی جائے کہ ذہن و فکر کو سوچنے کی تکلیف نہ برداشت کرنی پڑے ۔[1]

اس سے امام احمدؒ کے اس ارشاد کی تائید ہوتی ہے کہ روایت میں زیادہ مشغول رہنے والوں میں فقہ کی استعداد کم رہ جاتی ہے ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کی اس عظیم مہم کی خاطر حدیث کم روایت کی۔ لیکن جہاں تک ان کے اپنے علم حدیث کا تعلق ہے ان کی تم کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر تھی۔ آپ نے اپنے بیٹے کے نام جو الوصیۃ لکھی اس کے آخری حصے میں اس کی شہادت موجود ہے۔ آپ ثقات کے سوا کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے۔ البتہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔

مشکوٰۃ حدیث کی کتاب ہے جو ایک شافعی المذہب محدث خطیب تبریزیؒ (۷۴۳ھ) کی جمع کردہ ہے۔ خطیب نے الاکمال کے نام سے اس کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے ۔ باوجودیکہ مشکوٰۃ میں ایک روایت بھی امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے نہیں دی۔ لیکن خطیبؒ علم حدیث میں حضرت امام کی عبقریت ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

---

[1] ص۲۱ سبحانی اکیڈمی اردو بازار طبع دوم ۱۹۹۲ء

انه كان عالمًا عاملًا ورعًا زاهدًا عابدًا امامًا فی علوم الشريعة و الغرض بايراد ذكره فی هٰذا الكتاب وان لم نروعنه حديثًا فی المشكوٰة للتبرك به ولعلو مرتبتة ووفور علمه[1]

ترجمہ۔ آپ بڑے عالم تھے صاحب عمل تھے پرہیزگار تھے دُنیا سے بے رغبت اور عبادت گزار تھے۔ تمام علوم شریعت میں آپ امام تھے یہاں آپ کے ذکر کرنے سے اگرچہ ہم نے مشکوٰۃ میں ان سے کوئی روایت نہیں لی ان سے برکت حاصل کرنا ہے یہ آپ کے علو مرتبت اور راونچے علم کے باعث ہے۔

آپ علوم شریعت کے امام تھے۔ کیا حدیث علم شریعت میں نہیں؟ — اگر ہے تو کیا آپ حدیث کے امام نہ ہوئے — یہ آپ کے وفور علم کی ایک شافعی محدث کی شہادت ہے۔

ہم یہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت پر بحث نہیں کر رہے۔ صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ نے اگر اپنے آپ کو حدیث روایت کرنے میں زیادہ مشغول نہیں کیا۔ اور نہ حدیث پر کوئی بڑی کتاب لکھی تو اس کی وجہ تدوین فقہ کی یہ مہم تھی جس میں آپ کے سامنے وقت کے بڑے بڑے محدثین اور فقہاء نے زانوئے تلمذ طے کیا۔ وہ روایات پر روایات پیش کرتے تھے اور ایک ایک مسئلہ کے علمی اور عملی پہلوؤں پر بحث کرتے۔ مسئلہ بہ مسئلہ آگے بڑھ رہے تھے۔ شمس الائمہ کردریؒ کا بیان ہے کہ حضرت امامؒ نے چھ لاکھ کے قریب مسئلے اس مجلس میں بیس سال میں طے کیے۔

حضرت الامامؒ نے تدوین فقہ پر جو محنت کی اس میں خود حضرت امام شافعیؒ کو بھی کہنا پڑا:۔

الناس كلهم عيال ابی حنيفة فی الفقه۔

ترجمہ۔ لوگ سب کے سب دین سمجھنے میں ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

---

[1] الاکمال صفحہ ۶۲۴

علامہ موفق رح کہتے ہیں:۔

وابو حنیفۃ رحمہ اللہ اوّل من دوّن علم ھٰذہ الشریعۃ لم یسبقہ احد من قبلہ[1]

علامہ سیوطی رح کہتے ہیں:۔

انہ اوّل من دون علم الشریعۃ ورتبھا ابوابا ثم تبعہ مالک بن انس ولم یسبق ابا حنیفہ احد[2]

علامہ ابن حجر مکی رح کہتے ہیں:۔

انہ اول من دوّن علم الفقہ ورتبہ ابواباً وکتب علی نحو ما ھو علیہ الیوم[3]

فقہ کس طرح مدون ہوئی اس کی اصولی تاریخ آپ کے سامنے آچکی. تدوین کے اگلے مراحل آپ کو کتب فقہ کے تحت ملیں گے. یہاں ہم اب اس پر بحث کرتے ہیں کہ حنفی فقہ عالمی سطح پر کس طرح پہنچی.

---

[1] مناقب موفق جلد ۲ ص ۱۳۶ [2] تبییض الصحیفہ ص ۳۶ [3] الخیرات الحسان ص ۲۵

حنفی مذہب کا شیوع عام

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عراق میں نیا شہر کوفہ بسایا تو وہاں مدینہ منورہ کی ایک علمی شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو لا آباد کیا، تاکہ آپ یہاں ایک بڑا علمی مرکز قائم کریں یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی مسند تھی جس پر حضرت امام ابوحنیفہؒ بیٹھے۔ یہ یہاں فقہ حنفی کی ابتداء تھی یہیں سے حنفی مذہب پھر ساری دنیا میں پھیلا

امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد علماء نے بغداد میں اس کی خوب تدریس کی، پھر اس کی عام اشاعت ہوئی اور یہ اکثر اسلامی ممالک میں پھیل گیا، مصر و شام بلاد روم و عراق اور ماوراء النہر تک اس کے حلقے پھیل گئے۔ شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:-

> پھر عربی ممالک کی حدود سے نکل کر سرزمین ہند و چین میں پہنچ گیا جہاں کوئی مذہب اس کا مزاحم نہ ہو سکا اور ان ممالک کے دور افتادہ گوشوں میں یہ اب بھی ایک منفرد مذہب کی حیثیت سے زندہ ہے۔ ہند و چین کے مسلمان اب تک عبادات اور اپنی خانگی زندگی سے متعلقہ معاملات میں حنفی مذہب کے راجح اصولوں پر عمل کرتے ہیں[1]

حنفی مذہب کی اشاعت عام

جب امام ابوحنیفہؒ کے اولین شاگرد امام ابویوسفؒ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں منصب قضا پر فائز ہوئے تو حنفی مذہب نے سرکاری حیثیت حاصل کر لی جس سے اس کی نشر و اشاعت

---

[1] امام ابوحنیفہ ص

میں بڑی ترقی ہوئی۔ ۱۷۰ھ کے بعد جب امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ بنائے گئے تو خلافت عباسیہ کے تمام قاضی آپ کے تابع فرمان ہوتے۔ سب قاضی آپ کے حکم سے تعینات کیے جاتے۔ اقصائے مشرق سے لے کر شمالی افریقہ تک تمام بلادِ اسلامیہ میں جو قاضی مقرر کیے جاتے وہ سب آپ کے انتخاب کردہ ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ انہی لوگوں کو قاضی بنانا پسند کرتے جو طریق اجتہاد و فتوے میں ان کے ہمنوا ہوتے اور ان کا طریقِ استنباط وہی تھا جو امام ابو حنیفہؒ کا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہائے عراق کے افکار و آراء تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیل گئے۔ البتہ اندلس میں مالکی مذہب حکومت کے زیرِ سایہ پھلا پھولا۔ جیسے عراق میں حنفی مذہب نے اشاعت عام پائی تھی۔ امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں :-

مذهبان انتشرا فی بدء امرهما بالریاسة الحنفی بالمشرق والمالکی بالاندلس[1]

ترجمہ۔ دو مذہب اپنے ابتدائی دور حکومت کے سایہ میں پلے بڑھے۔ مشرق میں حنفی مذہب اور اندلس میں مالکی طریق عمل۔

جہاں جہاں عباسی خلافت کا اثر غالب رہا وہاں حنفی فقہ کو بھی فروغ حاصل ہوا اور جہاں جہاں عباسی اثر و نفوذ میں کمی آتی گئی حنفی فقہ کی اشاعت بھی کمزور رہی۔ عراق کے گرد و نواح میں عباسی تسلط بڑے زوروں پر تھا۔ مشرقی ممالک میں بھی عباسیوں کو خاصا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ جب ان کے سیاسی اثر و نفوذ میں کمی واقع ہوئی تو اس کی جگہ دینی عزو وقار نے لے لی۔ ان دونوں قسم کے حالات میں عباسیوں کا اتنا رعب و ادب ضرور تھا جس سے حنفی مذہب مستفید ہوتا رہا۔ عباسی خلفاء اس کی پشت پناہی کرتے تھے اور اہلِ بغداد کا طبعی میلان ویسے بھی حنفی فقہ کی جانب تھا اور اس کی تائید و نصرت میں وہ بھی خلفاء کے دستِ راست بنے ہوئے تھے۔ جب شافعی مذہب بغداد میں پھیلنے لگا تو حنفی مذہب پر غالب نہ آسکا۔ بلکہ حنفی فقہ ہی

[1] وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۲۱۶

غالب رہی. ایک مرتبہ خلیفہ قادر باللہ عباسی (۴۲۲ھ) نے ابوحامد اسفرائنی (۴۰۶ھ) کے مشورہ سے علامہ بازری شافعی کو قاضی بنا دیا. سارا بغداد بھڑک اٹھا. اہلیانِ بغداد دو گروہوں میں بٹ گئے اور ان میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا. کافی عرصہ تک یہ فتنہ فرو نہ ہوا. خلیفہ نے مجبوراً ارکان سلطنت کو جمع کیا اور انہیں یہ خط سنایا:-

اسفرائنی نے خلیفہ کو اپنی امانت و شفقت کا یقین دلا کر خاصا مقام حاصل کر لیا تھا. یہ اندازِ فکر خیانت اور فریب کاری پر مبنی تھا. خلیفہ کو جب اس کے خبث اور شر انگیزی کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ یہ شخص خلیفہ کو حمایتِ احناف اور ان کو مناصب جلیلہ تفویض کرنے کے قدیم طریقہ سے ہٹانا چاہتا ہے. حالانکہ خلیفہ کے آباؤ اجداد حنفیہ کے بڑے مؤید گزرے ہیں تو اس نے البازری کو اس منصب سے الگ کر دیا اور پھر پرانے طریقہ کے مطابق احناف ہی کو لطف و عنایت، آزادی اور اکرام و اعزاز کی نگاہ سے دیکھنے لگا.

عباسی خلافت کے زمانہ میں مشرق میں جو آزاد اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں وہ بھی حنفی مذہب کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتی تھیں مثلاً سلاجقہ اور آلِ بویہ. کیونکہ ان سلطنتوں میں رائج اسلامی تہذیب حنفی فقہ کی اساس پر قائم تھی.

شیخ ابوزہرہ یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ ابتداء میں مذہب حنفی کے اثر و نفوذ کا سبب حنفی قاضیوں کا تقرر تھا. اور اس کی ابتداء امام ابویوسف کے قاضی القضاۃ ہونے سے ہوئی تھی.

افسوس ہے کہ ہم یہاں شیخ ابوزہرہ کی تائید نہیں کر سکتے. حنفی فقہ کا شروع خلفائے بنی عباس کا رہینِ احسان نہیں. یہ ایک الٰہی قبولیت ہے جو حنفی فقہ کے شیوع عام کا سبب بنی. جناب نواب صدیق حسن خاں مسالک الممالک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عباسی خلیفہ الواثق باللہ (۲۴۸ھ) نے کچھ لوگوں کو سدِ سکندری کا حال معلوم کرنے کے لیے چین کی آخری سرحد پر بھیجا. وہاں کی جو

لہ

رپورٹ انہوں نے آکر دی اس میں یہ بات خاص تھی کہ وہ لوگ سلطنت عباسی سے بالکل بے خبر تھے۔ نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں:۔

محافظانِ سد سکندری کہ درآنجا بودند ہمہ دینِ اسلام داشتند و مذہب حنفی وزبانِ عربی وفارسی مے گفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند[1]

ترجمہ محافظان سد سکندری جو اس وقت تھے سب دین اسلام پر تھے اور حنفی مذہب کے پیرو تھے۔ عربی اور فارسی زبانیں بولتے تھے۔ لیکن انہیں سلطنتِ عباسی کی کوئی خبر نہ تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے کوئی شاگرد یہاں ان کی زندگی میں ہی درس و تدریس کے لیے پہنچ چکے تھے اور عباسی انقلاب سے پہلے یہاں مسلمان امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو اپنا چکے تھے سوائے الٰہی قبولیت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

امام ابویوسفؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت بہت اونچی تھی۔ اگر وہاں حنفی فقہ کا فروغ امام ابویوسفؒ کی وجہ سے ہوا ہوتا تو لوگ ان کے پیرو ہوتے آخر وہ بھی تو امام مجتہد تھے۔ لیکن عراق میں علمی طور پر ہر طرف امام ابوحنیفہؒ کے علم کے ہی نغمے گونجتے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ) عراق کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

جس قدر یہ زمین سنگلاخ تھی اسی قدر وہاں اعتقادی اور عملی اصلاح کے لیے ایک آہنی مرد کی ضرورت تھی۔ جس کے علم وعقل کی پہنائیاں اس سرزمین کے مفاسد کو سمیٹ لیں میری ناقص رائے میں یہ آہنی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے جن کی فقہی موشگافیوں نے اعتزال و تجہم کے ساتھ رفض و تشیع کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا[2]

بتلایئے یہ کس شخصیت کا اثر و نفوذ ہے جس نے عراق کی سنگلاخ زمین میں یہ علمی اور فکری

[1] ریاض المرتاض صہ [2] فتاویٰ سلفیہ ص۱۴۱

محنت کی امام صاحب کی فقہ کی اشاعت یہ اسی فقہ کا ایک فطری پیرایہ تھا جس نے ان لوگوں کو بھی اپنے دامن میں گھیر لیا تھا جو سلطنت عباسی سے بے خبر تھے۔ سو حنفی مذہب کا یہ اثر و شیوع محض سلطنت عباسی کے باعث نہ تھا۔

یہ صرف عصرِ اوّل کی بات نہیں کہ ہم سلطنتِ عباسی کو حنفی فقہ کے شیوع عام کا سبب سمجھیں عصر متاخر میں بھی فقہ حنفی اسی جمال و جلال سے جمیع اقالیم اسلامی میں پھیل رہی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ علم فقہ را بر دست وے شائع ساخت و جمعی از اہل اسلام را باں فقہ مہذب گردانیدہ خصوصًا در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مہذب است وبس در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہ حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرساں و اکثر عوام حنفی۔ [1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے علمِ فقہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاتھ سے شائع کرایا ہے اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس فقہ سے ثقافت میں ڈھلی۔ خاص طور پر اس عہدِ متاخر میں کہ جہاں دیکھو سرکاری مذہب یہی ہے۔ تمام اسلامی ممالک کے بادشاہ حنفی المذہب ہیں اور اکثر جج صاحبان اور پروفیسر صاحبان فقہ حنفی پر ہیں۔ اور اکثر عوام بھی اس فقہ کے گرویدہ ہیں۔

مسلمانوں کی عالمی سیاسی قوت خلافتِ عثمانیہ تک رہی۔ سلاطین عثمانی کا سرکاری قانون فقہ حنفی تھا۔ ہندوستان میں اورنگ زیب کے ہاں بھی نظامِ اسلام وہی سمجھا جاتا تھا جو فتاویٰ عالمگیری میں ہے اور وہ فقہ حنفی ہے۔ مصر میں علمی طنطنہ کس فقہ کا تھا اس کے لیے سلطنتِ عثمانیہ کے احکام المواریث کی ایک سُرخی ملاحظہ ہو:۔

فی اوائل حکم المغفور لہ محمد علی پاشا والی مصر صدر لہ من الدولۃ

---

[1] کلمات طیبات ص۱۶۸ طبع دہلی

العثمانیہ فرمان شاهانی تضمن تخصیص القضاء والافتاء بمذهب ابی حنیفۃ[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دولتِ عثمانیہ کے سقوط تک امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہی پورے قلمرو اسلامی میں موسوعہ فقہ اسلامی رہا ہے اور اس طویل دور میں فقہ حنفی نے ہی معاشرے کی نئی نئی ضرورتوں اور وقت کے جدید تقاضوں میں اسلامی راہنمائی کی ہے۔

تاریخ کے اس طویل دور کے بعد اب سلطنت سعودی ہے جس نے فقہ حنبلی کی اساس پر اپنے ملک میں شریعتِ اسلامی کا نفاذ کیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنے اس نئے تجربہ میں کامیاب ہیں۔

شیخ ابوزہرہ فقہ حنفی کی تاریخی قبولیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لیکن ان سیاسی اثرات کے علاوہ کچھ دیگر اسباب بھی حنفی مذہب کی ہر دلعزیزی کا باعث بنے جیسے عام لوگوں کا حنفی مذہب سے مانوس ہوجانا اور علماء حنفیہ کی وہ مساعی جمیلہ جو انہوں نے اس مذہب کو مقبول عام بنانے میں سرانجام دیں۔

وہ مناظرات اور مباحثے جو حنفی فقہاء اور دیگر مذاہب کے علماء و فقہاء کے مابین ہوتے رہے۔ انہوں نے بھی اس مذہب کو مقبول عام کیا۔ جب عباسی سیاسی قوت کمزور پڑ گئی تو وہ علماء ہی کی جدوجہد تھی جس نے مختلف بلاد و امصار میں حنفی مذہب کو زندہ رکھا۔ اس ضمن میں علماء کی کوشش ایک نہج پر قائم نہیں رہی بلکہ رفتار زمانہ کے پیش نظر اس میں کبھی قوت رونما ہوئی اور کبھی کمزوری واقع ہوئی جن بلاد و امصار میں علماء اثر و رسوخ کے حامل تھے وہاں یہ مذہب پھلا پھولا اور برگ و بار لایا۔ لیکن جہاں علماء کمزور تھے وہاں یہ مذہب بھی کمزور پڑ گیا۔ اب ہم ان بلاد کا ذکر کرتے ہیں جہاں یہ مذہب زندہ رہا۔ ہم پہلے بلادِ مغرب اور پھر مشرقی شہروں کا ذکر کریں گے۔

---

[1] احکام المواریث الاسلامیہ ص۲۱

مغربی ممالک میں حنفی مذہب کی اشاعت

براعظم افریقہ میں طرابلس، تیونس اور الجزائر کے ملکوں میں حنفی مذہب پہلے غالب نہ تھا اسد بن فرات یہاں کا قاضی مقرر ہوا۔ اسد بن فرات امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک کے تلامذہ سے استفادہ کر چکا تھا۔ مگر اس کا میلانِ خاطر اہل عراق کی طرف تھا۔ اس نے حنفی مذہب پھیلانے کا یہاں کام کیا جس سے حنفیت کو اچھا خاصا فروغ حاصل ہوا۔ ابن فرحون لکھتے ہیں:۔

سنہ ۴۰۰ھ تک حنفی مذہب افریقہ میں جاری رہا پھر کمزور پڑ گیا۔ افریقہ کے مغرب کی جانب اندلس میں بھی قدیم زمانہ میں قدرے اس کی اشاعت ہوئی۔

مقدسی احسن التقاسیم میں لکھتے ہیں:۔

جزیرہ سسلی کے رہنے والے حنفی مذہب تھے۔

مقدسی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ انہوں نے بعض اہل مغرب سے پوچھا:۔

حنفی مذہب تمہاری طرف کیوں کر پہنچا؟ تمہیں تو کبھی عراق جانے کا اتفاق نہیں ہوا؟ انہوں نے بتایا جب وہب بن وہب، امام مالک سے علوم دینیہ حاصل کر کے آئے تو اسد بن عبداللہ نے اپنے مرتبہ اور وقار کی بنا پر ان سے اخذ علم کرنے میں عار سمجھی اور امام مالکؒ سے تحصیل علم کے لیے مدینہ گئے امام مالکؒ ان دنوں بیمار تھے۔ جب کافی مدت مدینہ میں اقامت گزیں رہے تو امام مالکؒ نے فرمایا: ابن وہب کے پاس جائیے میں نے اپنا علم اس کے سپرد کر دیا ہے تمہیں زحمت سفر گوارا نہ کرنی پڑے۔ اسد پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ لوگوں سے پوچھا کہ دینی علم میں کسی اور کو بھی یہ مقام حاصل ہے؟ لوگوں نے بتایا: کوفہ میں امام ابو حنیفہؒ کا نوجوان شاگرد ہے جس کو محمد بن حسن کہتے ہیں

ان کے پاس جائیے۔ اسد امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام محمدؒ نے بڑی توجہ و رغبت سے پڑھانا شروع کیا اور ان میں ذہانت و فطانت اور شوق علم کے آثار ملاحظہ کیے۔ جب وہ کافی پڑھ چکا اور من مانی مراد پالی تو امام محمدؒ نے انہیں واپس مغرب بھیج دیا۔

جب اسد بن فرات مغرب پہنچے تو نوجوان آپ کے یہاں آنے جانے لگے۔ اسد سے فقہی فروعات سُن کر وہ محوِ حیرت ہو گئے اور ان سے ایسے ایسے علمی نکات اور مسائل سُننے میں آئے جن سے ابن وہب بالکل آگاہ نہ تھے لاتعداد لوگوں نے ان سے اکتساب علم و ادب کیا اور اس طرح فقہ حنفی نے مغرب میں فروغ پایا۔

پھر میں نے پوچھا کہ اندلس میں حنفی مذہب کیوں کر اشاعت پذیر نہ ہو سکا جبکہ وہاں نشر و اشاعت کے وسائل کچھ کم نہ تھے؟

جواب میں کہا گیا کہ ایک مرتبہ دو فریق سلطان کے سامنے جھگڑنے لگے سلطان نے پوچھا "ابو حنیفہ کہاں کے رہنے والے تھے؟" لوگوں نے کہا۔ کوفہ کے۔ سلطان نے پوچھا "امام مالکؒ کہاں اقامت گزیں تھے؟ جواب دیا گیا۔ "مدینہ میں" سلطان نے کہا "عالم دار الہجرت ہمارے لیے کافی ہیں دوسرے

۱؎ الدیباج جلد ۱ صفحہ ۱۲ ۲؎ علامہ محقق احمد تیمور پاشا مرحوم، مقدسی کی اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کسی نے امام مالکؒ کے تلامذہ میں وہب بن وہب کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ عبداللہ بن وہب کا ذکر کیا ہے مگر وہ مغرب کی طرف نہیں گئے بلکہ مصر کے رہنے والے تھے اور وہیں وفات پائی۔ اسد بن عبداللہ کی جگہ ابو عبداللہ صحیح ہے۔ اس سے مراد اسد بن فرات ابو عبداللہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن وہب سے مراد عبداللہ ہے۔ ابن فرات کی ملاقات ان سے مصر میں ہوئی ہوگی نہ کہ مغرب میں۔

(ابوزہرہ)

کسی کی حاجت نہیں. چنانچہ سلطان نے تمام حنفی علماء کو اپنی سلطنت کی حدود سے نکال دیا اور کہنے لگا "میں اپنی سلطنت میں دو مذہب پسند نہیں کرتا. (یعنی ہم سب یہاں مالکی فقہ پر رہیں گے).

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد بن فرات نے مغرب میں حنفی فقہ کو شائع کیا. یہ مسلک اندلس میں بھی رائج ہوا مگر دیر پا ثابت نہ ہو سکا. ۴۰۰ھ کے بعد حنفی مذہب مغربی ممالک میں کمزور پڑ گیا.

مصر میں حنفی فقہ کی اشاعت

مصر خلیفہ مہدی کے عہدِ خلافت میں حنفی فقہ سے روشناس ہوا. خلیفہ کے حکم سے اسماعیل بن الیسع کوفی، مصر کے قاضی مقرر ہوئے. یہ امام ابو حنیفہؒ کی طرح اوقاف کو باطل قرار دیتے تھے. فقہاء مصر اس کے خلاف تھے. لیث بن سعد ایک مرتبہ ان کے پاس آئے اور کہا، "میں آپ سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں." اسماعیل بولے "کس مسئلہ میں؟" لیث کہنے لگے: "اوقاف کو باطل قرار دینے میں. حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اربعہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہؓ سب وقف کو جائز قرار دیتے ہیں." لیث بن سعد نے خلیفہ مہدی کے نام ایک خط میں تحریر کیا:

"آپ نے ہم پر ایک ایسے شخص کو والی بنا کر بھیجا ہے جو روپے پیسے کے بارے میں قابلِ اعتماد ہے مگر سنتِ رسول سے مخلص نہیں."

یہ خط پڑھ کر خلیفہ نے اسماعیل کو قضا کے عہدہ سے معزول کر دیا.[1]

جب تک عباسی خلفاء مصر پر قابض رہے وہاں حنفی فقہ غالب رہی. مگر کسی حال میں مصریوں میں حنفی فقہ کو وہ قبولِ عام حاصل نہ ہوا جو مشرقی ممالک میں تھا. اہلِ مصر زیادہ تر شافعی مذہب سے وابستہ رہے. کیونکہ امام شافعیؒ مصر میں عرصہ دراز تک اقامت گزیں رہے تھے سو مصری لوگ

---

[1] الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ مندرجہ در مجموعۃ الرسائل المنیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۴

شافعی مذہب سے بہت متاثر تھے یا مالکی فقہ کے گرویدہ تھے۔ امام مالک کے بہت سے تلامذہ مثلاً ابن وہب اور ابن الحکم وغیرہ مصر میں سکونت پذیر تھے۔

مصر میں عہدۂ قضا کی وسعت

مصر میں حنفی قاضیوں کے علاوہ مالکی اور شافعی مسلک کے فقہا بھی منصب قضا پر فائز ہوا کرتے تھے۔ گویا مصر میں قضا کا عہدہ تینوں فقہی مکاتب فکر یعنی مالکی، شافعی اور حنفی علماء کے مابین مشترک تھا۔ کبھی ایک فرقہ کے قاضی مقرر ہوتا اور کبھی دوسرے کا۔ یکے بعد دیگرے یہ فقہاء منصب قضا پر فائز ہوتے رہے۔ جب فاطمی خلفاء مصر کے تخت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے شیعہ کے اسماعیلیہ مذہب کو سرکاری حیثیت دے دی۔ پھر شیعہ میں سے بھی قاضی مقرر کیے جانے لگے۔ تاہم دوسرے فقہی مذاہب کو انہوں نے ختم نہیں کیا۔ بلکہ وہ بھی موجود رہے اور مصر میں لوگ اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادات بجالاتے رہے۔ ارکان سلطنت عموماً اختلافی مسائل میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تمام مساجد میں، جامع ہوں یا غیر جامع باجماعت نماز تراویح کی اجازت دیتے تھے۔ کسی فرقہ کو بغض و عداوت کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔

شیعہ کی حنفی فقہ سے منافرت

رواداری کے ان جذبات کے باوجود فاطمی علماء حنفی مذہب کو پنپنے کا موقع نہ دیتے تھے کسی دوسری فقہ کے خلاف فقہ کے خلاف انہوں نے یہ رویہ اختیار نہ کیا۔ بلکہ بعض دفعہ انہوں نے مالکی اور شافعی قاضی از خود مقرر کیے۔ مصر میں عموماً چار قاضی ہوا کرتے تھے دو شیعہ میں سے اور دو سُنیوں میں سے۔ ایک شیعہ قاضی اسماعیلیہ میں سے ہوتا اور دوسرا امامیہ میں سے۔ سنی قاضیوں میں سے ایک شافعی ہوتا اور دوسرا مالکی۔

فاطمی خلفاء اس لیے حنفی فقہ کے دشمن تھے اور مذاہب اربعہ میں سے خاص طور پر اس کے

کے خلاف نبرد آزما رہتے تھے کہ عباسی خلفاء کا سرکاری مذہب حنفی تھا مصر میں حنفی مذہب کا فروغ زیادہ تر عباسی اثر و رسوخ کا مرہون منت رہا ہے۔ فاطمی یہ کسی طرح گوارا نہ کر سکتے تھے کہ مصر میں عباسی پروپیگنڈہ رائج ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی مذہب سے ان کو ایک طرح کی چڑ تھی۔ وہ اس قدر و قیمت گھٹانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔

مصر میں فاطمی سلطنت کا خاتمہ

جب مصر میں ایوبی سلطنت قائم ہوئی تو سلاطین نے شافعی اور مالکی فقہ کو از سر نو فروغ دیا مالکی اور شافعی فقہ پڑھانے کے لیے مدارس قائم کیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی مسلک سے وابستہ تھا مصریوں میں مالکی فقہ کا رواج تھا۔ جب شام میں نور الدین شہید برسر اقتدار آئے اور وہ حنفی تھے تو انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے مناقب پر ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ اس نے شام میں حنفی مذہب کو بہت فروغ دیا۔ پھر شام سے یہ مذہب مصر پہنچا۔ اس مرتبہ یہ مذہب صرف عوام میں پھیلا۔ اسے سرکاری حیثیت حاصل نہ ہوئی۔ قبل ازیں عباسی دور میں حنفی فقہ سرکاری مذہب کی حیثیت رکھتی تھی۔

جب مصر میں حنفی فقہ مقبول عام ہوئی اور سلطان صلاح الدین کو عباسی خلافت سے روابط استوار کرنے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے قاہرہ میں احناف کے لیے مدرسہ سیوفیہ قائم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حنفی مذہب عام طور سے مصریوں میں پھیلنے لگا۔

ائمہ اربعہؒ کی فقہ کے مدارس

جب نجم الدین ایوب نے مدرسہ صالحیہ قائم کیا تو اس میں ائمہ اربعہ کی فقہ پڑھانے کا انتظام کیا گیا۔ پھر مملوک سلاطین کے زمانہ میں ایسے مدارس بڑی کثرت سے تعمیر کیے جانے لگے۔ دونوں مملوک سلطنتوں کے زمانہ میں چار قاضی ہوا کرتے تھے جن میں ایک حنفی ہوتا تھا۔

جب عثمانی ترک مصر پر قابض ہوئے تو سب قاضی احناف میں سے تعینات کیے جانے لگے۔ کثیر التعداد طلبہ حنفی فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فقہ حنفی نے اس سے بڑا فروغ پایا اور ابتدائی دور کی طرح حنفی مذہب کو پھر سرکاری سرپرستی نصیب ہوئی اور احکام و فتاوی اسی فقہ کی روشنی میں صادر کیے جانے لگے۔

حنفی فقہ اور بلادِ شام

اب ہم ملکِ شام اور اس کے قرب و جوار کا رُخ کرتے ہیں۔ وہاں حنفی مذہب پہلے جگہ بنا چکا تھا اور جو سلاطین کہ مصر و شام کے حاکم تھے وہ جس طرح مصر میں حنفی مذہب سے سرد مہری برت رہے تھے شام میں بھی انہوں نے ایسا کرنا چاہا۔ مگر مصر کے برعکس شام میں ان کی روش اس لیے کچھ زیادہ نہ چلی کہ حنفی مذہب اہالیانِ شام میں پہلے سے اشاعت پذیر ہو چکا تھا۔ اور یہ اب حکومت کی پشت پناہی اور سرپرستی کا محتاج نہ رہا تھا۔

مشرقی ممالک میں حنفی فقہ کو عُروج

جہاں تک بلادِ مشرق، عراق، خراسان، سیستان اور ماوراء النہر کا تعلق ہے۔ احناف کی ان میں بڑی کثرت تھی۔ ان ممالک میں صرف شوافع ہی ان کے حریفِ مقابل تھے اور کبھی کبھی ان میں رسہ کشی بھی ہو جاتی تھی۔

مسجدوں، امراء کی مجلسوں اور عوام کی محفلوں میں حنفیوں اور شافعیوں کے مابین مجالس مناظرہ منعقد ہوتیں۔ ان مجادلات کی بناء پر علمِ فقہ اور فنِ بحث و مناظرہ کو بڑا فائدہ پہنچا مگر بحث و جدل سے تعصب کی راہ جاگ اُٹھی۔ ایک دوسرے کے خلاف لعن طعن کا بازار گرم ہوا اور آگے چل کر یہ مذہبی تعصب، فقہی تعطل و جمود کا باعث بنا۔ اور اس میں وہ پہلی سی وسعت نہ رہی۔

روسی ترکستان اور فارس

آرمینیہ. آذر بائیجان. تبریز. رے اور اہواز کے رہنے والوں میں حنفی مذہب کا بڑا غلبہ رہا. ملک فارس میں پہلے احناف کی بڑی کثرت تھی پھر اثنا عشری شیعہ کو وہاں غلبہ ہوا.

ہم ابوزہرہ کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایران میں پہلے فقہ حنفی کا فروغ رہا اور پھر وہاں اثنا عشری غالب ہوئے.

ایران کے پروفیسر سعید نفیسی ایک بحث میں لکھتے ہیں:-

پادشاہان صفوی کہ توجہ وعنایتی خاص بانتشار دین شیعہ داشتہ اند نظر باینکہ اکثریت مردم ایران پیش ازاں حنفی بودہ اند...... [۱]

ایران کی تین چوتھائی آبادی حنفی المذہب تھی. شاہ اسماعیل صفوی نے برسر اقتدار آتے ہی شیعہ مذہب کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا.

انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے:-

احسن التواریخ میں لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت کے تمام خطیبوں کو حکم دے دیا تھا کہ خالص شیعہ کلمہ اشہد ان علیاً ولی اللہ کو اقرار باللسان اور حی علیٰ خیر العمل کو تکبیر کا جزو بنایا جائے. [۲]

ایران کے برعکس ترکی. ہندوستان اور افغانستان میں عام مسلم آبادی فقہ حنفی پر ہی کاربند رہی. ہندوستان میں انگریزوں کی آمد پر گو ترکِ تقلید کے بھی کچھ جھگڑے چلے لیکن یہ ممالک اس اختلاف سے متأثر نہ ہو سکے. شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:-

ہندوستان میں بھی تقریباً حنفی مذہب ہی کا سکہ جاری ہے. شافعی مذہب

---

[۱] مقدمہ نثر فارسی معاصر ص۱۲ [۲] تاریخ ادبیاتِ ایران براؤن جلد ۴ ص۸۷

دوسرے درجہ پر ہے۔ شوافع کی تعداد ہندوستان میں ایک ملین کے قریب قریب ہے۔ باقی سب احناف ہیں۔ چین میں چالیس ملین سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ ان میں سے اکثر حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔[1]

ہندوستان میں شافعی حضرات ان کو کہا گیا ہے جو رکوع میں جاتے وقت رفعیدین کرتے اور امام کے پیچھے آمین بلند آواز سے کہتے ہیں۔ حقیقتِ حال یوں نہیں۔ وہ شافعی المذہب نہیں غیر مقلدین ہیں جنہیں کثرتِ مشابہت سے شافعی سمجھ لیا گیا ہے۔

حنفی اصول فقہ کی آفاقی قبولیت

شیخ ابوزہرہ اس پر بحث کرتے ہوئے کہ کس طرح یہ مذہب مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔ لکھتے ہیں :-

> علیٰ ہذا القیاس یہ مذہب مشرق و مغرب تک پھیل گیا۔ اس کے متبعین کی بڑی کثرت پائی جاتی ہے۔ اگر حنفی فقہ میں تخریج کا دروازہ کھول دیا جائے تو اب بھی علماء اس کے قواعد سے ایسے احکام استنباط کر سکتے ہیں جو اس کائناتِ ارضی پر بسنے والے تمام بنی نوعِ آدم کے لیے یکساں طور پر سازگار رہوں۔[2]

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس بحث کو علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی (۷۷۰ھ) کے اس بیان پر ختم کریں جو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے علم پر اعتراض کرنے والے جاہلوں کے جواب میں دیا تھا۔ آپ لکھتے ہیں :-

> لو کان الامام ابوحنیفۃ جاھلاً ومن حلیہ العلم عاطلاً ما طابقت جبال العلم من الحنفیۃ علی الاشتغال بمذھبہ کالقاضی ابو یوسف ومحمد بن الحسن الشیبانی والطحاوی والکرخی وامثالھم

---

[1] حیاتِ ابی حنیفہ لابی زہرہ

اضعافهم فعلماء الطائفة الحنفية فی الهند والشام ومصر والیمن و

الجزیرة والحرمین والعراقین منذ مائة وخمسین من الهجرة الیٰ

هٰذا التاریخ یزید علی ست مائة سنة هم الوف لا ینحصرون و

عوالم لا یحصون من اهل العلم والفتویٰ والورع والتقویٰ [1]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہؒ اگر کتاب وسنت سے جاہل ہوتے اور زیور علم سے خالی ہوتے

تو احناف کے علم کے پہاڑ جیسے ابو یوسفؒ۔ امام محمدؒ۔ امام طحاویؒ۔ امام کرخیؒ اور ان

جیسے ان سے کئی گنا اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ہرگز چمٹے نہ رہتے۔ علماء حنفیہ

ہندوستان۔ شام۔ مصر۔ یمن۔ جزیرہ۔ مکہ ومدینہ اور دونوں عراق ان سب علاقوں

میں ۱۵۰ھ سے (جو امام ابوحنیفہؒ کا سال وفات ہے) اب تک جو چھ سو سال

کا عرصہ گزرتا ہے پائے جاتے ہیں یہ لاکھوں ہیں جو محدود نہیں اور ملکوں کے

ملک ہیں جو گنے نہیں جا سکتے اور یہ اہل علم وفتوے اور پرہیزگار اور صاحب

تقوے ہیں۔

فقہ حنفی کی آفاقی قبولیت کی اس سے بڑی شہادت کیا ہوگی جو اس وزیر الیمانی نے دی

ہے اور اسی پر ہم اپنے اس موضوع کو کہ دنیا میں فقہ حنفی کا شیوع کیسے ہوا؟ یہاں ختم کرتے ہیں

وهو یهدی السبیل ویروی الغلیل وما یجحد بآیاته الباهرات الا العلیل۔

---

[1] الروض الباسم صـ

تقلید کی حقیقت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:۔

دنیا کے ہر دائرہ زندگی میں لوگ اس کے ماہرین فن پر اعتماد کرتے ہیں. مقدمات میں وکیلوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے. قانون کا مطالعہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں. علاج میں ڈاکٹروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے اس لائن کا علم بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں. اسی طرح دین کا جزئی جزئی کا علم بھی صرف ماہرین فن کے پاس ہوتا ہے. ہر عامی و جاہل کی اس تک رسائی نہیں. مگر دین چونکہ سب لوگوں کے لیے ہے اور سب اس کے مکلف ٹھہرے تو اس میں صحیح راہ عمل یہ ہے کہ جو لوگ اس فن کے جاننے والے نہیں اور وہ دین کو اس کے ماخذوں سے نہیں سمجھتے وہ اس کے جاننے والے ماہرین کے پیچھے چلیں اور ان کے فتووں پر اس اعتماد سے عمل کریں کہ یہ کتاب و سنت کے مطابق ہوں گے اور خود اُن سے دلائل کی بحث میں نہ اُلجھیں. کیونکہ یہ فن کو جاننے والے نہیں ہیں اور اگر یہ اس فن میں دخل دیں گے تو پھر ان جاہلوں سے بڑے بڑے عجائب صادر ہوں گے اور دُنیا الامان والحفیظ پکارے گی.

فان المرء اذا اتیٰ علیٰ غیر فنہ اتیٰ بالعجائب

قومیں اسی وقت تک قومیں بنی رہتی ہیں جب ان میں کچھ اخلاقی ضابطوں کی پابندی ہو. کچھ بڑے ہوں جو ذمہ داریاں سنبھالیں اور کچھ چھوٹے ہوں جو ان کے پیچھے چلیں. مادر پدر آزاد لوگ، ایک بھیڑ تو ہو سکتے ہیں ایک قوم نہیں ہو سکتے ؎

راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است

معنی تقلید ضبط ملت است

تقلید ہر فن کے اہل کمال کی پیروی کا نام ہے. سارے صحابہؓ فقیہ اور عالم نہ تھے. وہ ان کے پیچھے چلے جو ان میں فقہاء اور علماء تھے. تابعین سارے ائمہ فن نہ تھے. وہ ان کے پیچھے چلے جو اُن میں ائمہ فن تھے اور دین کا سلسلہ ہمیشہ اجتہاد اور تقلید میں دائر رہا. تقلید نہ کبھی ناجائز سمجھی گئی نہ اسے کبھی ملت سے خروج گردانا گیا. نہ کبھی ایسے ہوا کہ سب لوگ مجتہد بن گئے ہوں.

صحابہؓ اور تابعینؒ میں تقلید سالہا سال غیر معین طور پر چلتی رہی اور عوام دلیل کی بحث میں پڑے بغیر اکابر ائمہ فن پر اعتماد کرتے رہے اور ان کی پیروی میں چلتے رہے. یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں اس نے کچھ مستقل مکاتب فکر کی صورت اختیار کر لی اور ان ادوار میں کسی عالم دین نے عامی کے لیے مجتہد کی پیروی کو گناہ نہیں سمجھا.

تقلید کی تعریف

لفظ تقلید آزاد روی کے مقابلہ میں ہے. قرآن و حدیث میں تفسیر اور تشریح میں بہت مختلف باتیں کہی جاسکتی ہیں. اس پر ہر شخص کو آزاد چھوڑا جائے تو ملت اسلامی کبھی ایک قوم کے درجہ میں نہ آسکے گی. صحابہؓ اور تابعینؒ میں فروعی مسائل میں بڑے بڑے اختلافات ہوئے. مگر چونکہ ان میں خیر غالب تھی وہ امت کے لیے فتنہ نہ بن سکے. آئندہ لوگوں کو اس آزاد روی سے بچانا تھا اور اس کی تعلیم خود صحابہؓ دے چکے تھے.

حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو باوجودیکہ وہ مجتہد کے درجہ میں تھے ان پر سیرت شیخینؓ کی پیروی لازم کی گئی. حضرت معاویہؓ باوجودیکہ نہایت بلند پایہ فقیہ تھے. انہیں خلیفہ بناتے ہوئے حضرت امام حسنؓ نے سیرت خلفائے صالحین کا پابند کیا. تابعینؒ میں فقہاء تابعینؒ کی اتباع جاری رہی اور اسی اتباع نے آگے چل کر تقلید کا نام پایا. حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں.[1]

---

[1] سبیل الرشاد صہ۲۷

تقلید کے علمبردار کون ہیں؟ مقلد یا غیر مقلد؟ — ظاہر ہے کہ مقلد ہی تقلید کے داعی اور علمبردار ہیں. سو تقلید سے جو وہ مراد لیتے ہیں اس کا اعتبار نہ ہوگا نہ کہ غیر مقلدوں کی تشریح کا — یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تقلید تو مقلدین کریں اور تقلید کا معنی غیر مقلدین طے کریں۔ صاحب البیت ادری بما فیہ کے ضابطہ اخلاق سے یہ کیسا مذاق ہے۔

مقلدین تو اس کا معنی اتباع کا کرتے ہیں اور وہی مراد ہونا چاہیئے لیکن غیر مقلدین اس کا معنی پٹکا ڈالنا کرتے ہیں۔ پٹکا ڈالنا کیا ہے کسی کی ماتحتی کا اقرار — اور ظاہر ہے یہ کوئی بُری بات نہیں۔ مگر غیر مقلدین اس لفظ کو بُرے سے بُرے پیرائے میں لاکر اپنے دل کا غصہ نکالتے ہیں، کہتے ہیں پٹہ کتے کے گلے میں ہوتا ہے. وہ نہیں سوچتے کہ پٹے والا کتا کن سے جدا اور ممتاز سمجھا جاتا ہے؟ بے پٹہ کتوں سے — وہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس مثال سے وہ اپنے آپ کو کس صف میں لا رہے ہیں۔ المعترض کی لاعلمی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی.

یاد رہے جب کارپوریشن والے یا دیہات سُدھارنے والے کتوں کو مارتے ہیں تو پٹے والے کتے کو زہر نہیں ڈالا جاتا، نہ اسے گولی ماری جاتی ہے. اس پٹے نے ان کو وہ وقایہ (بچاؤ) مہیا کیا کہ اب ان کے لیے یہ پٹہ شرح وقایہ ہو گیا ہے. بے پٹے کے کتے کتوں میں بدترین سمجھے جاتے ہیں اور آزاد رو لوگ ضابطوں کے پابند لوگوں کے مقابل آوارہ لوگ کہلاتے ہیں.

تقلید کا لفظ اتّباع کے معنی میں

تقلید کا لفظ ایسا نہیں کہ اس کے سامنے آتے ہی کسی کو اس کی وحشت محسوس ہونے لگے. ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ علمی حلقوں میں یہ لفظ کب سے اور کن معنوں میں استعمال ہوتا چلا آیا ہے. اور کون کون سے جبالِ علم اسے ان معنوں میں استعمال کرتے آئے ہیں.

حضرت امام شافعیؒ (۱۵۰ھ) میں پیدا ہوئے. آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اُستاد عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) کی کئی مسائل میں پیروی کی تو اسے لفظ تقلید سے تعبیر کیا ہے ۔

قال الشافعی فی مواضع من الحج قلتہ تقلیدًا لعطاءؓ۔[1]

ترجمہ۔ امام شافعیؒ نے حج کے کئی مباحث میں کہا ہے کہ میں نے ایسا امام عطاءؒ کی تقلید میں کہا ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا۔ قلتہ تقلیدًا لعمرؓ۔ میں نے ایسا حضرت عمرؓ کی تقلید میں کہا ہے۔

ایک موقعہ پر فرمایا۔ قلتہ تقلیدًا لعثمانؓ۔ میں نے یہ حضرت عثمانؓ کی تقلید میں کہا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر فرمایا۔ وانما قلت بقول زیدؓ۔[1] میں نے یہ فتوے حضرت زید بن ثابتؓ کے قول پر دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہائے صحابہؓ اس دور میں امام سمجھے جاتے تھے اور تابعین اور تبع تابعین میں ان کی تقلید جاری تھی۔ خود امام ابوحنیفہؒ کو دیکھئے۔ پانی اور کنویں کے مسائل میں آپ نے اکابر تابعین کے فیصلوں پر فتوے دیئے۔ امام مالکؒ بھی عملِ اہل مدینہ کی پیروی کرتے تھے اور روایت ان کے ہاں دوسرے درجہ میں سمجھی جاتی تھی۔

وھذا ابوحنیفۃ قال فی مسائل الاٰبار لیس معہ الا تقلید من تقدمہ من التابعین وھذا مالک لا یخرج من عمل اھل المدینۃ۔[2]

ترجمہ۔ یہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ آپ نے کنوؤں کے مسائل میں فرمایا کہ آپ کے پاس پہلے اکابر کی تقلید کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور یہ امام مالک ہیں جو عملِ اہل مدینہ سے باہر نہیں جاتے۔

ائمہ بھی پہلوں کی تقلید سے آگے چلے ہیں

امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد صرف کتاب وسنت سے آگے نہیں چلے نئے حوادث میں جب انہیں کتاب وسنت سے کوئی صریح بات نہ ملتی یہ اپنے سے پہلے کے مجتہدین کی تقلید کرتے۔ امام بخاری کو لیجئے جب انہیں کسی مسئلہ پر حدیث نہ ملے وہ کس طرح امام حسن بصری اور

---

[1] اضواء البیان جلد ۷ صفحہ ۵۰۴ [2] ایضاً

ابراہیم نخعی کے اقوال پر آجاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

> امام ابوحنیفہ اپنے دادا استاد ابراہیم نخعی کے مسلک پر ان کے اقوال پر تخریجات کرتے ہیں جن کو آپ کے شاگردوں میں سے سب سے پہلے امام ابو یوسف اور پھر امام محمد نے اپنی تصنیفات میں جمع کیا۔[1]

اس میں اس سوال کا جواب آگیا کہ حضرت امام نے اپنی مشہور رائی فقہ پر خود کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام محمد کی ظاہر الروایۃ کتابیں حضرت امام کی فقہ پر مشتمل ہیں. گو کتاب وسنت کی روشنی میں آپ اور امام ابو یوسف نے کئی مسائل میں حضرت امام سے اختلاف کیا ہے امام بخاری بھی ہر بات میں حدیث سے نہیں چلتے۔ اجتہادی مسائل میں کبار تابعین کے اقوال اختیار کرتے ہیں. اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں آپ بھی تقلید کے قائل تھے. مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

> امام بخاری اپنی صحیح میں قال الحسن (البصری) سے بھری پڑی ہے۔ اسی طرح وہ قال ابراھیم وقال نخعی سے بھری پڑی ہے کسی کو ان کی بزرگی سے انکار نہیں صحیح بخاری اور فتح الباری کو مطالعہ میں رکھنے والے علماء اس بات کو خوب پہچانتے ہیں. اگر کسی ناقص العلم اور متعصب کو ان کی بزرگی میں کلام ہو تو وہ اپنے دل کا علاج کرائے۔[2]

یہ پہلے فقہاء کی پیروی ان کے فتووں میں ان کی تقلید ہی تو ہے. تقلید صحابہ کرام کے فتووں پر اعتماد کرنے سے شروع ہوئی. اور لوگ بلا طلب دلیل ان کے فتووں کو بڑے اعتماد سے قبول کرتے آئے۔ امام ابو محمد بن الحسن بن علی بن خلف البر بہاری (۳۲۹ھ) [3] کے تحت لکھتے ہیں:۔

> اعلم ان الدین انما ھو التقلید والتقلید لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[4]

---

[1] تاریخ اہل حدیث ص۴۷ [2] ایضاً حاشیہ ص۴۸ [3] کتاب شرح السنۃ ص۲۲

ترجمہ. جان لو دین تقلید کا ہی نام ہے اور تقلید اصحاب رسول کی پیروی سے ہی

چلی ہے۔

پھر آگے جاکر نمبر ۱۲ کے تحت لکھتے ہیں:-

فاللہ اللہ فی نفسک وعلیک بالآثار واصحاب الاثر والتقلید فان الدین

انما ھو التقلید یعنی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین ومن قبلنا لم یدعونا فی لبس فقلدھم واسترح ولا

تجاوز الاثر واھل الاثر وقف عند متشابہ القرآن والحدیث۔[1]

ترجمہ. ہر وقت اپنے جی میں خدا کو یاد رکھو اور علم آثار اور محدثین اور تقلید کو

لازم پکڑو (جو علم والے ہیں وہ حدیث کو اور جو علم والے نہیں وہ تقلید کو لازم

پکڑیں) دین ہے ہی تقلید کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم اجمعین کی اور جو لوگ ہم سے پہلے ہوئے انہوں نے ہمیں کسی التباس

میں نہیں رکھا. سو ان پہلوں کی تقلید کرو اور آرام سے رہو اور حدیث اور

حدیث جاننے والوں سے تجاوز نہ کرنا اور قرآن وحدیث میں جہاں متشابہات

کی بات چلے وہاں سکوت اختیار کرنا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں اس لفظ (تقلید) میں کوئی وحشت کا پہلو نہ تھا

اور تقلید اس معنی کے اعتبار سے عہد صحابہ میں موجود تھی۔

وھذا النوع من التقلید کان شائعاً فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا

خلاف فیہ۔[2]

ترجمہ. اور اس طرح کی تقلید تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی شائع تھی

اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

---

[1] کتاب شرح السنۃ ص۵۲ [2] اضواء البیان جلد ۷ ص۴۸۷

ولم تختلف العلماء ان العامة علیها تقلید علمائها وانهم المرادون بقول اللہ عزوجل فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون[1]

ترجمہ۔ اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوام پر علماء کی تقلید لازم ہے اور اس آیت میں (فاسئلوا اهل الذکر) یہی اہل علم مراد ہیں۔

کیا اس دور میں تقلید صرف عام لوگوں کے لیے تھی؟

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) جلیل القدر تابعی حضرت مسروق (۶۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

کان ستة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتون الناس. ۱. ابن مسعودؓ ۲. وعمر بن الخطاب ۳. وعلی ۴. وزید بن ثابت. ۵. وابی بن کعب ۶. وابو موسی الاشعری[2]

ظاہر ہے کہ یہ سب چھ حضرات اونچے درجے کے اہل علم تھے اور ان میں وہ بھی ہیں جو حضور کے زمانے میں بھی فتوے دینے کے مجاز تھے۔ پھر بھی ان میں اپنے اکابر کا بڑا احترام تھا اور ان میں سے تین دوسرے تین کے قول پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے۔

وکان ثلثة منهم یدعون قولهم بقول ثلثة. کان عبد اللہ یدع قوله لقول عمرؓ وکان ابو موسیٰ یدع قوله لقول علیؓ وکذا زیدؓ یدع قوله لقول ابی ابن کعبؓ..... وقال جندب ماکنت ادع قول ابن مسعودؓ لقول احد من الناس[3]

ترجمہ۔ اور ان میں سے تین اپنا قول دوسرے تین بزرگوں کا فیصلہ آنے پر چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کا قول ملنے پر اپنی بات چھوڑ دیتے تھے اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ حضرت علیؓ کا قول ملنے پر اپنی بات چھوڑ دیتے

[1] اضواء البیان جلد ۷ صد ۴۹۵ [2] ایضاً صد ۵۰۱ [3] ایضاً

اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے قول پر اپنی بات چھوڑ دیتے۔
جندبؓ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول کسی کی بات ملنے پر نہیں چھوڑتا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید صرف عامة الناس کے لیے نہیں عالم بھی اپنی بات کو چھوڑ کر اعلم کی بات پر آ سکتا ہے۔

دوسری صدی کے جلیل القدر مجتہد امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحسن یجوز للعالم تقلید من هو اعلم منه ولا یجوز تقلید من هو مثله۔[1]

ترجمہ۔ امام محمد کہتے ہیں کہ عالم کے لیے جائز ہے کہ وہ بات چھوڑ دے اور کسی اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کرے اپنے برابر کے عالم کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے

امام ابو محمد الحسن بن علی بن خلف البربہاری (۳۲۹ھ) کی کتاب شرح السنة جامعہ ام القریٰ کے استاد محمد بن سعید بن سالم القحطانی کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے مصنف نے اس میں تیسری صدی تک کا علمی ذخیرہ سامنے لاکر رکھ دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جمیع ما وصفت لك فی هذا الکتاب فهو عن الله تعالٰی...... عن القرآن الثالث۔[2]

ترجمہ۔ جو کچھ میں نے تمہارے لیے اس کتاب میں رکھ دیا ہے واللہ تعالیٰ کی مشیت سے تیسری صدی تک کا حال ہے۔

علامہ شنقیطی (۱۳۹۳ھ) کی عبارات ہم نے صرف تائیداً نقل کی ہیں۔ آپ کے ہاں تقلید اتباع کا ہی نام ہے اور اس لفظ میں کسی قسم کی کوئی وحشت نہیں پائی جاتی۔ آپ سے پورے دین کا لائحہ عمل ان الفاظ میں سنیئے:۔

وقد امر الله تعالٰی بطاعته وطاعة رسوله واولی الامر وهم العلماء

---

[1] اضواء البیان ص۴۸۶ [2] ایضاً ص۲۶

اوالعلماء والامراء وطاعتهم تقليدهم فيما يفتون به.[1]

ترجمہ: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اولی الامر کون ہیں: ۱. علماء یا ۲. علماء اور امراء دونوں، اور ان کی بات ماننا ان کی ان کے فتووں میں تقلید کرنا ہے۔

[1] اضواء البیان ص۱۰۱

حضرت مولانا ابراہیم میر لکھتے ہیں :۔

صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی گمراہی بداعتقادی اتباع ہوی و بدمذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمۃ کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہؓ اور تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔[1]

ائمہ اربعہ (چاروں امام) پہلی اڑھائی صدیوں کے اندر اندر کے بزرگ ہیں۔ امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) امام ابویوسف (۱۸۲ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) امام محمد (۱۸۹ھ) اور امام شافعی (۲۰۴ھ) دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ اور امام احمد (۲۴۱ھ) تیسری صدی کے نصف اول کے ——— اور ائمہ صحاح امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) امام ترمذی (۲۷۹ھ) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) امام دارمی (۲۵۵ھ) امام ابن ماجہ (۲۷۳ھ) امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی تیسری صدی ہجری کے اندر اندر کے بزرگ ہیں۔ ان تین صدیوں میں علم و عمل کی یہی راہ رہی کہ اہل علم فتوے دیتے تھے۔ اور دوسرے لوگ ان کے علم و تقوے پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے فتووں کو بلا طلب دلیل قبول کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تقلید اعلم بھی ہوتی تھی۔ یہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کا اشتغال بالعلم عام تھا اس زمانہ میں ایسے علماء بھی تھے جو خود بھی ایک رائے رکھتے تھے اور اپنے زیادہ مسائل میں کسی ایک امام کے ساتھ چلتے۔ ان کا اس سے اختلاف تلفیق کے طور پر نہیں تحقیق کے طور پر ہوتا تھا۔ تاہم پہلے مذاہب تابعین کے نام سے بنے۔ پھر منقح اور مبوب ہو کر ائمہ اربعہ سے ان کا فروغ ہوا ——— ہاں دور پہلا ہو یا دوسرا غیر مشروط اطاعت جس سے کسی کو سرتابی نہ ہو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی جاتی تھی۔ ائمہ تابعین اور مجتہدین کی یہ پیروی صرف مسائل غیر منصوصہ اور مسائل منصوصہ متعارضۃ الروایات میں ہوتی تھی۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

---

[1] تاریخ اہل حدیث صد۳۷

فعند ذٰلک صار لکل عالم من علماء التابعین مذھب علیٰ حیاله فانتصب فی کل بلد امام مثل سعید بن المسیب وسالم بن عبد اللّٰہ بن عبد اللّٰہ فی المدینة وبعدھا الزھری والقاضی یحییٰ بن سعید وربیعه بن عبد الرحمٰن وعطاء بن ابی رباح بمکة وابراھیم النخعی والشعبی بالکوفة وحسن البصری بالبصرہ وطاؤس وکیسان بالیمن ومکحول بالشام۔[1]

ترجمہ: اس دور میں علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنے حلقے میں ایک مذہب قائم ہو گیا۔ ہر شہر میں فقہ کے امام نمایاں ہوئے۔ امام سعیدؒ بن المسیب، امام سالمؒ مدینہ میں اور ان کے بعد امام زہریؒ اور قاضی یحییٰؒ بن سعید اور ربیعہؒ رای اور امام عطاؒ مکہ میں اور امام ابراہیمؒ نخعی اور علامہ شعبیؒ کوفہ میں اور امام حسنؒ بصرہ میں اور طاؤسؒ اور کیسانؒ یمن میں اور امام مکحولؒ شام میں اس امامت پر قائم رہے۔

عہد تابعین کے یہ بارہ۱۲ امام ہیں جن کی تقلید اس پہلے دور میں جاری تھی۔ آئندہ آنے والے مجتہدین بھی بیشتر مسائل میں اُن کی پیروی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ مذاہب ائمہ اربعہ کے دور میں اور نکھرے ان کی اور تنقیح ہوئی۔ ان کے اور اصُول مرتب ہوئے۔ ان کے فروع مدون ہوتے اور اب یہ ذخائر علمی کتابوں میں آ گئے۔ اب ان علوم کی پیروی ان اماموں کے نام سے نہیں۔ چار اماموں کے نام سے آگے چلی۔ یہ تین صدیوں کا علمی منہاج آپ کے سامنے آ چکا۔ اس دور میں ائمہ حدیث کا کسی امام فقہ سے انتساب ان سے اکثر مسائل میں اتفاق کی وجہ سے ہوتا تھا۔ پھر چوتھی صدی میں تقلید ایک مستقل مکتب فکر کی صورت اختیار کر گئی۔

اب چوتھی صدی میں جائیے اور دیکھیئے کہ تقلید ان دنوں بھی کسی وحشت نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴۳

وکان صاحب الحدیث قد ینسب الیٰ احدے المذاهب لکثرة موافقته
کالنسائی والبیهقی ینسبان الی الشافعی[1]

ترجمہ. یہ اصحاب حدیث مذاہب اربعہ میں سے کسی طرف کثرتِ موافقت کے باعث منسوب ہوتے تھے اور امام نسائی اور بیہقی اسی پیرائے میں شافعی کہے جاتے ہیں.

امام طحاوی بھی اسی طرح امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور امام ابوداؤد امام احمد بن حنبل کے مذہب میں جگہ پاتے ہیں. پروفیسر شعیب ارنوط امام طحاوی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

لم یمنعه انتسابه الی الامام ابی حنیفة ان یخالفه فی عدد قلیل من المسائل لما ثبت لدیه او صح فی نظره من الادلة مالم یثبت لدی امامه او یصح عنده[2]

ترجمہ. آپ کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت آپ کو اس سے مانع نہ تھی کہ آپ چند مسائل میں حضرت امام کے موقف کے خلاف چلے. بایں طور کہ آپ کے پاس وہ دلائل ثابت ہوئے یا صحیح ٹھہرے جو حضرت امام کے ہاں ثابت نہ تھے یا صحیح نہ تھے.

اس سے حضرت امام طحاوی کے کمال دیانت کا پتہ چلتا ہے کہ اصل چیز ان کے ہاں کتاب وسنت اور صحابہؓ کے فیصلے تھے اور حضرت امام کی تقلید میں آپ اسی حد تک چلے جہاں تک آپ کو فقہ حنفی کتاب وسنت کے مطابق نظر آئی.

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صہ ۱۵۲ [2] شرح مشکل الآثار جلد ۱ صہ ۱۲ بیروت

حافظ ابوبکر الجصاص الرازیؒ (۳۷۰ھ) بھی تقلید کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں :-

ان العامی علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث۔[۱]

ترجمہ: عامی شخص پر پیش آنے والے نئے نئے مسائل میں علماء کی تقلید لازم ہے۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

الزم المنذرین قبول قولهم۔[۲]

ترجمہ: مکلفین پر لازم ٹھہرایا کہ وہ ان کی بات قبول کریں۔

حافظ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں شرعی احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہونا ہر کسی کو معلوم ہو۔ اس میں کوئی تقلید نہ ہو اور دوسرے وہ جو نظر و استدلال سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں تقلید جائز ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (پ۱۴ النحل آیت ۴۳)

خطیب لکھتے ہیں :-

وضرب آخر لا یعلم الا بالنظر والاستدلال کفروع العبادات والمعاملات والفروج والمناکحات وغیر ذلك من الاحکام فهذا یسوغ فیه التقلید بدلیل قول الله تعالیٰ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ولانا لو منعنا التقلید فی هذه المسائل التی هی من فروع الدین لاحتاج کل احد ان یتعلم ذلك وفی ایجاب ذلك قطع عن المعایش وهلاك الحرث والماشیة فوجب ان یسقط۔[۴]

---

[۱] الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة ص۶۸ [۲] احکام القرآن جلد ۲ ص۲۱۵ [۳] ایضاً ص۲۲۲ [۴] الفقیه والمتفقه جلد ۲ ص۶۸

ترجمہ: اور ایک دوسری قسم ان مسائل کی ہے جو نظر و استدلال کے بغیر معلوم نہ ہو سکیں جیسے فروع عبادات اور عبادات اور معاملات اور نکاح وغیرہ۔ یہ وہ مسائل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رو سے کہ اگر تم جانتے نہیں تو اہل علم سے پوچھ کر چلو تقلید چل سکتی ہے سو اگر ہم فروعی مسائل میں بھی تقلید کو منع کریں تو پھر ہر ایک پر علم دین کا حاصل کرنا ضروری ٹھہرے گا اور ہر کسی کے ذمہ لگانا کہ علم دین تفصیل سے معلوم کرے اس میں معیشت کی راہیں کٹ جائیں گی۔ کھیتیاں برباد ہو جائیں گی اور مویشی ہلاک ہو جائیں گے۔ سو ضروری ہے کہ علم دین تفصیلی حاصل کرنا ہر کسی کے ذمہ نہ لگایا جائے۔

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:-

ولم تختلف العلماء ان العامة علیها تقلید علمائها وانهم المرادون بقول الله عز وجل فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون واجمعوا علی ان الاعمی لابد له من تقلید غیره ممن یثق بمیزه بالقبلة اذا اشکلت علیه فکذلک من لا علم له ولا بصر بمعنی ما یدین به لابد له من تقلید عالمه[1]

ترجمہ: اس میں علماء کا کبھی اختلاف نہیں رہا کہ عام لوگوں کے ذمہ اہل علم کی تقلید ہے اور فاسئلوا اهل الذکر الخ میں یہی اہل علم مراد ہیں تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اندھے کو دوسرے کے پیچھے چلنے سے جس پر اسے اعتماد ہو اور وہ اسے قبلہ کی سمت بتا سکے کوئی مفر نہیں ہے۔ اسی طرح اس شخص کا معاملہ ہے جو علم نہ رکھتا ہو اور وہ بات کو اس طرح نہ جانے کہ اس پر چل سکے تو اس کے لیے ضروری ہے وہ کسی عالم کی تقلید کرے۔

دیکھئے کیا یہاں تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں نہیں بولا جا رہا۔ یہ اعتماداً پیروی کا نام ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم جلد ۲ صـ ۱۱۵

چھٹی صدی کے آخر میں امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) ہوئے ہیں۔ آپ بھی تقلید کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں :-

ان العامی یجب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث [1]

ترجمہ۔ عامی آدمی پر نئے پیش آنے والے مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

ساتویں صدی کے دوسرے بزرگ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) حدیث الدین النصیحۃ کی شرح میں لکھتے ہیں :-

وقد یتناول ذالک علی الائمۃ الذین ھم علماء الدین وان من نصیحتھم قبول ما رووہ وتقلیدھم فی الاحکام واحسان الظن بھم [2]

ترجمہ۔ یہ نصیحت خیر خواہی ان ائمہ کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں ان سے خیر خواہی کا تعلق یہ ہے کہ ان کی روایت کو قبول کیا جائے اور فروعات میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے بارے میں نیک گمان رکھا جائے (کہ جو کچھ وہ بتا رہے ہیں کتاب وسنت کی روشنی میں بتا رہے ہوں گے)۔

اسی دور میں تاریخ اسلام کی مقتدر علمی شخصیت امام الحرمین معالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الجوینی (۴۷۸ھ) ہوئے ہیں۔ آپ عامی کے لیے اپنے دور کے مفتی کی پیروی ان الفاظ میں لازم کرتے ہیں۔ اس سے اس بات میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ تقلید کا لفظ ان دنوں اتباع کے معنی میں ہی لیا جاتا تھا۔ امام الحرمین لکھتے ہیں :-

ومما یتعین ذکرہ ان من وجد فی زمانہ مفتیاً تعین علیہ تقلیدہ ولیس لہ ان یرقی الی مذاھب الصحابۃ [3]

ترجمہ۔ اور ان باتوں میں جن کا ذکر لازم ٹھہرتا ہے یہ ہے کہ جو شخص اپنے زمانے میں کسی مفتی کو پالے تو اس پر اس کی تقلید (پیروی) لازم ٹھہرتی ہے اور اسے صحابہؓ کے مذاہب تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ صہ ۲۷۲ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۵۴ [3] غیاث الامم فی التیاث الظلم صہ ۱۷ تصنیف امام الحرمین

صحابہؓ کے دور میں اصول فقہ مدون نہ ہوئے تھے. وہ حوادث پیش آنے سے پہلے کسی تمہید کے قائل نہ تھے. واقعات پیش آنے سے پہلے انہوں نے فقہ کے اصول وقواعد طے کیے ہوئے تھے. اس لیے عامی براہ راست پیروی میں نہ چل سکتے تھے. تاہم اس سے انکار نہیں کہ صحابہؓ کا مقام ائمہ فقہ سے کہیں زیادہ اونچا ہے. امام الحرمین آگے جاکر لکھتے ہیں :-

فان الصحابة وان کانوا صدور الدین واعلام المسلمین ومفاتیح الهدی ومصابیح الدجیٰ فما کانوا یقدمون تمهید الابواب وتقدیم الاسباب للوقائع قبل وقوعها.[1]

ترجمہ صحابہؓ کرامؓ اگرچہ دین کے صدر مسلمانوں کے جھنڈے ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں کے چراغ ہیں لیکن وہ مسائل کو ابواب میں لانے اور واقعات کے وقوع میں آنے سے پہلے ان کے اسباب کی کوئی تمہید سامنے نہ رکھتے تھے یعنی اس وقت اصول فقہ مدون نہ تھے لیکن جب علم فقہ مدون ہوا تو اب اس کی تقلید میں پوری کفایت تھی کہیں تشنگی باقی نہ رہی تھی.

یہ صحیح ہے کہ فقہ کے بہت سے مسائل ہمیں صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین سے مل جاتے ہیں لیکن وہ باہم مرتب نہیں ملتے. پھر انہیں ضرورت کے تحت بیان کیا گیا ہے. ایک علمی خاکے میں انکی نشاندہی نہیں کی گئی. اصول کے تحت جزئیات بیان کی جائیں. گو وہ فرضی اور تقدیری ہوں تو اس سے ایک علمی خاکہ بنتا ہے اور اصول فقہ ہر ایک میں جلوہ گر نظر آتے ہیں اور پھر جو مسائل ان میں نہیں آتے وہ بھی ان اصولوں کے تحت خود بخود واضح ہوتے چلے جاتے ہیں. اس طرح مسائل فقہ کی تدوین صحابہؓ کے وقت میں نہ ہوئی تھی. فقہ کو اصولِ فقہ کے تحت مجتہدین ابواب میں لاتے اور اس طرح علم فقہ مدون ہوا. یہ وہ اسباب ہیں جن کے باعث امت میں صحابہ کی تقلید جاری نہ ہو پائی اور اس نے ائمہ اربعہ سے اپنی یہ ضرورت پوری کی — کسی صحابی سے فقہی جزئیات ہمیں اس پیرایہ

---

[1] غیاثی ص۱۷۷

میں نہیں ملیں کہ وہ زندگی کے ہر دائرہ کو شامل ہوں لیکن ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کی فقہ ضرورت کے تمام ابواب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

اب آیئے پھر ساتویں صدی میں چلیں ساتویں صدی کے نامور مفسر علامہ ابن حیان اُندلسی (۶۵۴ھ) جو ادب اور عربیت کے بھی امام تھے وہ لفظ تقلید کو اتباع کا مترادف شمار کرتے ہیں۔ آپ منعم علیہم لوگوں میں چوتھے درجے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الرابع الصالحون وهم الذين يعرفون الشئ باتباعات وتقليدات الراسخين في العلم[1]

ترجمہ: ان میں چوتھا طبقہ صالحین کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حقائق کو اپنے راسخین فی العلم (مجتہد کے درجے پر پہنچے ہوئے اہل علم) کی پیروی اور تقلید سے جانتے ہیں۔

یہاں صریح لفظوں میں تقلید کو اتباع کا مترادف ٹھہرایا گیا ہے:-

اتباع سے یہاں مراد ایک اصول فقہ کی پاسداری ہے۔ عام لوگ مسائل غیر منصوصہ میں اپنے ائمہ کے استنباط کردہ مسائل کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر کبار اہل علم جو اصول فقہ کے اسی مکتب کے سچیال ہوں وہ قوت دلیل کی بنا پہ اپنے استنباط و استخراج میں کبھی اپنے امام سے اختلاف بھی کر لیتے ہیں جیسے امام محمد امام ابوحفص کبیر امام طحاوی اور امام کرخی بایں ہمہ اختلافات اسی مکتب فکر میں شمار ہوتے ہیں۔ سو یہاں اتباع کا لفظ ایک وسیع مفہوم میں چلتا ہے۔ کسی کی پالیسی پر چلنا قدم قدم پر اس کی پیروی نہیں ہوتا اس کے لیے بھی ائمہ کبار کی عبارات میں لفظ تقلید ملتا ہے حضرت علامہ شعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:-

یاد رکھیے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے کسی آدمی سے ہرگز تعصب مت کرو اور اپنے آپ کو ان لوگوں کی تقلید سے محفوظ رکھو جو امام ابوحنیفہؒ کے حالات اور

---

[1] البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۸

آپ کے تقویٰ اور دینی احتیاط سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں کہ امام صاحب کے ادلہ ضعیف ہیں تم ان کی تقلید سے اس قول میں شریک نہ ہو جانا ورنہ تمہارا انجام خسارہ پانے والے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔[1]

یہ کس کی نصیحت ہے؟ ایک شافعی المذہب عالم کی ۔۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے پیرؤوں میں اختلافات کے باوجود تعصب وتحزب ہرگز کارفرما نہیں رہا۔ اپنے اپنے موقف پر رہتے ہوئے بھی وہ دوسروں کے صواب پر ہونے کی علمی گنجائش رکھتے تھے اور پوری وسعت علمی سے مذھبنا صواب ویحتمل الخطا ان کی زبان پر ہوتا تھا ۔ کیا آپ نے اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے ہاں بھی کبھی امام ابوحنیفہ یا فقہ حنفی کی یہ تعظیم دیکھی؟ نہیں، انہوں نے کبھی کھلے دل سے حنفی فقہ کو صحابہ کے وقت کا ایک خاکہ عمل تسلیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو مناظرے آج آپ مقلدین اور غیر مقلدین میں دیکھ رہے ہیں۔ وہ آپ کو ائمہ اربعہ کے پیرؤوں کے ہاں کبھی دکھائی نہ دیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو اصولاً حق پر سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام میں پائے جانے والے کسی عمل سے انہیں بغض نہیں ہوتا۔

دیکھیئے تقلید کا لفظ یہاں اتباع کے معنی میں ہے نہ یہ کہ ان کی بلا دلیل بات ماننے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ ابن حزم ظاہریؒ کے سوا کسی نے ان ادوار میں تقلید کا انکار نہیں کیا۔ اور انہیں ظاہری بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ شریعت کے استنباط واستخراج کے اندرونی مزاج سے ناآشنا تھے۔ جو اجتہاد کا قائل ہو وہی تقلید کا قائل ہوگا جو اجتہاد کا قائل نہ ہو ظاہری ہو اس کے ہاں تقلید کا تصور کیسے جگہ پا سکتا ہے۔

لفظی بحثوں میں وقت ضائع نہ کریں

تقلید اور اتباع میں کوئی نظری فرق ہو تو اسے اساس بنا کر اختلافات کو ہوا دینا کوئی عقلمندی

---

[1] میزان کبریٰ مترجم جلد ا صـ ۱۸۶

نہیں. تقلید کرنے والے جب اسے اتباع کے معنی میں لیتے ہیں تو دوسروں کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے. عامی کا مجتہدین کی طرف رجوع کرنا اگر ان کی تقلید نہیں اتباع ہے اور اس اتباع کو غیر مقلدین بھی ناجائز نہیں سمجھتے اور مقلدین تقلید کو اتباع کے معنی میں لیتے ہیں. تو کیا اس سے یوں بحث سمٹ نہیں جاتی ؟ اور مسئلہ ایک لفظی بحث بن کر نہیں رہ جاتا ؟ اگر بات اس طرح ہے تو ہم کہیں گے کہ لفظی بحثوں میں وقت ضائع کرنا داناؤں کا کام نہیں۔

غیر مقلد احباب مقلدین کے مجتہدین کی طرف رجوع کرنے کا نام اتباع رکھ لیں اور انہیں بلا دلیل والے مسائل ماننے کا ملزم نہ ٹھہرائیں تو دونوں طبقے بہت ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں۔

تقلید کے عرفی معنی

مولانا نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں:-

رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کی اور تقلید کرنی ان کی کسی مسئلہ میں تقلید نہ ہوگی. بلکہ اس کو اتباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی میں مجتہدین کی اتباع کو تقلید بولا جاتا ہے[1]

میاں صاحب کی مراد یہ ہے کہ مجتہدوں کی پیروی کے لیے شریعت میں دلائل موجود ہیں. جیسے فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون. اس لیے ان کی پیروی کو اصولاً تقلید نہیں کہہ سکتے. ہم کہتے ہیں اصولاً نہ سہی عرفاً تو اسے ہی تقلید کہتے ہیں. اور یہ آپ بھی مانتے ہیں تو کیا یہ موضوع صرف ایک لفظی بحث نہیں ـــــ یہ بات ہم دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں کتاب و سنت کے بعد ہم اتباع سلف کے مامور ہیں. آپ اسے تقلید نہ کہیں نہ سہی.

---

[1] معیار الحق صـ ۶۶

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ لکھتے ہیں :-

ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں تقلید سلف کے مامور نہیں[1]

تقلید کے عرفی معنی اتباع سے مختلف نہیں ہیں مسلم الثبوت میں ہے :-

ولکن العرف علیٰ ان العامی مقلد للمجتهد قال الامام وعلیه معظم الاصولیین[2]

ترجمہ: عرف یہی ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں بڑے بڑے علماء اصول سب اسی پر ہیں۔

میاں نذیر حسین صاحب نے معیار الحق میں فاضل قندھاری کی کتاب مغتنم الحصول سے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ترجمہ خود میاں صاحب سے ہی سنیں :-

مشہور یوں ہو گیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے۔ امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے کہا ہے کہ اسی پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) اور آمدیؒ (ھ) اور ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرتؐ اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں[3]

تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں ہم حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) امام جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کے حوالوں سے آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں۔ امام الحرمین پانچویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ علامہ محب اللہ بہاریؒ (۱۱۱۹ھ) صاحب مسلم الثبوت بارہویں صدی ہجری میں ہوتے ہیں۔ ان بارہ صدیوں میں لفظ تقلید کبھی کسی علمی بحث میں کسی برے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔

اب انگریزوں کے اس ملک میں آنے کے بعد یہ نئے نئے فرقے کیا اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو مسلمانوں کے تیرہ صدیوں کے اتحاد و اتفاق کو فرقہ بندی کی بھینٹ چڑھا رہے۔

---

[1] تقلید شخصی و سلفی صـ۴۲ [2] مسلم الثبوت صـ۲۸۹ [3] معیار الحق صـ ترجمہ از میاں

لغۃً قلادہ صرف پٹکے کو نہیں ہار کو بھی کہتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت اسماءؓ سے عاریۃً ہار لیا تھا۔ اسے امام بخاریؒ ان لفظوں میں روایت کرتے ہیں:۔

استعارت من اسماء قلادۃ [1]

ترجمہ: آپ نے اسماء سے عاریۃً ہار لیا۔

معلوم ہوا انسان کے لیے یہ لفظ وارد ہو تو اس کے معنی ہار کے ہوں گے پٹکے کے نہیں معترضین کو خواہ مخواہ جانوروں کی صف میں نہ آنا چاہیئے۔

لفظوں سے کھیلنا اور محض استہزاء سے قوم میں انتشار پیدا کرنا ہرگز کسی بھی خواہ ملت کا کام نہیں ہو سکتا۔ ع آغا تیغ درمیان کُن

ائمہ اصول کے ہاں تقلید کی تعریف

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان النامی شرح حسامی سے نقل کرتے ہیں:۔

التقلید اتباع الغیر علیٰ ظن انہ محق بلا نظر فی الدلیل [2]

ترجمہ: تقلید دوسرے کی اتباع کا نام ہے اس اعتماد سے کہ وہ حق بات کہہ رہا ہے بغیر دھیان کیے اس کی دلیل میں۔

حضرت مولانا جالندھریؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

یہ عبارت بھی تقلید اور اتباع کے ایک ہونے پر صراحت سے دال ہے اور اس میں لفظ الدلیل پر لام عہد کے لیے ہے یعنی وہ خاص دلیل جس کو مجتہد نے پیشِ نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے اور من غیر نظر الی الدلیل اور من غیر تامل فی الدلیل اور من غیر مطالبۃ الدلیل میں اسی خاص دلیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس دلیل سے وہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص۵۳۲ صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۶۱ [2] النامی شرح الحسامی ص۱۹۰ مطبع مجتبائی دہلی

دلیل مراد نہیں جو مقلد اپنی طرف سے پیش کرتا ہے[1]
قاضی محمد اعلیٰ تھانوی اپنی مایۂ ناز کتاب کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں:۔

التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کان ھذا المتبع جعل قول الغیر او فعلہ قلادۃ فی عنقہ من غیر مطالبۃ دلیل[2]

ترجمہ: تقلید دوسرے انسان کی اس کے قول یا فعل میں پیروی کا نام ہے. بایں گمان کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے اس کی دلیل میں نظر کیے بغیر۔ اس اتباع کرنیوالے نے گویا اس دوسرے کے قول یا فعل کو بغیر اس سے مطالبہ دلیل کیے اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے۔

یہاں بھی تقلید کی تعریف لفظ اتباع سے کی گئی ہے. تقلید اتباع کے معنی میں ہے. اب اس پر تیسری شہادت لیں۔

ابن الملک شرح منار میں ہے:۔

وھو عبارۃ عن اتباعہ فی قولہ او فعلہ معتقدا للحقیۃ من غیر تامل فی الدلیل[3]

ترجمہ: تقلید سے مراد اس دوسرے کی اتباع ہے اس کے قول میں یا اس کے فعل میں بایں اعتقاد کہ وہ حق کہہ رہا ہے بغیر اس کی دلیل کا انتظار کیے۔

تقلید مقلدین کے ہاں اتباع کے معنی میں ہے. آئیے اب اس پر چوتھی شہادت بھی لے لیجئے لیکن یہ انصاف نہیں ہے کہ تقلید کریں تو مقلدین مگر اس کا معنی بیان کریں غیر مقلدین ـــ اس سے زیادہ کھلا مذاق علم سے کیا ہوگا. سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عبارت آپ پڑھ آئے۔

اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں[4]

---

[1] خیر التنقید فی سیر التقلید صـ۱۳ [2] کشاف صـ۱۱۷۸ [3] شرح منار مصری صـ۲۵۲ [4] سبیل الرشاد صـ۲۷

ان چار شہادتوں کے بعد مسلم الثبوت کی عبارت میں بھی مضاف محذوف ماننا ضروری ہوگا۔
من غیر حجۃ کو من غیر مطالبۃ حجۃ پڑھا جائے گا۔

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ[1]

ترجمہ۔ تقلید کسی دوسرے کے قول پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرنے کا نام ہے۔

من غیر حجۃ عمل سے متعلق ہے یعنی وہ اس پر دلیل مانگے بغیر عمل کرتے ہیں ــــ
غیر مقلد علماء، عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے قول سے متعلق کرتے ہیں اور معنی یوں کہتے ہیں۔

تقلید دوسرے کے قول کو جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو ماننے کا نام ہے۔

اعاذنا اللہ من الجہل وسوء الظن۔

ایک متوازی شہادت بھی لیجئے :۔

التقلید ھو العمل اعتماداً علیٰ فتویٰ ــــ المجتہد ولا یتحقق بمجرد تعلم فتویٰ المجتہد ولا بالالتزام بہا من دون العمل۔[2]

ترجمہ۔ تقلید اس عمل کا نام ہے جو مجتہد کے فتوے پر اعتماد (کہ یہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا) کر کے کیا جائے۔ تقلید امام مجتہد کے فتوے کو صرف جاننے یا اسے ! . . . کا نام نہیں جو اس پر عمل کے بغیر ہو (تقلید کا تحقق عمل سے ہی ہوتا ہے)۔

تقلید اگر کسی ایسے قول کو ماننے کا نام ہوتا جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس بے دلیل بات کے لیے مجتہد کی ہی تلاش کیوں ہوتی کسی عامی کی بات لے کر اس کی پیروی کیوں نہ کر لی جاتی۔

یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ عامی علت حکم جانے بغیر عالم کے قول پر اعتماداً عمل نہیں کر سکتا۔

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں :۔

وحکی عن بعض المعتزلۃ انہ قال لا یجوز للعامی العمل بقول العالم حتی یعرف علۃ الحکم۔[3]

---

[1] مسلم الثبوت ص ۲۸۹ [2] منہاج الصالحین جلد ۱ ص ۔ طبع بیروت [3] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ ص ۶۹

ترجمہ. بعض معتزلہ سے مروی ہے کہ عامی کے لیے کسی عالم کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ علت الحکم کو نہ پہچان لے۔

وہ غیر مقلد علماء جو تقلید کے جوش مخالفت میں یہ معتزلہ والا عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اپنے اس عقیدہ سے وہ اہل سنت کی صف سے نکل جاتے ہیں۔ پھر ان کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا معلوم نہیں کس جہت سے درست ہوگا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ اس عقیدے پر اس طرح جرح کرتے ہیں :-

وھذا غلط لانہ لاسبیل للعامی الی الوقوف علیٰ ذٰلک الا بعد ان یتفقّہ سنین کثیرۃ ویخالط الفقہاء المدۃ الطویلۃ ویتحقق طرق القیاس ویعلم مایصححہ ویفسدہ وما یجب تقدیمہ علیٰ غیرہ من الادلۃ وفی تکلیف العامۃ بذٰلک تکلیف مالا یطیقونہ ولاسبیل لھم الیہ۔[1]

ترجمہ. یہ غلط ہے کیونکہ عامی آدمی علل حکم پر واقف بغیر سالہا سال کی فقہ کی تعلیم کے اور مدتِ دراز تک فقہاء کی مجلس پانے کے اور قیاس کے طریقوں کے معلوم کرنے کے اور یہ جاننے سے کہ کون سی باتیں اسے صحیح ٹھہراتی ہیں اور کون سی اسے فاسد کرتی ہیں اور یہ کہ کس دلیل کو کس پر لازم کیا جائے اور یہ کہ عامۃ الناس کو اس کی تکلیف دینا اُن کی طاقت سے بالا تو نہیں کبھی نہ ہو سکے گا۔

علامہ سیف الدین آمدیؒ (ھ) کی عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تقلید کے اس درجہ کے مخالفین اس کے جوشِ مخالفت میں معتزلہ کی صف میں جا بیٹھے ہیں۔ علامہ آمدیؒ قاعدہ ۳ کے دوسرے باب میں لکھتے ہیں :-

العامی ومن لیس لہ اھلیۃ الاجتہاد وان کان محصلاً لبعض العلوم المعتبرۃ فی الاجتہاد یلزمہ اتباع قول المجتہدین والاخذ بفتواہ

---

[1] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ ص ۶۹

عند المحققين من الاصوليين ومنع من ذٰلك بعض معتزله البغداديين۔[۱]

ترجمہ۔ عامی شخص اور وہ شخص جو عامی تو نہیں لیکن وہ مجتہد بھی نہیں۔ اگرچہ وہ بعض علوم معتبرہ کا عالم ہوا سے مجتہدین کے قول کی پیروی کرنا اور اس کے فتوے پر فیصلہ دینا لازم ہے۔ علماء اصول کے محققین کا یہی فیصلہ ہے اگرچہ بغداد کے بعض معتزلہ نے اسے منع کیا ہے (وہ کہتے ہیں کہ دلیل معلوم کیے بغیر کسی کے قول پر فتوے دینا جائز نہیں)۔

اب پندرھویں صدی میں علمائے اہلحدیث نے تسلیم کرلیا ہے کہ لفظ تقلید اتباع کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے کسی ایسے معنی میں نہیں کہ اس سے وحشت پیدا ہو۔ انگلینڈ میں ایرانی انقلاب کی حمایت میں اٹھنے والے لوگوں میں ڈاکٹر کلیم صدیقی معروف شخصیت ہیں۔ آپ نے مدت سے اس بات کی تحریک چلا رکھی ہے کہ یہاں مسلمان شیعوں کو کافر نہ کہیں اور ان سے اپنے اختلافات کو فروعی سمجھیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے یہاں ایک مسلم پارلیمنٹ قائم کررکھی ہے جس کے ڈپٹی سپیکر مولانا عبدالوہاب اچھروی ہیں۔ اس مسلم اتحاد میں علماء اہلحدیث کے نمایندے مولانا محمد عبدالہادی جنرل سیکرٹری جمعیت اہلحدیث برطانیہ ہیں۔ شیعوں کے عالم ان کے ساتھ محمد سرور سبزواری ہیں اور سُنّیوں کے مولانا عبدالرشید صاحب دینہ ضلع جہلم والے ان کے ساتھ ہیں۔

ان علماء نے ۱۰ر جنوری ۱۹۹۴ء کو اپنی آیندہ پالیسی کا اعلان ان لفظوں میں کیا ہے:۔

"ہم ایک دوسرے پر کفر کے فتوے نہیں لگائیں گے۔"

اور عوام سے مطالبہ کیا ہے:۔

"اب عوام کو بھی ہماری تقلید میں چھوٹے چھوٹے اختلافات بھلا دینے چاہئیں۔"

جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا لوگوں سے یہ تقلید کا مطالبہ اس ذہن کی خبر دیتا ہے کہ اب

---

[۱] الاحکام للآمدی جلد ۴ صـ۱۹۷

ان کے ہاں بھی یہ لفظ اتباع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس میں ہرگز وحشت کا کوئی پہلو نہیں
ہم جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے ساتھ اس اقرار میں متفق نہیں کہ شیعہ کے ساتھ ہمارے اختلافات فروعی
ہیں لیکن اتباع کے لیے ان کا لفظ تقلید اختیار کرنا پتہ دیتا ہے کہ جو بات حضرت گنگوہیؒ نے اس
سے ایک صدی پہلے کہی تھی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے اب ۱۹۹۳ء میں اسے تسلیم کر لیا ہے
مولانا عبدالہادی عمیری جنرل سیکرٹری جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا یہ اقرار کہ تقلید اور اتباع کا
معنی ایک ہے۔ روزنامہ جنگ لندن ۱۰ جنوری کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس بحث کو ختم کر کے حدود فقہ کی بحث شروع کریں یہاں تین
سوالوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

سوال ۱

مقلد کو اپنے علم اور مطالعہ سے اگر کچھ دلائل میسر ہو جائیں جو اس کے امام کے فتوے
کے مطابق ہوں مگر مقلد کو اپنے اس علم پر بھروسہ نہ ہو وہ اپنے امام کے اعتماد سے ان دلائل کو
وزن دے مگر کلیۃً اپنے علم کو کافی نہ سمجھے تو کیا وہ اپنے مسئلے کے ان دلائل جاننے سے تقلید
سے نکل آئے گا؟ یا وہ بدستور مقلد رہے گا؟

جواب: وہ اتنے علم سے تقلید سے نہ نکلے گا۔ جو دلائل اس کے پاس ہیں ان پر اس کی مجتہدانہ
نظر نہیں۔ وہ اپنے امام کے علم پر اعتماد کر کے اس سے اس کی دلیل معلوم کیے بغیر اس مسئلے پر عمل
کر رہا ہے گو اس کا اپنا مطالعہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ مگر اس کے امام نے جس خاص دلیل پر
اپنے فیصلے کی بنیاد رکھی وہ تو اسے معلوم نہیں ہے۔

سوال ۲

کیا تقلید مرتبہ جہل کا نام ہے؟

تقلید صرف اسی صورت میں نہیں کہ سائل کو بات کا مطلق پتہ نہ ہو۔ اگر اسے مسئلے کی

دلیل معلوم ہے. مگر اسے اپنے علم پر کافی بھروسہ نہیں. وہ کسی مجتہد کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی بات اس کے مطابق اترتی ہے. اب وہ مجتہد کی بات تسلیم کرنے میں اسکی دلیل کا محتاج نہیں.

اپنے علم پر اسے بھروسہ نہ تھا. مجتہد کی بات اس سے دلیل پوچھے بغیر اسے معلوم ہو گئی اور اب اسے اپنی دلیل پر بھروسہ ہوا تو چونکہ اس نے مجتہد کی بات اس سے دلیل پوچھے بغیر قبول کی تو اس کی قبولیت سے وہ تقلید سے باہر نہ ہوا — اس سے پتہ چلا کہ تقلید مرتبہ جہل کا نام نہیں. اس کے ساتھ کچھ علم جمع ہو سکتا ہے.

اسی طرح اس نے اگر پہلے مجتہد کی بات پر اس سے دلیل پوچھے بغیر عمل کر لیا. بعد میں اسے اس پر اپنے علم سے کچھ دلائل بھی مل گئے. مگر اسے ان مسائل اجتہادیہ میں بھروسہ اس مجتہد پر ہی رہا تو بھی وہ شخص اپنے اس عمل میں تقلید پر رہا. تقلید سے باہر نہیں ہوا.

دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات مولانا مرتضیٰ حسنؒ (۱۳۷۱ھ) تقلید کے معنی لکھتے ہیں۔

> یہ معنی بھی ہے کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتاج نہ ہو. تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو. جیسے صاحب ہدایہ. فتح القدیر. عنایہ. بنایہ اور امام طحاویؒ وغیرہ سب مقلد ہیں. حالانکہ ان کے دلائل بھی مشرح ہیں تو یہ لوگ باوجود علم بالدلیل کے نہ تو تقلید سے خارج تھے اور نہ ہی لوگ ان کو غیر مقلد سمجھتے تھے.[1]

اس سے پتہ چلا کہ تقلید مرتبہ جہل کا نام نہیں. ایسا علم جو مجتہدانہ شان کا نہ ہو ہرگز تقلید کے خلاف نہیں ہے.

سوال ۳

عامی مجتہد کو کیسے پہچانے

---

(۱) تنقیح التقلید صہ ۲۹

مقلد کے پاس خود تو اتنا علم نہیں کہ وہ مجتہد کو پوری طرح پہچان سکے۔ نہ وہ افضل اور مفضول کے درمیانی فاصلے پہچان سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے بڑا عالم یا متقی ہونے کی خبر یا اسے بتواتر ملیں اور وہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگوں کا اس کی طرف رجوع پائے تو باوجود عامی ہونے کے اس کے سامنے ایک ایسا سرف ضرور معروف ہو جاتا ہے جس سے وہ کسی ایسے شخص کو مان سکے جس کے فتوے پر وہ بغیر اس سے دلیل پوچھے پورے بھروسے سے عمل کر سکے اور اسے کوئی غلجان لاحق نہ ہو۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) ایک ایسے شبہے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ویعلم فضل الطبیبین بتواتر الاخبار وبا ذعان المفضول له وبتقویمه بامارات تفید غلبة الظن فکذٰلك فی حق العلماء یعلم الافضل بالتسامع وبالقرائن دون البحث عن نفس العلم والعامی اهل له فلا ینبغی ان یخالف الظن بالتشهی فهذا هو الاصح عندنا والالیق بالمعنی الکلی فی ضبط الخلق وبلجام التقوی ــــ والتکلیف۔[1]

ترجمہ: طبیب کونسا ماہر اور تجربہ کار ہے اس کا پتہ لوگوں کو (باوجودیکہ وہ علم ادویہ نہیں رکھتے) متواتر خبروں سے ملتا ہے یا اس سے کہ چھوٹے درجے کے طبیب اس کی بات مانتے ہوں اور اسے بڑا سمجھتے ہوں یا ان علامات کہ اس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔ اسی طرح علماء میں اعلم کا پتہ اس کی عام شہرت اور اس قسم کے دوسرے قرائن سے کیا جاتا ہے بغیر یہ جانے کہ علم کیا ہے ــــ اور عامی آدمی اتنی بات (وہ طبیب کے بارے میں ہو یا عالم کے بارے میں) جاننے کا اہل ہے (یہ جان سکتا ہے) پس اسے نہ چاہیئے کہ اسے اس طرح جو گمان غالب ہو اس کی مخالفت محض اپنے ذوق سے کرے۔ ہمارے نزدیک یہی صحیح فیصلہ ہے

---

[1] المستصفیٰ جلد ۲ ص ۱۲۶

اور یہی بات اس اصول کلی کے لائق ہے جس سے مخلوقِ خدا ایک ضابطے میں رہ سکتی ہے اور اسے تقوے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی لگام دی جا سکتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے یہاں تقلید کو گھوڑے کی لگام سے تشبیہ دی ہے منہ زور گھوڑے کی روک تھام اس کے بغیر ممکن نہیں۔ جو لوگ قرآن و حدیث میں فقہ سنت اور فہم امت کو سامنے رکھے بغیر پوری آزادیِ فکر سے چلتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

جب عام لوگ قرآن و حدیث کے اردو ترجموں سے دین سمجھنا شروع کر دیں اور انہیں دین میں فقہ کی ہوا بھی نہ لگی ہو تو وہ اس صف میں نہیں آتے جنہیں قرآن ہدایت دیتا ہے وہ اس فہرست کے لوگ ہیں جو قرآن سے گمراہی پاتے ہیں:۔

یضل بہ کثیرًا و یہدی بہ کثیرا و ما یضل بہ الا الفاسقین۔

(پ البقرہ آیت ۲۶ رکوع)

ترجمہ۔ گمراہ کرتا ہے اللہ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو۔

اسی طرح آزاد مطالعہ حدیث بھی انہیں گمراہی کے سوا کچھ نہیں دیتا۔ فقہ کے بغیر حدیث کی طلب جیسا کہ لوگ آج کل صحیح بخاری کا اردو ترجمے اُٹھائے دین سے جاہل لوگوں کو اس پر عمل کی دعوت دیتے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس آزاد مطالعہ حدیث سے بڑے بڑے فتنوں نے جنم لیا ہے۔ قرونِ اولیٰ میں اس قسم کے آزاد مطالعہ حدیث کو حرام کے قریب سمجھتے تھے اور یہ صرف ایک دو عالموں کی رائے نہ تھی۔ ایک جماعت کی جماعت کا یہ فتویٰ تھا۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

اما طلب الحدیث علیٰ ما یطلبہ کثیر من اہل عصرنا الیوم دون تفقہ فیہ ولا تدبر لمعانیہ فمکروہ عند جماعۃ اہل العلم[1]

---

[1] جامع ... [illegible] ... ص ۱۴۲

ترجمہ. حدیث کا مطالعہ بغیر فقہ اور اس کے معانی میں غور کرنے کے کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے کے بہت سے لوگوں نے کرنا شروع کر دیا ہے. اہل علم کی ایک جماعت نے اسے مکروہ ٹھہرایا ہے۔

تقلید اور شیعہ

شیعہ بھی فروع دین میں تقلید کے قائل ہیں. لیکن ان کی تقلید میں اور اہلسنت کی تقلید میں کچھ اصولی فرق ہے. اہلسنت کے ہاں تقلید ائمہ میں اماموں کے شارع ہونے کا کوئی گمان نہیں ہوتا. مگر شیعہ کے ہاں مجتہد کو اپنے مقلدین پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

شیعہ کے ہاں ہر انسان کو تین باتوں میں سے کسی ایک موقف پر ضرور ہونا چاہیئے۔

مجتہد ہو ——— محتاط عمل کا ہو ——— مقلد ہو ———

مقلد جس کی تقلید کرے اس کے لیے یہ چند شرائط ہیں :-

(۱) وہ مجتہد زندہ ہو۔

(۲) عاقل ہو عادل ہو۔

(۳) نیک اور متقی ہو۔

شیعہ کے مشہور عالم محمد التیجانی السماوی اپنی کتاب لاکون مع الصادقین میں لکھتے ہیں :-

اجتہاد بہت ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہوتا ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین.

جب خدا اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

یہی چیزیں اہلسنت کے یہاں بھی ضروری ہیں اور انہیں شرائط کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن مجتہد کا زندہ ہونا ان کے یہاں شرط نہیں ہے۔

البتہ تقلید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں شیعہ اور سنی میں واضح اختلاف موجود ہے کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو مجتہد شرائط مذکورہ کا جامع ہوتا ہے وہ زمانہ غیبت میں امام کا نائب ہوتا ہے وہی حاکم اور رئیس مطلق ہے جس طرح لوگوں کے قضایا اور لوگوں میں امام کو حق ہوتا ہے وہی حقوق مجتہد جامع الشرائط کو بھی ہوتے ہیں، شیعوں کے نزدیک مجتہد جامع الشرط صرف مرجع ہی نہیں ہوتا کہ اس سے فقط فتاویٰ حاصل کیے جائیں بلکہ اس کو اپنے مقلدین پر ولایت عامہ ہوتی ہے۔ اسی لیے تمام مقلدین احکام میں لڑائی جھگڑے میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی کو خمس و زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ مجتہد اس مال کو امام کی نیابت میں شرعی امور میں خرچ کرتا ہے۔

لیکن اہلسنّت کے یہاں مجتہد کو یہ اختیارات نہیں حاصل ہوتے۔ کیونکہ وہ لوگ یہ نہیں مانتے کہ امام رسولِ خدا کا نائب ہوتا ہے۔ وہ لوگ صرف فقہی مسائل میں چاروں امام ابوحنیفہ۔ احمد بن حنبل۔ مالک۔ شافعی میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرتے ہیں[1]

یہ ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے کہ اہلسنت کے ہاں تقلید کا جو عمل ہے اس میں شرک فی الرسالۃ کا ہرگز کوئی ابہام نہیں، وہ امام کو نائب رسول کی حیثیت سے نہیں ایک مجتہد کی حیثیت سے مانتے ہیں اور یہ اسی طرح کا ماننا ہے جیسے کوئی فن نہ جاننے والا شخص اسی فن میں اس فن کے جاننے والے پر اعتماد کرے اور اس سے فن کی تحقیق میں نہ اُلجھے۔ بلا مطالبہ دلیل اس کی بات مانے۔

شیعہ چونکہ اس کے برعکس چلے ہیں اس لیے اہل سنّت کے بارے میں ان کی یہ شہادت غیر جانب دارانہ ہے۔

---

[1] لاکون مع الصادقین ص۲۱۷ ترجمہ اُردو

نجف اشرف کے مجتہد ملا محمد کاظم خراسانی کے فتاوے ذخیرۃ العباد کے نام سے چھپے تھے۔
۱۹۱۲ء میں سنٹرل ماڈل سکول لاہور کے مدرس شریف حسین سبزواری بریلوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کا پہلا باب تقلید پر ہے۔ صے پر یہ سوال وجواب دیکھئے:-

س: میت کی تقلید پر قائم رہنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز نہیں۔

شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں اس طرح بھی تقلید کر سکتا ہے کہ بعض مسائل میں ایک مجتہد کی تقلید کرے اور بعض میں دوسرے مجتہد کی۔ لیکن یہ دونوں علم میں مساوی ہونے چاہئیں۔ ص۹

اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے عوام بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ دلیل سمجھنے اور پرکھنے کی ان میں استعداد نہیں ہوتی۔ سو جب یہ تقلید کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد مرحومین کی تقلید ہوتی ہے نہ کہ زندوں کی۔

ایک عامی تراجم حدیث کے آزاد مطالعہ سے کبھی عالم نہیں سمجھا جا سکتا۔ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل تقلید کو آزادیٔ فکر کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس عنوان میں بھی اقرار ہے۔ کہ تقلید عام لوگوں کی آزادیٔ فکر کے خلاف ہے یہ حدیث کے خلاف کوئی تحریک نہیں۔

ہندوستان میں چودھویں صدی کے آغاز میں آزاد مطالعۂ حدیث کی رو نہ چلتی تو قادیانیت کو کبھی برگ و بار نہ لگتے نہ غیر مقلدین علیحدہ جماعت بندی کرتے اور نہ فروعات پر جمہور امت سے علیحدہ ہوتے نہ امت کو مولوی عبداللہ چکڑالوی اور فتنۂ انکار حدیث کا سامنا کرنا پڑتا۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

ے ز اجتہاد عالماں کوتاہ نظر   اقتدار رفتگاں محفوظ تر

حدودِ تقلید

(موضوع فقہ)

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

ہماری دینی زندگی کے تین دائرے ہیں. ۱. عقائد. ۲. احکام. ۳. واردات قلب ـــ ان میں تقلید کی ضرورت کہاں پڑتی ہے حدودِ تقلید میں ان کا بیان ہے. اسلام کے عقائد اور اصول اتنے کھلے اور واضح ہیں کہ ان میں تقلید کی ضرورت نہیں پڑتی. بنیادی عقائد سب تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں. ان میں کوئی موضوع ایسا نہیں جس میں کوئی بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو. جہاں تک احکام کا تعلق ہے یہ ہر دور میں نئی نئی صورتوں میں سامنے آتے ہیں اور فقہاء ہر دور میں ضرورتوں اور حالات کے مطابق ان کا حل قوم میں پیش کرتے ہیں. اس تخریج میں وہ اپنے امام کے اصولوں پہ چلتے ہیں. تقلید کی ضرورت ان احکام میں ہے ـــ رہے وہ امور جو تزکیہ قلب سے تعلق رکھتے ہیں. یہ ظاہری احکام عمل نہیں نہ یہ دائرہ فقہ میں آتے ہیں.

عقائد میں ذات وصفات کی بحث میں تاویل و تفویض کے دو مسلک ہیں. بہتر راہ تفویض کی ہے کہ اسے خدا کے سپرد کیا جائے اور کوئی تاویل نہ کی جائے. لیکن معتزلہ کے جواب میں متکلمین نے اگر کہیں کوئی تاویل کی ہے تو اس کا انکار بھی نہ کیا جائے جس طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ یا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ائمہ ہدیٰ ہیں. اسی طرح امام ابوالحسن الاشعریؒ اور امام ابوالمنصور ماتریدیؒ بھی ائمہ اہل سنت میں سے ہیں. ان میں سے کسی کی تضلیل و تفسیق جائز نہیں ہے. اختلاف اور بات ہے.

عقائد میں ان کی موافقت تو ہو سکتی ہے لیکن پیروی نہیں. پیروی کا تعلق عمل سے ہے اور اسلام میں اعمال کا دائرہ احکام ہیں اور تقلید صرف احکام میں ہوتی ہے. اصلاحِ باطن اور تزکیہ قلب کے لیے اہلِ سلسلہ نے جو طریق علاج وضع کیے ہیں، وہ احکام کے ذیل میں نہیں آتے. یہ اپنی

اپنی واردات ہیں۔ سو عقائد و احکام اور تزکیہ قلوب میں تقلید کا تعلق صرف احکام سے ہے۔ عقائد اور اعمال قلب سے نہیں۔

تعجب ہے کہ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل صاحب اتنی بات نہ سمجھ سکے اور اہلسنت کی ان تین نسبتوں میں حدود تقلید انہیں معلوم نہ ہو سکیں۔ آپ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

> ارباب تقلید کا عجیب حال ہے وہ بیک وقت تین اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ عقائد میں ابوالحسن اشعری یا ماتریدی کی۔ تصوف میں ان کی نظریں شیخ عبدالقادر جیلانی اور باقی متعارف سلاسل کی اقتدار کے لیے بے قرار ہوتی ہیں اور فروعِ فقہیہ میں وہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو واجب فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں شبہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مقلد ہیں [1]

زمانہ بدلنے سے عقائد نہیں بدلتے نہ زمانے کی رفتار تصوف پر کسی طور اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ صرف فروع فقہیہ ہیں جو ارتقاء زمانہ کے ساتھ بدلتے ہیں۔ فقہاء عصر اس کے ساتھ ساتھ استنباط و استخراج کرتے ہیں۔ تقلید کی حدود احکام تک ہیں۔ عقائد و تصوف دائرہ فقہ میں نہیں آتے۔ پھر اگر اہلسنت ان تین دائروں میں تین اماموں کی تقلید کرتے بھی ہیں تو مولانا محمد اسماعیل صاحب ان کو یہ الزام دے سکتے تھے کہ وہ تقلید شخصی پر نہیں رہے تین ائمہ کے مقلد ٹھہرے لیکن مولانا نے اس صورتِ حال میں انہیں غیر مقلد کیسے سمجھ لیا —— یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آئی۔

عقائد میں اجتہاد نہیں ہوتا

عقائد میں اجتہاد نہیں ہوتا۔ اجتہاد کا موضوع احکام ہیں۔ یہ احکام ہیں جن میں علتِ حکم

[1] مقدمہ ترجمہ قرآن صہ ۲۲ فاروقی کتب خانہ ملتان

کی تلاش ہوتی ہے۔ عقائد میں کبھی علت کی تلاش نہیں ہوتی۔ اسی طرح وارداتِ قلبیہ میں اجتہاد نہیں ہوتا۔ اجتہاد وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی بات پردے میں ہو۔ وارداتِ قلبیہ میں پردے اُٹھتے ہیں اٹھتے نہیں۔ سو اجتہاد کا موضوع صرف احکام ہیں۔

اجتہاد اور تقلید ایک دوسرے کے مقابلے کے لفظ ہیں۔ جن دائروں میں اجتہاد ہو سکے گا تقلید کی حدود بھی وہیں ہوں گی جب اجتہاد کا موضوع احکام ہیں تو تقلید کی ضرورت بھی احکام ہیں ہوگی عقائد میں نہیں۔ عقائد اور وارداتِ قلبیہ فقہ کے دائرہ میں نہیں آتے۔

مشرکین جو تقلید آباء کرتے تھے وہ عقل واہتداء کے بغیر تھی اور عقائد میں تھی۔ یہ تقلید بے شک مذموم ہے۔ سورۂ ہود کی آیت مایعبدون الا کما یعبد اباءھم کے تحت علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں:۔

وفی الآیۃ ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلا دلیل وھو جائز فی الفروع والعملیات ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لا بد من النظر والاستدلال [1]

ترجمہ: اور اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اور اس سے مراد کسی دوسرے کی بات کو بلا طلب دلیل قبول کرنا ہے اور وہ جائز ہے۔ فروعی مسائل میں اور یہ (تقلید) اصولِ دین میں جائز نہیں نہ اعتقادیات میں یہ چل سکتی ہے ان میں نظر و استدلال سے چارہ نہیں (اس کے بغیر عقیدہ قائم ہی نہیں ہو سکتا)

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۲ھ) سورۂ توبہ کی آیت: وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

ان التقلید غیر کاف فی الدین انہ لا بد من النظر والاستدلال [2]

ترجمہ: اصولی مسائل میں تقلید کفایت نہیں کرتی عقائد میں نظر و استدلال کی ضرورت ہے۔

---

[1] روح البیان جلد صـ [2] تفسیر کبیر جلد صـ

امام رازیؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ عمل تو تقلید سے بن جاتے ہیں۔ عقائد میں نظر و سمجھ کی ضرورت ہے۔ جب تک کوئی شخص سمجھ سے کوئی عقیدہ اختیار نہ کرے اسے عقیدہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ گرہ ہے جو جب تک دل میں نہ بندھے اسے عقیدہ نہیں کہا جا سکتا۔

مذاہب اربعہ فروع و عملیات میں بے شک مختلف ہیں مگر عقیدہ میں سب ایک ہیں اور اس اعتقاد پر ہیں جو امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) لکھ چکے۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:-

هذه المذاهب الاربعه و لله تعالیٰ الحمد فی العقائد واحده ......

یقرون عقیدة الطحاوی ابی جعفر الطحاوی التی تلقاها العلماء سلفاً و خلفاً بالقبول[1]

ترجمہ۔ مذاہب اربعہ خدا کے فضل سے عقائد میں سب ایک ہیں اور اسی عقیدہ پر ہیں جو امام ابوجعفر طحاوی کا ہے۔ علمائے سلف و خلف سے اسے قبول کرتے آتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ تقلید اعمال میں ہے عقائد میں نہیں۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) اگر ان عبارات کو دیکھ لیتے تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ مقلدین عقائد میں امام ابوالحسن الاشعریؒ یا امام ابوالمنصور ماتریدیؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ عقائد تقلید کا موضوع ہی نہیں۔ متکلمین نظر و استدلال کو روشن کرتے ہیں فتوے نہیں دیتے جو اعتماداً قبول کیا جائے۔

ہاں مولانا اسماعیل صاحب امام رازیؒ اور علامہ سبکیؒ کی بات یہ کہہ کر رد کر دیں کہ یہ دونوں بھی تو مقلد ہیں۔ ان کی بات کا کیا اعتبار ــــــ تو ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکیں گے کہ آئندہ آپ بھی اپنے ہاں کسی مقلد سے استناد نہ کیا کریں۔ وہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہو یا حافظ ابن تیمیہؒ ــــــ ان حضرات کی بات اگر مقلد ہونے کے باوجود لی جا سکتی ہے تو امام رازیؒ اور علامہ سبکیؒ کی کیوں

---

[1] معید النعم و مبید النقم صـ ۳۲

نہیں لی جا سکتی؟ علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:-

فما يحل الاستفتاء فيه الظنية لا العقلية على الصحيح.

ترجمہ: سو جن امور میں استفتاء ہو سکتا ہے وہ امور ظنیہ ہیں امور عقلیہ میں نہیں مذہب صحیح کے مطابق ان میں استفتاء نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ امیر بادشاہ بخاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

فما يحل الاستفتاء فيه الاحكام الظنية لا العقلية المتعلقة بالاعتقاد فان المطلوب فيها العلم على المذهب الصحيح فلا يجوز التقليد فيها بل يجب تحصيلها بالنظر الصحيح۔[1]

ترجمہ: جن امور میں استفتاء کرنا (فتوے پوچھنا) جائز ہے وہ اجتہادی احکام ہیں نہ کہ عقلی جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ عقائد میں مذہب صحیح کے مطابق علم درکار ہے عقائد میں تقلید نہیں ہو سکتی۔ عقائد صحیح نظر سے ہی اختیار کیے جا سکتے ہیں (تقلید سے نہیں)۔

علماء اہلسنت، امام ابوالحسن الاشعریؒ یا امام ابوالمنصور الماتریدیؒ سے عقائد میں روشنی اور وضاحت تو حاصل کرتے ہیں لیکن ان کی تقلید نہیں کرتے۔ تقلید عمل میں ہوتی ہے عقیدہ میں نہیں۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) اس باریک فرق کو سمجھ نہیں سکے۔

مقلد کے ایمان کا اعتبار

اگر کوئی شخص مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوا اور اس نے عام مسلمانوں کی پیروی میں حضورؐ کو اللہ کا رسول برحق مانا مگر اسے وہ دلائل معلوم نہیں جن سے حضرت خاتم النبیین کی رسالت ثابت ہوتی ہو تو اس کے ایمان کا بالاتفاق اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں غیر مقلد بھی نہیں کہتے کہ ایمان تقلیدی معتبر نہیں وہ صرف اعمال میں تقلید کی مخالفت کرتے ہیں وہ کون سے اعمال ہیں جو فقہ کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس کی بحث آگے آرہی ہے۔

اتباعِ فقہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :۔

تاریخِ تقلید

اجتہاد اور تقلید کی تاریخ ایک ساتھ شروع ہوتی ہے۔ استادی اور شاگردی ایک ساتھ چلتی ہیں۔ استاد نہ ہو تو شاگرد نہیں اور شاگرد نہ ہو تو استاد، استاد کیسے بنا؟ اجتہاد خود آنحضرتؐ کے زمانے سے شروع ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کے ماننے والے بھی اسی دور کے لوگ ہوں گے۔ سو اس میں شک نہیں کہ اکابر صحابہؓ اجتہاد سے جو مسائل بتاتے تھے دوسرے صحابہؓ انکی پیروی کرتے تھے اور ہر بات میں ان سے دلیل کا مطالبہ کرنا ان کا طریق نہ تھا عمل کی زیادہ سرحدیں اجتہاد سے عبور کی جاتی تھیں اور علم ہوتے ہوئے بھی زیادہ علم والے کی پیروی کرنا (تقلید اعلم) کسی جہت سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا بعض صحابہؓ حضورؐ کی زندگی میں افتار کا کام کرتے رہے اور ان کا امت مسلمہ کی اس ذمہ داری کو ادا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے ہوتا تھا۔

اگر اس وقت امت کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس کو اکابر صحابہؓ کے فتووں اور فیصلوں کی ضرورت ہو تو یہ اکابر آخر کن لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے؟ یہ صورت حال کیا اس کا پتہ نہیں دیتی کہ مطلق تقلید صحابہؓ کے وقت میں جاری تھی اور اسے خیر القرون میں کسی جہت سے عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ عہد صحابہؓ اور تابعینؒ میں سینکڑوں ایسے لوگ تھے جنکی پیروی امت میں جاری تھی اور وہ حضرات اپنے اپنے حلقے میں مجتہد مطلق تھے لیکن جب ائمہ اربعہؒ نے اصول فقہ مرتب کیے اور اسلام کا ذخیرۂ علم مدون ہو گیا تو اب وہ کثیر اختلافات سمٹ کر چار میں محدود ہو گئے اور وہ بھی کہیں کہیں ۔۔ ائمہ کی ان محنتوں سے عہد صحابہؓ کے اختلافات کم ہوتے گئے اور امت وسعت عمل کی سہولت کے ساتھ ساتھ ایک وحدت میں آتی گئی۔ اسلام کا یہ قافلہ چودہ سو سال سے اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اپنے چار فقہی اختلافات کے باوجود ایک قوم اور ایک امت ہیں۔

---

[1] تیسیر التحریر جلد ۴ صد ۲۴۳

اُمّت کا آغاز ہی اعتماد سے ہوا ہے

اس دین کی ابتداء اعتماد سے قائم ہوئی اور اب تک امت اس اعتماد کے سایہ تلے اپنے اسلاف سے وابستہ رہی ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابة وتبع تابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذلک لان الشریعة لایعرف الا بالنقل و الاستنباط والنقل لایستقیم الا بان یاخذ کل طبقة عمن قبلھا بالاتصال[1]

ترجمہ: بیشک امت کا اس پہ اتفاق رہا کہ شریعت جاننے میں وہ سلف پہ اعتماد کریں۔ تابعین کرامؒ نے اس میں صحابہؓ پہ اعتماد کیا اور تبع تابعینؒ نے تابعینؒ پہ ـــ اور اسی طرح ہر طبقہ علماء اپنے سے پہلوں پہ اعتماد کرتا رہا عقل بھی اس اعتماد کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے شریعت کی راہ نقل و استنباط کے سوا کوئی نہیں اور نقل قائم نہیں ہوتی جب تک ہر طبقہ اس میں اپنے سے پہلے طبقے سے متصل نہ ہو۔

پھر ہم پیچھے کہہ آئے ہیں کہ تقلید مطلق صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں شروع ہو چکی تھی۔ اور اس کا کوئی منکر نہ تھا کہ کسی صاحبِ علم پہ اعتماد کر کے اس کی بات کو مان لینا کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہی بات کہے گا۔ اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا جائز ہے اور وقت کی ایک بڑی

[1] عقد الجید صد ۳۶

ضرورت ہے۔ حافظ خطیب بغدادیؒ کا بیان آپ الفقیہ والمتفقہ سے دیکھ آئے ہیں عہدِ صحابہؓ میں اہل عراق اہل حجاز اور اہل شام میں فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر قائم ہو چکے تھے۔ ان میں اختلاف تو تھا لیکن خلاف نہ تھا اور تقلید عام رائج تھی۔

امام مسلم لکھتے ہیں اسلام کے پہلے دور میں سند نہیں مانگتے تھے اعتماد سے کام چلتا تھا۔

دائرہ اجتہاد میں اگر امام کو صاحب مذہب کہہ دیا جائے تو ابتدائی دور میں اسے ہرگز عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد صحابیؓ ہیں۔ حضرت معاویہؓ بھی ایک مجتہد درجے کے صحابی ہیں۔ کسی مسئلے میں ان دونوں اماموں کا موقف ایک تھا۔ اسے امام نوویؒ شارح صحیح مسلم ان لفظوں میں نقل کرتے ہیں:-

وهو مذهب معاذ بن جبل ومعاوية۔[1]

ترجمہ۔ یہ مذہب ہے حضرت معاذ بن جبلؓ کا اور معاویہؓ کا۔

حافظ ابن قیمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے موقف اور رائے کو بھی مذہب کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ ابن قیمؒ امام محمد بن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) سے نقل کرتے ہیں۔

لم يكن احد له اصحاب معروفون حرروا فتياه ومذاهبه في الفقه غير ابن مسعودؓ وكان يترك مذهبه وقوله لقول عمر وكان لا يكاد يخالفه في شئ من مذاهبه۔[2]

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کوئی نہ تھا جس کے اتنے معروف شاگرد ہوں اور فروعات میں اس کے فتووں اور مذاہب کو قلمبند کرتے ہوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کا فتوے سامنے آنے پر اپنا مذہب اور قول سب چھوڑ دیتے تھے اور حضرت عمرؓ سے ان کے کسی مذہب (فتوے) پر اختلاف نہ کرتے تھے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ص [2] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۶

اس سے پتہ چلا کہ عہدِ صحابہؓ میں کسی امام فقہ کی طرف مذہب کی نسبت ہرگز کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔

سو بعد کے یہ الفاظ کہ یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور یہ مذہب ہے امام مالکؒ کا۔ علمی دنیا میں ہرگز کسی وحشت کا سبب نہ ہو چاہئیں۔ پہلے دور میں تقلید صرف عامی کے لیے نہ تھی۔ بڑے بڑے ائمہ بھی اپنے سے بڑے اہل علم کی پیروی کرتے تھے اور اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

فلا تجد احدًا من الائمۃ الا وھو مقلد من ھو اعلم منہ فی بعض الاحکام۔[1]

ترجمہ۔ اور اس لیے تم ائمہ میں سے کسی کو نہ پاؤ گے مگر یہ کہ وہ کچھ مسائل میں اپنے سے زیادہ علم والوں کی تقلید کرتا ہوگا۔

صحابہؓ میں عالم اعلم کی اقتداء میں

(۱) ——— حضرت عمرؓ کے علم و فضل اور فقہ و بصیرت میں کسے تردد ہو سکتا ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ کعبہ میں جتنا سونا چاندی دھرا ہے وہ سب لوگوں میں تقسیم کر دوں۔ حضرت شیبہ بن عثمانؓ نے کہا آپ کو اس کا حق نہیں۔ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت شیبہ بن عثمانؓ کہتے ہیں:۔

قلت لیس ذٰلک لک قد سبقک صاحباک لم یفعلا ذٰلک فقال ھما المرأن یقتدی بھما۔[2]

ترجمہ۔ میں نے کہا آپ کو اس کا حق نہیں۔ آپ کے دونوں پہلے ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعی وہ دو ایسی ہستیاں ہیں کہ ان کی پیروی کی جانی چاہیئے۔

---

[1] الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ صـ ۶۸ [2] مسند امام احمد جلد ۳ صـ ۴۱۰

حضورؐ تو حقِ رسالت میں لائقِ اقتداء ہیں۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کیوں؟ یہ محض اس لیے کہ عالم کے لیے اپنے سے بڑے عالم کی اقتداء میں چلنا جائز ہے۔ گو ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔ لیکن اگر کوئی کرے تو یہ شرک فی الرسالت نہیں کسی نے حضرت عمرؓ کو نہ کہا کہ آپ نے هما المرأن يقتدى بهما کہہ کر حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ اگر تقلید شریک فی الرسالت ہوتی تو صحابہؓ حضرت عمرؓ کے اس فرمان پر ضرور نکیر کرتے۔

(۲) ــــ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل اور فقہ و بصیرت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ چلا۔ آپ نے کہا۔ اگر حضرت عمرؓ اسے اختیار کرلیں تو میں بھی اس کے لیے تیار ہوں۔ حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

كان يترك مذهبه وقوله لقول عمر وكان لا يكاد يخالفه فى شئ من مذاهبه ويرجع من قوله الى قوله وقال الشعبى كان عبدالله لا يقنت وقال لو قنت عمر لقنت عبدالله۔[1]

ترجمہ۔ آپ اپنی تحقیق اور اپنا قول حضرت عمرؓ کے فیصلے کے آگے چھوڑ دیتے تھے اور اپنے فیصلوں میں کبھی ان کا (حضرت عمرؓ) خلاف نہ کرتے تھے اپنی بات سے ان کی بات کی رجوع کرتے۔ علامہ شعبیؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (فجر کی نماز میں) قنوت نہ پڑھتے تھے۔ فرماتے اگر حضرت عمرؓ یہ دعائے قنوت پڑھیں تو میں بھی پڑھ لوں گا۔

(۳) ــــ ایک صحابی نہیں صحابہؓ کا گروہ کا گروہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پیروی میں کس طرح چلا اسے حضرت ابو مسلم الخولانی سے سنیئے :۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۶

آپ کہتے ہیں میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا تو وہاں ایک علمی حلقہ دیکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھیڑ عمر کے کئی صحابہؓ نظر آئے۔ ان میں ایک نوجوان جس کی آنکھیں سرمگیں تھیں اور اگلے دانت چمکدار تھے بیٹھا تھا ابو مسلمؒ کہتے ہیں :-

کلما اختلفوا فی شیء ردوہ الی الفتی فتی الشاب قال قلت لجلیس لی من ھذا قال ھذا معاذ بن جبل [1]

ترجمہ۔ جب وہ حضرات کسی شئے میں اختلاف کرتے تو آخر کار اسے ایک نوجوان کی طرف لوٹاتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ اس نے بتایا معاذ بن جبلؓ۔

پیشِ نظر رہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یہاں بطور قاضی مقدمے نہ سن رہے تھے۔ مسائل کا علمی مذاکرہ تھا اور سب اعلم کی طرف رجوع کر رہے تھے اور وہ نوجوان مدینہ منورہ سے حضورؐ سے مجتہد ہونے کی سند لے کر آیا تھا۔ ان موجود صحابہؓ کا اپنے اجتہاد سے رکنا اور حضرت معاذؓ کی رائے پر آجانا یہ حضرت معاذؓ کی تقلید تھی :-

اذا اختلفوا فی شیء اسندوا الیہ وصدروا عن رایہ۔ [2]

ترجمہ۔ جب صحابہؓ میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو جاتا تو وہ اسے حضرت معاذؓ کے سپرد کرتے اور ان کی رائے کو (ان کے فتوے کو) لے کر لوٹتے۔

اہل علم کا فتوے وہ علمی رائے ہے جسے وہ صادر کرتے ہیں۔ اس پر انہیں یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ رائے پر چلتے ہیں۔ جو رائے کتاب وسنت کی روشنی میں قائم کی جائے وہ اجتہاد ہے فقہ ہے محض رائے نہیں نہ اسے محض رائے کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے۔

(۴) ـــــ کوفہ میں دو بڑے عالم تھے۔ ایک والی کوفہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ـــــ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو بقول صفوان بن سلیم

---

[1] مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۳۶ [2] ایضاً ص ۲۳۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجاز فتوے ہو چکے تھے۔ کوفہ میں ان دنوں حضرت علیؓ نہ آئے تھے۔ خلافتِ عثمانی میں یا فتوے یہاں حضرت ابو موسےٰؓ کا چلتا تھا یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا — ایک مسئلہ میں حضرت ابو موسےٰؓ کی رائے اور تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اور — جب حضرت ابو موسےٰؓ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:۔

لا تسئلونی ما دام ھٰذا الحبر فیکم۔[1]

ترجمہ۔ مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

یہ مسئلہ وراثت کے باب میں تھا۔ ایک دفعہ رضاعت میں ایک مسئلہ اٹھا اس وقت بھی حضرت ابو موسےٰؓ نے یہی کہا:۔

لا تسئلونی عن شیء ما اقام ھٰذا بین اظھرنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ۔ مجھ سے تم کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو جب تک عبداللہ بن مسعودؓ ہم اصحابِ رسول میں موجود ہیں۔

یہ صورتِ عمل تمام اہل کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ نے تو قسم کہہ دیا تھا:۔

واللہ لا افتیکم ما کان بھا۔[3]

ترجمہ۔ بخدا میں تمہیں کبھی فتوے نہ دوں گا جب تک یہ وہاں موجود ہیں۔

(۵) — ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی منزلتِ علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ اپنے سے اعلم، حضرت علی المرتضیٰؓ کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے کوئی رائے قائم کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۷ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ [2] رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۲ [3] رواہ عبدالرزاق کما فی کنز العمال صفحہ ۲ جلد ۱۴

عن ابن عباسؓ قال اذا حدثنا ثقة عن علی لم نتجاوزها۔[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں جب کوئی ثقہ شخص ہمیں کہہ دے کہ علیؓ نے ایسا کہا ہے تو پھر ہم کسی اور طرف نہ جاتے تھے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے۔ مکہ کے رستہ میں نازیہ کے مقام پر اپنی سواریاں گم کر بیٹھے۔ اس تلاش اور پریشانی میں حج کا دن بھی گزر گیا۔ قربانی کے دن (۱۰ تاریخ کو) آپ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔

فقال عمر بن الخطابؓ اصنع مایصنع المعتمر ثم قد حللت فاذا ادرکك الحج قابلاً فاحج واھد ما تیسر من الھدی۔[2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے کہا اب آپ وہ کریں جو عمرے والا کرتا ہے (حج کا دن تو گیا) آپ احرام سے نکل آئیں گے جب اگلے سال آپ کو حج ملے تو حج کریں اور جو قربانی میسر ہو دے دیں۔

دیکھیئے یہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عمرؓ سے دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے نہ حدیث پوچھتے ہیں۔ ان کے اعتماد پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں۔ اگر کسی عالم کے قول پر اس سے دلیل پوچھے بغیر عمل کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عمرؓ کی تقلید کیوں کرتے۔ ان سے دلیل کیوں نہ پوچھتے؟

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۶۰ [2] موطا امام مالک صفحہ ۱۴۹

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ شیخینؓ کی پیروی میں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کس حیثیت کے آدمی تھے؟ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں. آپ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کے پیچھے نماز پڑھی. حضرت عمرؓ نے کس طرح آپ کو تقلید اعلم کی تربیت دی. یہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں. آپ پر اس کا اتنا اثر تھا کہ جب آپ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے الیکشن کمیشن مقرر ہوئے تو آپ نے نئے منتخب ہونے والے خلیفہ کے لیے اتباعِ سیرتِ شیخین کی پابندی لگائی.

کیا اس وقت کتاب وسنت کی پیروی کافی نہ تھی؟ یقیناً تھی لیکن ان کے سمجھنے میں اگر کہیں اہل علم کا اختلاف ہوجائے تو شیرازۂ امت بندھا رکھنے کے لیے قرآن و حدیث کے بعد بھی بڑوں کی پیروی لازمی ٹھہرتی ہے. حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب یہ شرط پیش کی تو امت کے اکابر صحابہؓ موجود تھے. کسی نے اسے کتاب وسنت پر زیادتی نہ سمجھا. صحابہؓ کی اکثریت نے اسے درست سمجھا.

حضرت عثمانؓ شیخینؓ کی پیروی میں

حضرت عثمانؓ خود مجتہد تھے. ان کی علمی اور فقہی منزلت سے کون واقف نہیں. آپ مدتوں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سیکرٹری رہے اور خلافت کی تمام ذمہ داریوں سے بخوبی واقف تھے بایں ہمہ آپ نے سیرتِ شیخین کی پابندی کی شرط قبول فرمائی اور اسے خوب نبھایا. اگر کہیں کسی باب میں اختلاف کیا تو اس طرح جس طرح امام محمد اور طحاوی کبھی امام ابوحنیفہؒ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرلیں.

حضرت علیؓ خلفائے ثلٰثہؓ کی پیروی میں

آپ خود فرماتے ہیں میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور انہی شرطوں پر انہوں نے میری بیعت کی جن شرائط پر انہوں نے ان کی بیعت

کی تھی. ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمانؓ سے یہ شرط لی گئی تھی تو حضرت علیؓ کی بیعت میں بھی یہ شرط ضرور رہی گی. آپ فرماتے ہیں :۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ.[1]

ترجمہ: میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے پہلوں کی بیعت کی اور انہی شرطوں پر جو ان سے کی گئیں.

قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے دورِ خلافت میں کوئی ایسا کام بھی نہ کرسکتے تھے جو ان کے تین پیشرووں کے خلاف ہو.

حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد.[2]

ترجمہ: حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں دیکھا کہ لوگ اکثریت سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اچھی سیرت کے قائل ہیں. آپ یہ ہمت نہ رکھتے تھے کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کی خلافت کے خلاف ہو.

حضرت علیؓ باوجود مجتہد ہونے کے اپنے پیشرؤں کی پیروی کرتے رہے. فدک کی زمین آپ کی حدودِ ولایت میں تھی. آپ نے وہ حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو نہ دی. اس کی آمدنی اہلبیت کرام کو دیتے رہے اصل زمین بیت المال کی ملکیت رہی. علی نقی شارح نہج البلاغۃ لکھتا ہے :۔

ابوبکر غلہ و سود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد و خلفاء بعد از او ہم برآں اسلوب رفتار نمودند.[3]

پھر حضرت حسنؓ نے بھی حضرت معاویہؓ پر یہ شرط لگائی کہ وہ پہلے خلفاء کرام کی سیرت پر چلیں ان دنوں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ پیغمبر کے سوا کسی کی پیروی نہ کرو.

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ صد ۱۰۲ [2] مجالس المؤمنین جلد ۱ صد ۵۴ [3] شرح نہج البلاغۃ جلد ۵ صد ۹۶۰

تابعینؒ صحابہؓ کے اقوال کی پیروی میں

تابعینؒ میں صحابہؓ کے قول کی پیروی ہرگز کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔ ان میں ایسے لوگ نہ تھے جو کہیں اقوال کو چھوڑو حدیث کی تلاش کرو۔ ان کے ذہن میں اقوال فقہ حدیث کے مقابل نہ تھے حدیث کا حاصل عمل ہی ان کے ہاں قول فقہ سمجھا جاتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے :-

ان اهل المدينة سألوا ابن عباسؓ عن المرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد[1]

ترجمہ۔ مدینہ کے لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا۔ ایک عورت فرض طواف کے بعد ایام میں ہوگئی۔ اب کیا وہ (طواف وداع کیے بغیر) جا سکتی ہے؟ آپ نے کہا جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کا قول نہ لیں گے زید بن ثابتؓ کے قول پر رہیں گے۔

مدینہ والے دلیل کی تحقیق نہ پڑے۔ انہوں نے یہ نہ کہا کہ اس مسئلے میں حدیث کی تلاش ہیں بلکہ ان کے ہاں فقہاء صحابہؓ کے اقوال پر عمل کرنا کسی قول کو لینا اور کسی کو نہ لینا دین پر عمل کرنے کی ایک راہ تھی۔ یہ تقلید ہے کہ اہل علم کے قول پر بایں خیال کہ وہ دلیل کے مطابق بات کہیں گے عمل کرنا اور دلیل کی بحث میں نہ پڑنا یہ وہ راہ ہے جس پر قومیں ہمیشہ چلی ہیں۔ اس سے پتہ چلا مدینہ والوں میں ان دنوں حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید جاری تھی۔

دلیل کی طرف حضرت ابن عباسؓ نے توجہ دلائی کہ مدینہ جا کر حضرت ام سلیمؓ سے پوچھ لینا مگر مقلدین اسی قول پر رہے جب تک کہ حضرت زیدؓ نے اس سے رجوع نہ کر لیا۔۔۔۔ حضرت زیدؓ نے اپنے اس فیصلے کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو بھی دی۔ یہ مجتہدین کا اپنا معاملہ ہے مقلدین اپنے امام کے قول کے پابند رہنے میں کوئی شرعی حرج نہ سمجھتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۲۳۷

تقلید کی ایک اور مثال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص پر ایک معین مدت کا قرض ہے صاحب مال کو ضرورت پڑی وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اپنی رقم واپس مانگتا ہے اور اس قبل از مدت لینے کے بدلے اپنا مال چھوڑتا ہے کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے؟

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں :۔

فکرہ ذلک ونھی عنہ[1]

ترجمہ: آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اس سے اسے روک دیا۔

سائل نے آپ سے اس قول کی دلیل نہیں پوچھی نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر کوئی دلیل بیان کی یہی تقلید ہے کہ مجتہد کے علمی اعتماد پر کوئی مقلد اس کے قول پر عمل کرے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اس فتوے پر قرآن کریم یا سنتِ نبوی سے کوئی دلیل پیش نہیں کی حضرت ابو ایوبؓ نے اس پر بلا طلب دلیل عمل کیا۔ دوسرے کے قول پر بلا طلب دلیل عمل کرنا اور اس پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہؓ کے عہد میں تقلید جاری تھی اور صحابہؓ میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ۱ مجتہد یا ۲ مقلد۔ غیر مقلد ان دنوں کوئی نہ تھا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں لکھتے ہیں :۔

صحابہ وتابعین ہمہ در یک مرتبہ نبودند بلکہ بعض ایشاں مجتہد بودند وبعض مقلد قال اللہ تعالیٰ لعلمہ الذین یستنبطونہ وحقیقت اجماع اتفاق مجتہدین است وغیر مجتہدین را در حل وعقد مدخل نیست پس دلیل ثالث از ادلہ اربعہ کہ اخذ بآں واجب است اتفاق مجتہدین لا غیر اگر در مسئلہ بعض اہل تقلید قولی گفتہ باشند ومجتہدین اتفاق نمودہ باشند بر قول دیگر دلیل قطعی کہ اخذ بآں واجب است ہماں قول مجتہدین خواہ بود۔[2]

اس سے واضح ہوا کہ دور صحابہؓ میں مقلدین تو تھے مگر غیر مقلدین اس دور میں کہیں نہ تھے۔

---

[1] موطا امام مالک صہ [2] قرۃ العینین صہ ۲۵۱ مکتبہ سلفیہ لاہور

عہدِ صحابہؓ میں تقلید کا ایک اور ثبوت

حضرت قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں ہم ایک دفعہ احرام باندھے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں سامنے سے ایک ہرن گزرا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اسے ایک پتھر مارا. آپ کا ارادہ اسے مارنے کا نہ تھا. مگر وہ مر گیا. اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ احرام کی حالت میں یہ کسی جانور کو مارنا کیسا ؟ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا. آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے پوچھا تو نے یہ پتھر عمداً مارا یا خطاً ؟— انہوں نے کہا پتھر تو عمداً مارا تھا مگر ہرن کو مارنے کا ارادہ نہ تھا آپ نے فرمایا تم نے عمد اور خطا کو جمع کر دیا ہے. عمد کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے خطا کی صورت میں صدقہ. لیکن یہ ایک عجیب صورت حال تھی عمد اور خطا جمع تھے. جب کچھ تردد پیدا ہو جائے اس کا فائدہ قصور وار کو پہنچتا ہے. آپ نے انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو دے دیا جائے

یہ حضرات بھی اہل علم تھے وہاں تو نہ بولے لیکن واپس آتے آپس میں کہنے لگے حرم میں جانور کا قتل بڑا سنگین معاملہ ہے ہمیں کفارہ دینا چاہیئے اور ایک اونٹ ذبح کرنا چاہیئے. حدیث میں یہ مسئلہ کہیں مذکور نہ تھا کہ یہ حضرات اس کے مطابق فیصلہ کرتے. اب اجتہاد سے چارہ نہ تھا یہ حضرات اپنا اجتہاد کریں یا حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر عمل کریں.

یہ صرف تقلید اعلم کا مسئلہ نہ تھا حضرت عمرؓ امام فقہ تھے. بلا دلیل اگر کسی کا قول قبول کیا جائے تو وہ قول کسی بڑے عالم کا ہونا چاہیئے. جتنا کسی کا علم اونچا ہو گا اتنا اس پر اعتماد پختہ ہو گا کہ اس کے فیصلے میں کتاب و سنت کی روح کارفرما ہو گی. کسی کی بات بلا دلیل ماننی ہے تو پھر وہ کسی بڑے امام کی بات ہونی چاہیئے.

قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں کہ ہماری بات کی حضرت عمرؓ کو خبر ہو گئی. آپ غصہ میں بھرے تشریف لائے اور کوڑے مارنے لگے. آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا:-

قتلت فی الحرم وسفهت الحکم وتغمص الفتیاء۔ تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۳۰

ترجمہ: تُو نے جانور کو حرم میں مارا میرے حکم کو بے وقوفی سمجھا اور اس فقہی فتوے کو نظرانداز کیا۔ (یہ کوڑے اس کی سزا ہیں)۔

معلوم ہوا جس مسئلہ قرآن و سنت کا منصوص فیصلہ نہ ملے اس میں صحابہؓ بھی فقہ سے کام لیتے تھے۔ امام کے فتویٰ کو معمولی سمجھنا ان کے ہاں ایک قابل تعزیر جرم تھا۔ ایسے مسائل میں صرف اتباع عالم کافی نہیں شیرازۂ امت کو بندھا رکھنے کے لیے تقلید اعلم کی ضرورت ہے۔

سوال: اگر اس دور میں صحابہؓ کی تقلید ہوتی تھی تو آج بھی انہی کی تقلید چاہیئے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیوں اختیار کی گئی ہے؟

جواب: صحابہ کرامؓ بے شک ایک اُونچے درجے کے امام فقہ تھے۔ مگر ان کا مذہب اپنے جملہ اصول و فروع کے ساتھ مدون نہیں ہوا۔ بطور ضابطہ کے تقلید ان ائمہ علم کی ہونی چاہیئے جن کا مذہب اصول و فروع میں مدون ہو چکا ہو اور ضرورت کے ہر موقع پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ اس امت میں اس پیرائے میں جو مذاہب مدون ہوئے وہ صرف چار ہی ہیں۔

پھر ان ائمہ علم کے اپنے فیصلوں میں پہلے دور کے ائمہ علم (حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ) کی پیروی موجود ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو فیصلے ہمیں صحابہؓ سے ملیں ہم انہیں بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ سو آپ کی فقہ از خود صحابہؓ کی فقہ کو شامل ہے۔

حضرت معین الدین اجمیری نے بجا لکھا ہے:-

امام اعظم حضرت فاروق اعظمؓ کے مقلد ہیں۔ [۱] القول الاظہر ص[۱]

آگے یہ اللہ رب العزت کی حضرت امام ابوحنیفہؒ پر عنایت ہے کہ ان کا مذہب اصول و فروع میں اس طرح مدون ہوا ہے کہ اس کی علمی دنیا میں اور کوئی مثال نہیں ملتی ان کے قریب قریب اور کسی امام کے مذہب کی تدوین پہنچتی ہے تو فقہ شافعی ہے۔

سو اس امت میں مسائل غیر منصوصہ میں اگر کوئی مذاہب فقہی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں تو وہ یہ مذاہب اربعہ ہی ہیں اور اس امت میں ایسے مواقع میں صرف انہی کی پیروی جاری ہوئی ہے۔

مقلّد اپنے امام کے خلاف کیا صحابہؓ کی بات کو لے

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کا مرتبہ ائمہ اربعہ کے مقام سے بہت اونچا ہے کوئی غیر صحابی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پا سکتا۔ کئی صحابہ ہیں جو بہ نص نبوی جنتی ہیں اور وہ سعادت ابدی پا چکے اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا تاج ترسب صحابہؓ کے سروں پر ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان کے مذاہب باضابطہ مدون نہ ہو پائے۔ کہاں مطلق کی تقیید ہے اور کہاں عام کی تخصیص علم کے یہ پہلو ان کی روایات کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے ــــ ائمہ اربعہ کی فقہیں جو مدوّن ہوئیں ان میں یہ ساری بحثیں ہو چکی ہیں۔ فقہ کی کتابوں کے حاشیے در حاشیے ان امور کی وضاحتوں میں لکھے گئے ہیں۔ سو ائمہ اربعہ کی مدون فقہ کے مقابل محض روایات پر گو وہ روایات صحابہؓ کی ہوں اپنے عمل کی بنیاد رکھنا اور ان روایات میں تقیید مطلق اور تخصیص عام خود کرنا ہرگز قرین دانش نہیں، یہ حق تو مجتہدین حضرات کا تھا۔

امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمین (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:-

ومما يتعين ذكره ان من وجد في زمانه مفتيا تعين عليه تقليده وليس له ان يرقى الى مذاهب الصحابة وبيان ذلك انه اذا ثبت مذهب ابي بكر الصديق في واقعة وفتوى مفتي الزمان خالفت مذهبه فليس للعامي المقلد ان يؤثر تقديم مذهب ابي بكر الصديق من حيث انه عقيدته افضل الخليفة بعد المرسلين عليهم السلام فان الصحابة وان كانوا صدور الدين واعلام المسلمين ومفاتيح الهدى ومصابيح الدجى فما كانوا يقدمون تمهيد الابواب وتقديم الاسباب قبل وقوعها...... فمن ظهر له وجوب اتباع الشافعي لم يكن له ان يؤثر مذهب ابي بكر على مذهب الشافعي وهذا متفق عليه۔[1]

---

[1] الغیاثی ص۱۷۲

ترجمہ. جو اپنے زمانہ میں کسی مفتی کو پائے اس پر اس کی تقلید کرنا متعین ہوگا اور اُسے یہ حق نہ ہوگا کہ مذاہب صحابہ کی طرف بڑھے جب کسی واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مذہب کا پتہ چلے اور وقت کے مفتی کا فتویٰ اس کے خلاف ہو تو عامی مقلد کے لیے یہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے مذہب کو مقدم کرے اس حیثیت سے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ انبیاء ومرسلین کے بعد سب سے افضل شخصیت ہیں سو صحابہؓ اگرچہ دین کے سردار مسلمانوں کے بڑے ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں کے چراغ ہیں لیکن انہوں نے واقعات پیش آنے سے پہلے نہ مسائل کے ابواب کی تمہیدیں باندھیں اور نہ ان وقائع کے اسباب مقدم رکھے (یہ وہ کام ہے جو فقہ مدون کرنے والے مجتہدین نے کیا) سو جس کا امام شافعی کی اتباع کرنا واضح ہو اسے نہ چاہیئے کہ اپنی رائے سے حضرت ابوبکرؓ کے مذہب کو امام شافعی کے مذہب پر ترجیح دینے لگے — یہ مسئلہ علماء میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر سب فقہا متفق ہیں.

امام الحرمین نے اپنے اس موقف کو متفق علیہ موقف قرار دیا ہے جس پر سب فقہاء کا اتفاق ہوا مذاہب اربعہ کے مقلدین اپنے مذہب کو تمہید ابواب تقدیم اسباب سے اور اصول وفروع سے مرتب کر چکے. ان روایات کو (کہ وہ اکابر صحابہ کی ہوں) سامنے لانا جن کے مطلق کی ابھی تقیید نہیں ہوئی اور عام کی تخصیص نہیں موجودہ دور کے اہل علم کا کام نہیں. اب صحابہ کی اتباع بھی ان ائمہ اربعہ کی اتباع کے ذریعہ ہی آئے گی. ائمہ اربعہ کے مذاہب جو مدون ہوئے وہ صحابہؓ کے مذاہب فقہیہ کی ہی منضبط صورتیں ہیں.

اہل سنّت کا عقیدہ ہے. مذاهب الائمة لا تنقطع بموتهم.[1]

ترجمہ. ائمہ مجتہدین کے فتوے اُن کی وفات کے بعد چلتے ہیں.

---

[1] الغیاثی للامام الحرمین ص۴۱۳ ص۴۱۴

علامہ عبدالرؤف المناوی (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں :-

لا یجوز تقلید الصحابة وکذا تقلید التابعین کما قاله امام الحرمین من کل من لم یدون مذهبه فیمتنع تقلید غیر الاربعة فی القضاء والافتاء لان المذاهب الاربعة انتشرت وتحررت حتی ظهر تقیید مطلقها وتخصیص عامها بخلاف غیرهم لانقراض اتباعهم وقد نقل الامام الرازی اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة واکابرهم[1]

ترجمہ: صحابہؓ کی اور اسی طرح (اکابر) تابعین کی جیسا کہ امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے کہا ہے جن کے مذاہب مدون نہیں ہو پائے تقلید جائز نہیں سو قضاء اور افتاء میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہ ہوگی کیونکہ ان کے مذاہب پھیل چکے اور لکھے جا چکے ہیں (پوری طرح مدون ہو چکے) ان کے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص ظاہر ہو چکی بخلاف دوسرے مجتہدین کے (جیسے امام ثوری لیث مصری اور اسحٰق) کہ ان کے ماننے والے نہ رہے بلکہ امام رازی نے اس پر محققین کا اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو اکابر صحابہؓ کی تقلید سے روکا جائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ائمہ اربعہ کا درجہ صحابہؓ سے زیادہ سمجھا گیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ارشادات ہمیں صرف کتب حدیث میں ملتے ہیں اور یہ بات ہمیں صرف علماء کے بتلانے سے معلوم ہوتی ہے کہ ان کا کونسا مطلق حکم دوسری نصوص کی روشنی میں تقیید چاہتا ہے اور ان کا کونسا عام حکم تخصیص رکھتا ہے لیکن ائمہ اربعہ کے مذاہب ان جیسے امور میں ایسے مدون ہو چکے ہیں کہ ان کی بات پر کھل چکی ہے۔ امت کی ضرورات میں قضاء اور افتاء ایسے نازک مراحل ہیں کہ کسی بھی بے پرواہی سے کسی مسلمان کا کوئی حق رہ جائے تو یہ آخرت میں قاضی اور مفتی کے ذمہ ہوگا سو ایسی صورت میں احادیث اور اکابر صحابہؓ کے اقوال سے خود کسی مسئلے کو ترتیب دینا اس کے مطلق کی تقیید کرنا یا اس کے عام کی تخصیص کرنا یا مجمل کی

---

[1] شرح جامع للسیوطی نقلاً عن خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق للشیخ عبدالغنی النابلسی م ۱۱۴۳ تالیف ۱۰۸۲ھ

تفصیل کرنا کسی احتمال خطا سے خالی نہیں لیکن فقہ مذاہب اربعہ میں یہ سب امور طے ہوئے ملیں گے۔ ان کے اصول وفروع سب مدون ہو چکے اور ایک ایک بات حاشیہ در حاشیہ میں آکر کھل چکی۔ سو قضا اور افتاء انہی کے مطابق چاہیئے خود سے صحابہ اور اکابر تابعین کے اقوال سے استنباط نہ کریں۔ شیخ عبدالغنی النابلسی (م) پہلے اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

واما تقلید مذهب من مذاهبهم الآن غیر المذاهب الاربعة فلا یجوز لا لنقصان فی مذاهبهم و رجحان المذاهب الاربعة علیهم لان فیهم الخلفاء المفضلین لعدم تدوین مذاهبهم وعدم معرفتنا الآن بشروطها وقیودها وعدم وصول ذلك الینا بطریق التواتر حتی لو وصل الینا شیء من ذلك جاز لنا تقلیده لکنه لم یصل کذلك۔

ترجمہ: سو اب ان مذاہب اربعہ کے سوا ان اکابر میں سے کسی کے مذہب کی پیروی کرنا جائز نہیں یہ اس لیے نہیں کہ ان کے مذاہب میں کچھ کمی ہے اور ان مذاہب اربعہ کو ان پر کچھ ترجیح ہے کیونکہ ان میں وہ خلفاء راشدینؓ بھی ہیں جنہیں تمام امت پر فضیلت حاصل ہے بلکہ اس کی وجہ ان کے مذاہب کا (اصول وفروع کے طور پر) مدون نہ ہونا ہے اور ہم ان کے فیصلوں کی شروط وقیود کو بھی نہیں جانتے اور وہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچے بھی نہیں اگر ہم تک ان کی یہ تدوین پہنچی تو ہمارے لیے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا لیکن ان کے مذاہب ہم تک [illegible] ح نہیں پہنچے۔

اس تفصیل پر ذرا غور فرمائیں کہ اب جو لوگ مقلدین پر فقہ کی پیروی میں یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ جب کھلی احادیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہیں تو وہ فقہ کو حدیث پر ترجیح دے رہے ہوتے ہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان احادیث اور آثار صحابہ میں نئے سرے سے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص معلوم کرنا عام علماء کے بس کا روگ نہیں۔ اس طرح اور کئی نئے مذاہب ابھریں گے اور امت میں ان علماء کی پیروی اور بھٹک جائے گی جو سرے سے مجتہد نہیں اور پوری روایات پر ان کی نظر نہیں۔

لہ ایضاً ص ۳

یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے نقشِ قدم پر چلیں اور ہم اس لائق تبھی ہو سکتے ہیں کہ ہم بھی اپنے سے پہلوں کے طریقے پر چلیں۔ ؎

کہتے ہیں دوستو! ماعرفنا سبھی ہو منتہی مبتدی ہو کوئی یا کہ

مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر

امام بخاریؒ اس آیت کا مضمون ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں:۔

واجعلنا للمتقین اماماً قال ائمۃ نقتدی بمن قبلنا ویقتدی بنا من بعدنا۔[1]

ترجمہ۔ اور تو ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم پہلوں کی اقتدا کرنے والے ہوں اور جو ہمارے بعد آئیں وہ ہماری پیروی کرنے والے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

ائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم۔[2]

ترجمہ۔ تم میری اقتدا کرو اور وہ جو تمہارے بعد آئیں وہ تمہاری پیروی کریں۔

اس میں آپ نے شریعت کا تسلسل بتا دیا۔ یہ اس طرح ہوگا کہ آنے والے لوگ صحابہؓ کی پیروی کریں۔ یہی راہ تاریخ میں شریعت کے تسلسل کی ہے

حافظ ابن حجرؒ اس روایت پر لکھتے ہیں:۔

وقیل معناہ تعلموا منی احکام الشریعۃ ویتعلم منکم التابعون بعدکم وکذلک اتباعھم ... الی انقراض الدنیا۔[3]

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے احکامِ شریعت سیکھو اور تم سے تمہارے بعد آنیوالے تابعین دین سیکھیں۔ اس طرح آگے پیرو ان کی پیروی کریں اور یہ نظام دنیا ختم ہونے تک رہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۰ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۹۹ [3] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۷۱

اب سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ان مذاہب اربعہ ہی سے قضاء و افتاء کی ضرورتیں پوری کی جائیں ؎

نہ اجتہاد عالماں کوتاہ نظر اقتدار رفتگان محفوظ تر

مقلد مجتہد کی پیروی میں جو فتوے دے گا اس میں اسے بھی خطا پر ایک اجر ملے گا۔

محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

حکم المقلد فی المسئلۃ الاجتہادیۃ کالمجتہد[1]

قرآن کریم میں امت کے تسلسل کا سبق

تاریخ تقلید اسی سے قائم ہوئی ہے کہ پچھلے پہلوں کے نقش قدم پر چلیں اور عمل کے ہر مرحلے پر دلیل کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہ ہو۔ یہ راہ بھی صحابہؓ کی اپنی اختیار کردہ نہیں۔ اللہ رب العزت کی تعلیم یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی ایک یہ دعا بتلائی ہے۔ وہ اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں:-

واجعلنا للمتقین اماما۔ (پ۱۹ الفرقان آیت ۷۴)

ترجمہ۔ اے اللہ! ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

ترکِ تقلید سے اُمّت میں اتحاد پیدا ہوا یا انتشار

ترکِ تقلید سے انسان میں جو آزادی پیدا ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں ہر انسان کی سوچ اور فکر اپنی اپنی ہوگی۔ احادیث بھی اسے ایک راہ پر نہ رکھ سکیں گی کیونکہ احادیث کا آپس میں بہت اختلاف ہے اور ہر جگہ ترجیح نہیں ملتی کئی جگہ تطبیق بھی دینی پڑتی ہے۔ ائمہ میں جو اختلاف اُبھرے وہ انہی احادیث کی بنا پر ہی تو تھے ___ سو اگر تقلید نہ کی جائے تو امت میں اتنے اختلافات اُبھریں گے کہ پھر اُن کو سمیٹا نہ جا سکے گا اور اس پر کئی سابق تجربے گواہ ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۸۸۸ء کے اشاعۃ السنہ جلد ۱۱ ص۵۳ پر اپنے پچیس برس کے تجربے کا حاصل یہی بتایا ہے۔

---

[1] راجع لہ خلاصۃ التحقیق للنابلسی ص۵

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) خلفائے راشدینؓ کی مقتدا رحیثیت کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں:۔

وکذلک فعل ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ..... انھم الائمۃ الاعلام

وقادۃ الاسلام ویقتدی بھم فی عصرھم وبعدھم[1]

ترجمہ۔ اور اسی طرح کیا حضرت ابوبکرؓ نے۔ حضرت عمرؓ نے اور حضرت عثمانؓ نے

بے شک یہ بڑے امام اور اسلام کے قائدین گزرے ہیں ان کی پیروی

ان کے اپنے عہد میں ہوتی رہی اور ان کے بعد بھی ہوتی رہے گی۔

اس میں یہ لفظ فی عصرھم وبعدھم قابل غور ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ان کی یہ پیروی اور اقتدار حاکم سلطنت اسلامی کی جہت سے نہیں۔ حکومت کا تعلق صرف اپنے دور سے ہوتا ہے ان ائمہ اعلام کی یہ پیروی اصحاب رسولؐ ہونے کی حیثیت سے ہے اور تابعین کے لیے شریعت کا تسلسل صحابہؓ کی پیروی میں ہے۔

یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ تو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ ایک اور انصاری صحابی جسے حضورؐ نے جنتی فرمایا۔ محض اس بشارت پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان کی اقتداء کے خواہاں ہوئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ اعلام کی اقتداء اور پیروی تسلسل شریعت کا نشان سمجھی جاتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس انصاری صحابیؓ کو کہتے ہیں:۔

فاردت ان اٰوی الیک لانظر ماعملک؟ فاقتدی بہ[2]

ترجمہ۔ میں نے ارادہ کیا کہ تیرے پاس آکر ٹھہروں اور دیکھوں تیرا ایسا عمل کونسا

ہے سو میں بھی اس کی پیروی کروں۔

یہ اپنے سے بزرگ تر امتی کی پیروی کیا ہے؟ یہی تو تقلید ہے ۔۔۔ ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو کسی حدیث کی تلاش نہ تھی۔ آپ اس انصاری صحابیؓ اللہ تعالیٰ

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۸۶ [2] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ عن انسؓ

کا مقبول بندہ سمجھ کر اس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی تقلید یہ وہی جذبہ ہے جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

واتبع سبیل من اناب الیّ۔ (پ ۲۱ لقمان آیت ۱۵)

ترجمہ۔ اور تو اس کے پیچھے چل جو میری طرف رجوع لائے۔

اس آیت میں یہ تخصیص نہیں کہ صرف انبیاء کی پیروی کرو جو بھی اللہ کے حضور جھکا ہوا ہو، اس کی تقلید کی جا سکتی ہے

مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اقتداء کا لفظ استعمال کیا ہے مقلدین اسے ہی تقلید کہتے ہیں ہم اس مقام پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اپنے اکابر کی پیروی جاری تھی اور وہ دلیل کی بحث میں گئے بغیر اکابر کے اعتماد پر ان کے اقوال پر ہی مدد کرتے تھے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس جذبہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا بھی اثر تھا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من نظر فی دینه الیٰ من هو فوقه فاقتدی به ونظر فی دنیاه الیٰ من هو دونه فحمد الله۔[1]

ترجمہ۔ جس نے اپنے دین میں اپنے سے بڑے کی طرف نظر کی اور اس کی پیروی کی اور دنیوی امور میں اپنے سے چھوٹے کی طرف دیکھا پس اس نے اللہ کا شکر کیا۔

کیا یہاں نیک لوگوں کی اقتداء کی ترغیب نہیں؟ اسلام میں اگر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت ہو اور امتی کی پیروی تقلیداً نہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ائمہ دین کی اقتداء کی ترغیب نہ دیتے۔

صحابہؓ کی مقتداء حیثیت لوگوں میں مسلم تھی۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا۔ اس میں

---

[1] ونحوه فی صحیح مسلم جلد ۲ صک ۴

آپ نے فرمایا تھا:-

من اراد ان یسأل عن الفرائض فلیأت زید بن ثابت ومن اراد ان یسأل عن الفقه فلیأت معاذ بن جبل۔[1]

ترجمہ: جس شخص کو وراثت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس جائے اور جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ (کوئی مجتہد فیہ مسئلہ) پوچھنا ہو، وہ حضرت معاذؓ کے پاس آئے۔

اس روایت سے جہاں یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ماحول میں سب لوگ عالم نہ ہوتے تھے کہ مسائل کو خود جانتے ہوں۔ یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ وہ علم کے مختلف دائروں میں ماہرین فن کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے فیصلوں کو اپنے لیے حجت اور دلیل سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ تم ان سے (حضرت زیدؓ سے یا حضرت معاذؓ سے) احادیث پوچھنا ——— بغیر دلیل پوچھے اعتماداً ان کی بات لینا کہ یہ کتاب و سنت کے مطابق ہی ہوگی یہی تو تقلید ہے ——— اگر ان حضرات سے صرف احادیث ہی معلوم کرنی ہوتیں تو حضرت عمرؓ انہیں حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذؓ کی طرف بھیجنے کی بجائے سیدھے حضرت ابوہریرہؓ یا حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کے پاس بھیجتے۔ ان سے زیادہ حدیث روایت کرنے والا اور کون تھا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ (۱۱۰ھ) جلیل القدر تابعی ہیں اور فن تعبیر کے امام ہیں۔ آپ سے مسئلہ پوچھا گیا غسل کے لیے حمام میں داخل ہونا کیسا ہے؟

فقال کان عمر بن الخطابؓ یکرھه۔[2]

ترجمہ: آپ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے۔

کسی چیز کو مکروہ قرار دینا ایک حکم شرعی ہے۔ امام ابن سیرینؒ کے پاس اس کے لیے حضورؐ کی کوئی حدیث موجود نہ تھی۔ آپ نے اس میں حضرت عمرؓ کے فیصلے پر اعتماد کیا اور آپ

---

[1] المطالب العالیہ جلد ۱ صفحہ ۵

سے پوچھنے والے نے بھی آپ سے اس پر حدیث طلب نہ کی بلکہ اعتماداً اس فیصلے کو قبول کرلیا۔ — معلوم ہوا اس دور میں صحابہ کی تقلید عام جاری تھی اور دلیل کی بحث میں پڑنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں تھا۔ آپ یہ حدیث پہلے پڑھ آئے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے حضرت سالمؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہؓ سے مسئلہ پوچھا گیا ایک شخص کا کسی پر کوئی میعادی قرض تھا۔ صاحب قرض کو ضرورت پڑی۔ وہ اس میں سے کچھ چھوڑنے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے وقت موعود سے پہلے وہ قرض واپس کردے۔ حضرت امام مالکؒ نقل فرماتے ہیں :-

فکرہ ذٰلك عبداللہ بن عمر ونھی عنہ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے مکروہ قرار دیا اور اس سے منع کیا

دیکھئے مسائل یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کی دلیل نہیں مانگ رہا بلکہ انہیں مجتہد اور فقیہ سمجھتے ہوئے ان کے فتوے پر عمل کرے گا یہی تقلید ہے۔

صحابہ کرامؓ کے فیصلے جو علمی تقدس رکھتے ہیں وہ اپنی جگہ ہے۔ پچھلے آنے والے لوگ تو ان کے اعمال کو بھی اپنے لیے سند بناتے تھے۔

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ جب مسجد میں نماز پڑھتے۔ تو اسے مختصر کرتے اور جب گھر میں نماز پڑھتے تو لمبی نماز پڑھتے۔ آپ کے بیٹے حضرت مصعبؒ نے آپ سے اس فرق کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا :-

یا بنی انا ائمۃ یقتدی بنا۔[2]

ترجمہ۔ بیٹا ہم (اصحاب رسول) ائمہ ہیں لوگ ہماری اقتداء کرتے ہیں۔

یعنی لوگ یہ نہ سمجھیں کہ نماز لمبی پڑھنی چاہیئے اس لیے میں ان کے سامنے نماز ہلکی پڑھتا ہوں۔

---

[1] مؤطا امام مالک ص۲۷۹ [2] رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۸۲

حضرت مصعبؒ نے اپنے والد سے اس فرق کی دلیل نہیں پوچھی۔ نہ یہ کہا کہ لوگوں کے ذمہ دلیل کی تحقیق ہے۔ اگر وہ آپ کو دیکھے لمبی نماز شروع کر دیں گے وہ خود گنہگار ہوں گے کہ انہوں نے آپ کی تقلید کیوں کی ــــ آپ کیوں فکر مند ہیں کہ امت غلط سمت پر نہ جا نکلے۔ اصل چیز دلیل ہے کسی بزرگ کی پیروی نہیں۔

(۲) حضرت طلحہؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ نے ایک دفعہ احرام میں رنگدار کپڑا اوڑھا۔ وہ گیرو رنگ کا تھا اس میں خوشبو نہ تھی۔ عام آدمی اس میں مغالطے میں پڑ سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو احرام میں رنگدار کپڑا پہننے سے منع کر دیا اور فرمایا :۔

انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس فلو ان رجلاً جاھلاً رای ھذا الثوب یقال ان طلحۃ بن عبید اللہ قد کان یلبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام۔[1]

ترجمہ۔ اے قافلہ والو! (اصحاب رسول) تم امام ہو لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں ناواقف آدمی جب اس کپڑے کو دیکھے گا تو وہ لوگوں کو کہے گا کہ حضرت طلحہؓ رنگدار کپڑے میں بھی احرام باندھ لیتے تھے۔

اندیشہ ہے کہ وہ احرام میں خوشبو والے رنگدار کپڑے اوڑھنا شروع کر دیں۔ اس لیے ان کے سامنے اس احتمال کو باقی نہ رہنے دینا چاہیئے۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ خود مجتہد تھے اور آنحضرتؐ نے ان کے پیچھے ایک دفعہ نماز بھی پڑھی۔ آپ نے ایک دفعہ

حضرت عمرؓ نے آپ کو اس سے منع فرمایا کہ اپنی مقتدار حیثیت کو پہچانیئے۔ لوگ اس میں آپ کی اقتدار کریں گے تو آپ ان کے لیے کیوں گنجائش پیدا کرتے ہیں ــــ اور فرمایا :۔

عزمت علیک الانزعتھما فانی اخاف ان ینظر الناس الیک فیقدون بک۔[2]

---

[1] موطا امام مالک صد ۱۳۲ [2] مسند امام احمد جلد ا صد ۱۹۲

ترجمہ: میں نے تمہارے خلاف عزم کر لیا ہے مگر یہ کہ تم انہیں (ان موزوں کو) اتار دو۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں دیکھیں گے اور تمہاری (اس میں) اتباع کریں گے۔

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین میں صحابہ کی متقدار حیثیت مسلم تھی۔ یہ لوگ دین اپنے سے اوپر والوں کے قول و عمل سے لیتے تھے جس بات پر صحابہؓ کو دیکھتے اس میں انہیں علمی تقدس نظر آتا اور وہ ان کی پیروی کرتے۔ دین کا علم و عمل امت میں اسی طرح طبقہ بہ طبقہ اعتماد سے پہنچا۔

(۴) قرأت خلف الامام کا مسئلہ اہل علم میں مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ صریح لفظوں میں اس کی نفی کرتے تھے:۔

لا قرأة مع الامام فی شیء[1]

ترجمہ: امام کے ساتھ کسی حصہ میں قرأت نہیں پڑھنا (نہ فاتحہ نہ مازاد علی الفاتحہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھتے تھے۔ مدینہ کے فقہاء سبعہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ سے کون واقف نہیں۔ وہ بھی امام کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھتے تھے۔

لیکن آپ (قاسم بن محمدؒ) محض اس لیے کہ بعض صحابہ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کے قائل تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ دونوں طرح عمل کر سکتے ہیں کیوں کہ دونوں طرف متقدار درجے کے لوگ موجود ہیں۔ ان کی تقلید میں کوئی پڑھ بھی لے تو ان شاء اللہ اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اجتہادی مسائل میں خطا ہو جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا لیکن یہ تبھی ہے کہ وہ کسی مجتہد کی پیروی میں ایسا کرے۔ حضرت ابن عمرؓ کے بیٹے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں:۔

کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام قال فسألت القاسم بن محمد عن ذٰلك فقال ان ترکت فقد ترکه ناس یقتدی بھم وان قرأت فقد قرأہ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵

ناس يقتدى بهم وكان القاسم ممن لا يقرأ۔[1]

ترجمہ حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھتے تھے (سالمؒ کہتے ہیں) میں نے قاسم بن محمدؒ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا اگر تم نہ پڑھو تو بے شک وہ لوگ (صحابہ) نہ پڑھتے تھے جن کی امت میں پیروی جاری ہوئی اور اگر تم پڑھو بھی تو پڑھنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جن کی امت میں تقلید چلی اور قاسم بن محمدؒ نہ پڑھنے والوں کے ساتھ تھے۔

اس سے پتہ چلا اجتہادی مسائل میں عمل تقلیدی ہونا چاہیئے۔ ان میں انسان مجتہدین کی پیروی کرے۔ جن کی امت میں اقتداء جاری ہوئی وہ امام کہلاتے ہیں۔

(۵) حضرت امام حسنؓ سے کسی نے پوچھا۔ آپ مسجد کے اس سقاوہ سے پانی پیتے ہیں اور یہ تو صدقہ ہے اور صدقہ بنو ہاشم پر حرام ہے۔ آپ نے جواب دیا۔

قال الحسن قد شرب ابوبکر وعمر من سقاية ام سعد فمه۔[2]

ترجمہ۔ حضرت حسنؓ نے کہا۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس کنویں سے جو حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے لگوایا تھا پانی پیتے دیکھا ہے تو اب اگر میں پیوں تو اس میں کیا ہے۔

صدقہ جس طرح بنو ہاشم کے لیے جائز نہیں امیرالمومنینؓ کے لیے بھی تو جائز نہیں ——— دیکھئیے حضرت امام حسنؓ نے کس طرح عملِ شیخین کی تقلید کی ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کی دلیل پوچھے بغیر ان کے عمل کو اپنے لیے سند سمجھا۔

کنواں تو صدقہ ہوتا ہے لیکن پانی کا صدقہ ہونا چہ معنی دارد؟ پانی کی تو کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اس سے نفع لینے میں سب برابر ہیں۔

---

[1] مؤطا امام محمد ص ۹۶ [2] کنز العمال جلد ۳ ص ۳۱۸

صحابہؓ کے بعد اکابر امّت کی تدریجاً پیروی

فقہائے کرام کے فیصلے تو اپنی جگہ رہے۔ امت کو تو ان کے اعمال اور مختارات بھی اپنے لیے سند سمجھتی آئی ہے۔ صحابہؓ میں اگر اکابر کی تقلید جاری نہ ہوتی۔ تو امت میں اکابر کی پیروی کی راہ نہ بنتی۔

دُوسری صدی میں جن حضرات کی تقلید جاری ہوئی

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ میں بڑے بڑے جبال علم اُٹھے۔ حضرت سعید بن المسیّبؒ، حضرت علقمہ بن قیسؒ، حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت سالم بن عبداللہؒ، ابراہیم نخعیؒ، حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ اور ان جیسے اور کئی تابعین کبار تھے جو اکناف عالم میں پھیلے ہوئے تھے لوگوں کو دین کی راہ بتاتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ بلکہ ان کے شاگردوں میں بھی وہ ائمہ کبار ہوئے کہ لوگوں کا ان کے فتوؤں کی طرف رجوع ہوا۔ اور ان کی پیروی اُن کے عین حیات ہونے لگی۔

دوسری صدی کے چند مقلدین کے نام

① — قاضی اسماعیل الکندیؒ (۱۶۴ھ) قاضی مصر
امام ابوحنیفہ رح کے طریقہ پہ تھے۔ (الجواہر المضیئہ جلد ۱ صد ۱۶)

② — لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) مفتی اعظم مصر
یہ بھی حنفی المذہب تھے۔ (اتحاف النبلاء صد ۲۳۷)

(۴)۔ امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ)

کان یفتی بقول ابی حنیفۃ۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۱ ص۲۸۲) یہ امام ابوحنیفہؒ کے حدیث میں بھی شاگرد تھے۔ کان قد سمع ابی حنیفۃ حدیثاً کثیراً (جامع بیان العلم لابن عبدالبر المالکی جلد ۲ ص۱۴۹)

(۵)۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

یفتی بقول ابی حنیفۃ۔ (تذکرہ جلد ۱ ص۲۸۲ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۴۵۰)

(۶)۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ)

کان یذھب الی قول مالک۔ (الدیباج المذہب ص۱۴۶)

(۷)۔ امام عبدالغفار بن داؤد الحرانیؒ (۲۰۴ھ)

امام ابوحنیفہؒ کے پیرو تھے۔ (دیکھئے تہذیب جلد ۶ ص۳۶۶)

(۸)۔ امام محمد بن عبداللہ بن الحکمؒ (۲۰۸ھ)

احد فقہاء مصر من اصحاب مالک۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۱۱۶) مالکی مذہب میں سخت متشدد تھے حنفیوں اور شافعیوں کے خلاف کتابیں لکھیں (الدیباج المذہب ص۲۳۲)

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کا دور دوسری صدی کے آخر کا ہے۔ آپ جب مصر گئے تو وہاں کے لوگوں کو زیادہ مالکی مذہب پر پایا۔ وہ لوگ امام شافعیؒ کی جلالتِ قدر سے زیادہ متاثر ہوئے اور انہوں نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں مصر میں تقلید پہنچ چکی تھی۔ وہاں حنفی مفتی بھی رہے۔ پھر مالکیہ نے زور پکڑا اور جب وہاں حضرت امام شافعیؒ آئے تو وہ شافعی مذہب پر آ گئے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اھل مصر کانوا مالکیۃ فلما قدم الشافعی مصر تحولوا الشافعیۃ۔[1]

ترجمہ: مصر کے لوگ پہلے مالکی طریقہ پر تھے جب وہاں امام شافعی گئے تو وہ آپ کے مذہب پر آ گئے۔

---

[1] الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۴۵

اگر چوتھی صدی سے پہلے امام ابوحنیفہؒ. امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید نہ چلی تھی. تو امام شافعیؒ کے آنے پر مصر میں یہ تبدیلی کس طرح واقع ہوئی۔

امام ابن شریحؒ کی منزلتِ علمی سے کون واقف نہیں. آپ نے دوسری صدی کے مجدد جانتے تھے. آپ نے قواعد تقلید ترتیب دیئے —— یہ کس لیے؟ تاکہ تقلید کوئی غلط راہ اختیار نہ کر جائے. تاہم اتنا تو معلوم ہوا کہ تقلید ان دنوں رائج تھی اور یہ کوئی ایسا عمل نہ تھا جس میں کتاب وسنت کی رو سے کوئی قباحت ہو.

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ الانصاف کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

نشأ ابن شریح فاسس قواعد التقلید[1]

ترجمہ: ابن شریحؒ نے ہوش سنبھالا اور قواعدِ تقلید کی بنیادیں قائم کیں۔

تیسری صدی کے چند مقلدین کے نام

(۱)— امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۲ھ)

جرح و تعدیل کے امام ہیں. علم حدیث میں مرجع خلائق تھے. امام ابوحنیفہؒ کے قول پہ فتوے دیتے تھے اور فقہ حنفی کا اعتبار کرتے تھے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص۳۴۷)

(۲)— امام عبدالملک بن حبیبؒ (۲۳۹ھ)

مالکی مذہب کے پیرو تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص۹۱)

(۳)— اسماعیل قاضیؒ (۲۸۲ھ)

شیخ المالکیۃ بالعراق. (تذکرہ جلد ۲ ص۱۸۱)

(۴)— خلیفہ جعفر بن معتصم عباسیؒ (۲۴۲ھ)

امام شافعیؒ کا مقلد تھا. (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۲۵۹)

---

[1] الجنۃ ص۳۹

۵- امام عبدالغفار بن داؤد الحرانی ؒ (۲۴۰ھ)
حنفی مسلک پر تھے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۶۶)

۶- امام ابوبکر احمد بن محمد الاثرم (۲۶۰ھ)
صاحب الامام احمد۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۳۵)

۷- امام میمونی ابوالحسن عبدالملک ؒ (۲۷۴ھ)
کان من کبار اصحاب احمد۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۶۲)

۸- امام ابوبکر بن احمد بن محمد المروزی ؒ (۲۷۵ھ)
من اجل اصحاب احمد بن حنبل۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۸۵)

۹- ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم ؒ البوشنجی (۲۹۰ھ)
امام ابوبکر بن خزیمہ ؒ (۳۱۱ھ) ان کی رکاب تھامے ہوئے چلتے تھے۔
من کبار الشافعیۃ۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۱۰)

۱۰- امام محمد بن نصر ؒ (۲۹۱ھ)
اھل بیتہ حنفیون۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۲۰)
حدیث میں حافظ تھے مگر مسلکاً حنفی تھے۔

۱۱- امام نسائی ؒ (۳۰۳ھ)
خطیب تبریزی ؒ صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں۔ وکان شافعی المذھب۔ (الاکمال ص ۶۱۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ائمہ اربعہ کی تقلید عام ہو چکی تھی۔ ہاں یہ صورتِ حال کہ کوئی شخص تقلید معین سے باہر نہ رہے۔ یہ چوتھی صدی میں دیکھی گئی۔ دوسری اور تیسری صدیوں میں یقیناً کچھ لوگ غیر معین تقلید پر رہے ہیں۔

اسلام کی پہلی تین صدیوں کا عمل

حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ)، سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) اور امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) پہلی دو صدیوں کے امام مجتہد ہیں۔ دوسری صدی کے آخر میں امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور تیسری صدی کے وسط میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کے مکاتب فکر قائم ہوئے ـــــ ان تین صدیوں میں ان جبال علم کی غیر معین تقلید کو ناجائز نہ کہا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الیٰ ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ ولو کان ذلك باطلا لانکروہ۔[1]

ترجمہ۔ لوگ صحابہؓ کے زمانے سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک جس عالم کی بات لینے کا بھی اتفاق ہو جائے برابر تقلید کرتے رہے ہیں بغیر اس کے کہ وہ کسی دوسرے پر نکیر کریں۔ اگر تقلید کرنا کوئی غلط کام ہوتا تو وہ اسی دور میں اس کا انکار کر دیتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقلید تو بے شک عہد صحابہؓ سے چلی آرہی ہے اور اسے ہم بدعت نہیں کہتے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید تو عہد صحابہؓ میں نہ تھی یہ کیوں بدعت نہ ہوگی؟

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آج ہم جن اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا صحابہؓ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی؟ اگر نہیں تو چاہیئے کہ آج کل جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور عہد صحابہؓ کے بعد کے کسی شخص کو امام بنانا یہ بھی بدعت ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی جاہل بھی نہ کہے گا ـــــ نماز با جماعت پڑھنے

[1] عقد الجید ص ۳۳

کا مسئلہ جب شریعت سے ثابت ہے تو ان (اس عہد کے اماموں) کے پیچھے نماز کیوں نا جائز ہو گی
اسی طرح تقلید کا مسئلہ (کہ اعتماداً کسی کی بات مان لی جائے اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے) جب عہد صحابہؓ سے ثابت ہے تو پھر امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کیوں نا جائز ہو گی. شریعت تو صرف اصول بتلاتی ہے. ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہر دور میں لوگ چننے پڑتے ہیں اور جن لوگوں کو پوری امت میں قبولیت حاصل ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا سر تکوینی سمجھنا چاہیئے. حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالیٰ العلماء وجمعهم من حيث يشعرون اولا يشعرون[1]

ترجمہ. حاصل اینکہ ان مجتہدین کے مذہب کا پابند ہونا ایک سر الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں اتارا ہے اور اس پر سب کو جمع کر دیا ہے وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور تک سب علماء تقلید پر متفق تھے. اس وقت کوئی معروف غیر مقلد صفحہ زمین پر نہ تھا.

ائمہ اربعہ کی امامت پہ کوئی نص نہ تھی لیکن اسے کیا کہیں کہ اور ائمہ کے مقلد آہستہ آہستہ ناپید ہوتے گئے اور ان چار فقہوں کے سوا اور کوئی ضابطہ عمل نہ رہا جس پہ امت چل سکے. اسے سر الٰہی اور رازِ تکوینی نہ کہا جائے تو اور کیا کیا جائے. اس کے لیے اگر کوئی لفظ مصطلحات شرعیہ میں موجود ہوتا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کو ضرور پا لیتے.

علامہ ابن خلدون مغربیؒ (۸۰۸ھ) کے علم و فضل اور فہم و فراست سے کون واقف نہیں آپ امت محمدی کی استقامت علی التقلید کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں. محدث نیمویؒ (۱۳۲۲ھ) نے او شحہ الجید میں اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :۔

---

[1] الانصاف ص۷۲

دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہو گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیئے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہو گئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کود پڑیں جو نہ تو اس کے اہل ہیں نہ ان کا دین اور ان کی رائے قابلِ وثوق ہے۔ لہٰذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنے عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح فرما دی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے ہدایت اور راہنمائی کرنے لگے۔

اور چونکہ تداولِ تقلید میں تلاعب ہے یعنی اس طرح تقلید کرنے میں کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کریں دین کھلونا بن جاتا ہے اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف نقل مذہب باقی رہ گیا اور بعد تصحیح اصولِ و اتصالِ سند بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا۔ ــ اور فقہ سے آج بجز اس امر کے اور کچھ مطلب نہیں ہے اور فی زمانا مدعی اجتہاد و مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہلِ اسلام ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہو گئے ہیں[1]

یہاں جس مدعی اجتہاد کو مردود کہا گیا ہے اس سے مراد مدعی اجتہاد مطلق ہے۔ ائمہ اربعہ کے اصولوں کی روشنی میں قرآن و حدیث سے نئے مسائل کا استنباط و استخراج یہ اجتہاد مطلق نہیں ہے۔ یہ اجتہاد فی المسائل ہے۔ ان میں اجتہاد کرنے والا اپنے امام کے اصولِ اجتہاد کے تحت چلتا

---

[1] مقدمہ تاریخ ابن خلدون بحوالہ ادشحۃ الجید للمحدث النیموی ؒ صہ ۸۹

ہے۔ گو وہ اپنے استنباط و استخراج میں اپنے امام سے کہیں مختلف کیوں نہ جا نکلے جیسے امام طحاویؒ۔ جو مجتہد مطلق نہیں صرف مجتہد فی المسائل ہیں۔

دو اہم قابلِ غور نکتے

جدید تعلیم یافتہ لوگ جنہوں نے کتاب و سنّت کی تعلیم صاحبِ فن اساتذہ سے نہیں صرف رسالوں اور اخباروں سے حاصل کی ہے۔ وہ اجتہاد کے ان مختلف مراتب کو سمجھتے نہیں۔ صرف اجتہاد کا لفظ انہوں نے سُن رکھا ہے اور اسے وہ محض تیسرے اسلامی ماخذ علم کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ جب ابن خلدون کی یہ بات پڑھتے ہیں کہ علماء متاخرین نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا۔ تو وہ تھرّا اُٹھتے ہیں کہ یہ بات قومی سطح پر بالکل خلاف فطرت ہے۔ جب ضروراتِ زمانہ پھیلتی جا رہی ہیں تو اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہو تو ان حالات میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل کیا ہو گا؟ ہم کہتے ہیں اجتہادِ مطلق کا دروازہ بند ہے۔ اجتہاد فی المسائل کی راہ بے شک کھُلی ہے۔ اصولِ اجتہاد ائمہ اربعہ کے بعد اور وضع نہ کیے جائیں گے۔ ان کے دائرہ اصول میں رہ کر نئے اٹھنے والے مسائل آج بھی اجتہاداً طے کیے جا سکتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پُرانے مسائل میں بھی نئے سرے سے اجتہاد کیا جائے۔ ان مسائل میں اجتہاد چار فقہوں کی وسعت کے ساتھ موجود ہے۔ ان میں کوئی نئی راہ نکالنا پچھلی کئی صدیوں کی امت کے خلاف عدمِ اعتماد کی قرارداد ہو گی۔ اس لیے نئے اجتہاد کو نئے پیش آمدہ مسائل تک محدود رکھنا ہو گا۔ تاکہ اپنی علمی تاریخ قائم رہے۔ اور امت کے خلاف عدمِ اعتماد نہ ہو۔

دوسرا نکتہ محض ایک وسوسہ ہے جو بعض ذہنوں میں کھٹکتا ہے کہ مجتہد مطلق وہ امام ابو حنیفہؒ ہوں یا امام مالکؒ، ہیں تو آخر مجتہد ہی اور مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور کبھی مخطی بھی۔ تو گو وہ ایک اجر سے کسی صورت میں بھی نہیں نکلتا۔ اور اس کی پیروی سے کوئی امتی زیرِ بار خطا نہیں ہوتا۔ تاہم مقلدین کے لیے اس کی ہر ہر بات میں پیروی نہیں۔ اسے مقام رسالت کے قریب تو لا کھڑا

نہیں کرتی؟ یہ وہ سوال ہے جو کئی ذہنوں میں کھٹکتا ہے۔

الجواب

فقہ حنفی کے پیروؤں کو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے شروع سے اس گمان سے نکال رکھا ہے۔ امام صاحبؒ کے ایک ایک مسئلے پر ان حضرات نے تنقیدی نظر کی ہے۔ ان حضرات نے اور دوسرے ائمہ سے بھی ملاقات کی ہے اور ان سے اختلافی مسائل سنے ہیں اور ان پر مزید غور کیا ہے۔ یہ حنفی صرف اس معنی میں ہیں کہ یہ اپنے امام کے اصولِ اجتہاد سے باہر نہیں نکلتے کتاب و سنت سے استخراج و استنباط کے سلسلے میں یہ پورے مجتہد ہیں۔ حضرت امام سے کبھی اتفاق کرتے اور کبھی اختلاف بھی یہ حضرات مجتہد فی المذہب ہیں۔ پھر ان تینوں سے جو مسائل رہ گئے ہوں انہیں امام طحاویؒ جیسے حضرات حل کرتے ہیں۔ یہ اجتہاد فی المسائل ہے۔ پھر آگے ائمہ ثلثہ کے استنباط کردہ مسائل پر نئے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔ امام کرخیؒ اس دائرہ میں بہت وسیع گئے ہیں۔ پھر آگے ائمہ ترجیح آتے ہیں جیسے صاحب ہدایہ۔

سو جس شخص کی فقہ حنفی پر پوری نظر ہوگی اس کے ذہن میں کبھی یہ وسوسہ پیدا نہ ہوگا۔ کہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید نے مقلدین کی نظر میں انہیں مقام رسالت کے قریب لا کھڑا کیا ہے۔ فقہ کے اس تاریخی پس منظر میں اس کا وہم تک کسی ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ فقہ حنفی میں ائمہ کے مختلف اقوال اور ان کی مختلف تخریجات ملتی ہیں۔ عمل صرف مفتیٰ بہ اقوال پر ملتا ہے۔ دوسرے اقوال صرف بصیرت پیدا کرنے کے لیے زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

ان سب ائمہ کے حنفی ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ حضرات اصول اجتہاد میں حضرت امام کے اصولوں پر چلے ہیں۔ باقی رہا پیروی کا مسئلہ تو فقہ حنفی میں لائق عمل صرف مفتی امور کو ٹھہرایا جاتا ہے نہ کہ حضرت امام کو ذاتاً مفترض الطاعۃ جانا جاتا ہے۔

سو مسائل مفتی بہ کی رو سے فقہ حنفی میں ایک اور خاص مذہب نکل آیا ہے۔ پیروی اس کی

کی جاتی ہے نہ کہ صرف حضرت امام کے فیصلوں کی ـــــ اس صورت عمل نے فقہ حنفی کو کتاب وسنّت کے بہت قریب کر دیا ہے۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ فقہ حنفی کی پیروی کتاب وسنّت کی پیروی کا ہی ایک دوسرا نام ہے۔

جو عالم مل جائے اس کی تقلید کر لی جائے اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان علماء کی تقلید کی جائے جو اپنے علم و تقوے اور تفقہ میں مرکزی شہرت رکھتے ہوں۔ سو اس بھلائی کی تلاش میں لوگ تیسری صدی میں اہل علم پر جمع ہونے لگے اور بہت کم رہ گئے جو کسی امام فن مجتہد پر جمع نہ ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

بعد المائتین ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين اعيانهم وقل من قال لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هو الواجب فى ذلك الزمان[1]

ترجمہ۔ مسلمانوں میں دو صدیاں بعد معین مجتہدین سے انسلاک شروع ہو گیا تھا اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی خاص مجتہد پر اعتماد نہ کرنے والے تھے اور یہ اعتماد اس دور میں واجب کے درجے میں سمجھا جاتا تھا۔

تیسری صدی کے بعد مجتہدین کی پیروی میں یہ مذاہب معین طور پر قائم ہو گئے اور یہ اسی نظام کی تکمیل تھی جو عہدِ صحابہؓ سے شروع ہوا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں :-

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتمعين على التقليد الخاص لمذهب واحد بعينه[2]

ترجمہ۔ جان لو لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک خاص امام کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

اس عبارت کو اگر شاہ صاحبؒ کی پہلی عبارتوں کی روشنی میں سمجھا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں تقلید معین موجود تھی لیکن ابھی سب لوگ کسی امام کی تقلید پر جمع نہ تھے۔ ائمہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صد ۱۲۲ ب

بھی تھے اور ان کے مقلدین بھی ـــــ تقلید ان صدیوں میں موجود تھی لیکن لوگ باضابطہ طور پر کسی ایک امام کی تقلید پر جمع نہ تھے کچھ مطلق تقلید پر عمل پیرا تھے۔ تیسری صدی میں لوگ معین تقلید پر جمع ہو گئے اور بہت کم رہ گئے جو تقلید مطلق پر ہوں۔ البتہ چوتھی صدی میں سب لوگ ائمہ مجتہدین کے مذاہب پر آ گئے اور یہ سلسلہ آگے چلتا رہا یہاں تک کہ کوئی بھی تقلید کا تارک نہ تھا اور اہل السنۃ والجماعۃ انہی کا نام ہو کر رہ گیا جو ان مجتہدین کے پیرو تھے۔

امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی تقلید چلتی رہی ہے اور سب مسلمان ان ائمہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد رہے۔ یہاں تک کہ بعض مذاہب مندرس ہوتے گئے اور صرف چار مذاہب باقی رہ گئے۔ اس وقت یہی مقلدین مذاہب اربعہ امتِ محمدیہ کا سوادِ اعظم تھے اور اس تقلید سے باہر آنا سوادِ اعظم سے خروج سمجھا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعًا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجًا عن السواد الاعظم۔[1]

ترجمہ: جب تمام مذاہب حقہ ان چار کے سوا نابید ہو گئے تو اب چار کی پیروی ہی سوادِ اعظم کی پیروی رہی اور ان سے نکلنا سوادِ اعظم سے نکلنا ٹھہرا۔

تمام مسائل میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا

ہمارے کرم فرما یہ تو مان لیتے ہیں کہ عامی عالم پر اعتماد کر کے اس کا فتوے مان لے اور اس پر عمل کرے لیکن یہاں وہ دو نکتے اٹھاتے ہیں:-

(۱) صاحبِ علم گو وہ دوسرے سے درجے میں کم ہو دوسرے کی بات پر اعتماداً عمل نہ کرے

[1] عقد الجید ص۳۸

اس سے دلیل پوچھے۔

(۲) تمام مسائل پیش آمدہ میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ صرف نبی کی شان ہے کہ ہر مسئلے میں اس کی طرف رجوع ہو۔

ہم ان دونوں باتوں سے اتفاق نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں۔ بایں ہمہ شان علم آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں اور ان کے فیصلے کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف رجوع نہیں کرتے۔ سب باتوں میں انہی کی طرف رجوع چاہتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں سند صحیح سے مروی ہے:-

عن ابن عباس قال اذا احدثنا ثقة عن علی لم نتجاوزها۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی ثقہ شخص ہمیں یہ بتا دے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات کہی ہے تو ہم کسی اور طرف نہ دیکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالت علمی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ آپ حضرت عمرؓ کی پیروی کو بحث میں جائے بغیر کس طرح اپنے لیے سند سمجھتے تھے ــــــ فرماتے ہیں:-

لو ان الناس سلکوا وادیًا وشعبًا وسلک عمر وادیًا وشعبا سلکت وادی عمر وشعبہ لو قنت عمر قنت عبد اللہ۔[2]

ترجمہ۔ لوگ اگر ایک وادی اور راہ پر چل پڑیں اور حضرت عمرؓ کسی دوسری راہ پر چلیں تو میں اس وادی میں چلوں گا جس پر حضرت عمرؓ چل رہے ہوں۔ وہ فجر میں قنوت کریں گے تو میں بھی قنوت پڑھوں گا۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی عبقری شخصیت کس سے ڈھکی چھپی ہے۔ آپ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اسے بتایا (اس نے نہ دلیل پوچھی نہ اس نے بتائی) اس نے پھر وہی مسئلہ

---

[1] فتح الباری جلد ۷، صفحہ ۲۰ [2]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے پوچھا۔ آپ نے اسے وہ اور طرح بتایا (اس نے نہ دلیل پوچھی نہ انہوں نے بتائی) اس نے ان کا جواب پھر آکر حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ کو بتایا تو آپ نے فرمایا۔

لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم۔[1]

ترجمہ۔ مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ اتنا بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

سب مسائل میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابو موسٰی الاشعریؓ کبھی اس کی تلقین نہ فرماتے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ وہ مسئلہ اجتہادی ہوگا۔ اگر اس پہ کوئی کتاب و سنت کی نص موجود ہوتی تو دونوں صحابیوں میں کوئی اختلاف نہ تھا معلوم ہوا اجتہادی مسائل میں لوگوں کا ایک بڑے عالم کی طرف رجوع کرنا اور دلیل طلبی میں نہ پڑنا صحابہ کی نظر میں ہرگز کوئی امر مذموم نہ تھا۔ تقلید کی حقیقت اگر یہی ہے تو کیا صحابہؓ کے عہد میں یہ موجود نہ تھی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ وہ صحابی ہیں جنہیں مجتہد ہونے کی حضورؐ نے سند بخشی تھی۔ آپ کے جلیل القدر شاگرد حضرت عمرو بن میمونؒ سے کون واقف نہیں؟ حضرت معاذؓ نے انہیں وصیت کی کہ میری وفات کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ہاں چلے جانا انہی سے علم حاصل کرنا اور انہی کے پاس رہنا۔[2]

زندگی بھر ایک ہی عالم کے پاس رہنا اس پہ علماً اور اجتہاداً اعتماد کرنا ہے۔ اسی طرح حضرت امام محمدؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ رہے۔ عہد صحابہؓ میں بڑے عالموں پر اعتماد کرنا اور ان سے دلیل کی بحث میں نہ پڑنا ہرگز عیب نہیں سمجھا گیا۔

بڑے تو اپنی جگہ رہے چھوٹے بھی علم میں بڑے ہو جائیں تو تمام مسائل میں ان عالموں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کتنی اونچی علمی شان رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور خادم نو سال رہے۔ آپ کے سامنے حضرت حسن بصریؒ جوان ہوئے اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۷ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۴ [2] الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ صفحہ ۶

مجتہد کے درجہ کو پہنچے۔ اب آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آتا تو آپ فرماتے :-

سلوا مولانا الحسن ۔ ہمارے مولیٰ حسنؒ سے پوچھو۔ [1]

معلوم ہوا تمام مسائل میں کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا ہرگز کوئی امرِ ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا۔ امام فن تعبیر حضرت محمد بن سیرینؒ کو کون نہیں جانتا۔ آپ نے اپنے شاگرد ابوبکر الہذلیؒ کو نصیحت فرمائی :-

الزم الشعبی فلقد رأیته یستفتی والصحابة متواخرون [2]

ترجمہ: شعبیؒ کی پیروی کا التزام کرنا میں نے انہیں اس وقت سے فتویٰ دیتے دیکھا ہے جب صحابہؓ بڑی تعداد میں موجود تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ اکابر علماء کی پیروی عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکی تھی۔ ان علماء کے فتوے (گروہ صحابہؓ میں سے نہ ہوں) عام چلتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ اعتماداً کسی عالم کے فتووں پر عمل پیرا ہونا اور اس کے ساتھ دلیل کی بحث میں نہ پڑنا اس دور میں ہرگز عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کی پیروی بھی عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکی تھی۔ آپ نے ۱۱۰ھ فتوے دینا شروع کیا اور دینی مسائل میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ آپ ۱۲۰ھ میں اپنے استاد کے جانشین ہوئے۔ صحابی رسول حضرت ابوالطفیل واثلہ بن اسقعؓ (ھ) کی اسی سال وفات ہوئی۔ اس وقت حضرت امام کی عمر بتیس سال کی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ بلکہ امام مالکؒ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی پیروی عہد صحابہؓ میں شروع ہو گئی تھی اور لوگ ان کے فتووں پر عمل کرتے تھے۔ تاہم وہ عہد صحابہؓ کے مجتہدین میں سے نہیں ہیں۔ اس دور کے مجتہد کہلانے کا حق حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص۱۲۸ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص۷۶

ابوالدرداءؓ جیسے اکابر کو ہی حاصل ہے۔ دوسرے دور کے مجتہدین میں سرفہرست امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں۔

فقہ کے تیسرے دور میں امام شافعیؒ، امام احمدؒ (۱۷۰ھ) سے (۲۲۰ھ) کے مابین جن ائمہ کے فتوے امت میں جاری رہے اور لوگ ان سے دلیل کی بحث میں گئے بغیر اعتماداً ان پر عمل کرتے رہے۔ یہ تیسرے قرن کے فقہاء ہیں۔ ان کے بعد کوئی مجتہد اس درجے میں نہیں آیا کہ اس کی پیروی امت میں جاری ہوئی ہو۔

اس امت میں ائمہ اربعہ کی پیروی اس لیے خیر و برکت کا سبب سمجھی گئی ہے کہ یہ چاروں امام ان تین زمانوں (قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر) میں اپنے فتووں کی پیروی پا چکے تھے یہ فتوے دیتے رہے اور امت ان سے ان فتووں کی دلیل معلوم کیے بغیر اعتماداً ان پر عمل کرتی رہی۔ جو چیز (تقلید) ان تین زمانوں میں قبولیت عام پا جائے۔ اسے کسی طرح برا نہیں کہا جا سکتا۔ آنحضرتؐ نے ان تین زمانوں کے خیر ہونے کی اس طرح خبر دی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین ــــــ یلونہم[1]

ترجمہ: میرے دور کے لوگ (صحابہ کرامؓ) پھر ان کے بعد آنیوالے (تابعینؒ) پھر ان کے بعد آنیوالے (تبع تابعینؒ)

یہ تین زمانے بلسان رسالت خیر القرون ہیں تقلید ان زمانوں میں جاری ہوئی۔ اہل علم فتویٰ دیتے تھے اور امت ان پر عمل کرتی تھی۔ لوگوں کو دلیل سے بحث نہ تھی۔ اعتماداً اہل علم کی بات قبول کرلی جاتی تھی ـــ یہ تقلید کا آغاز ہے جو خیر القرون میں ہوا۔ اگر یہ گمراہی ہوتی تو اس کا آغاز خیر القرون سے نہ ہوتا۔ ان ادوار کے لوگ مجموعی طور پر خیر الناس تھے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا تھا۔ ای الناس خیر سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ بات کہی تھی ـــــ تقلید کا آغاز انہی اچھے لوگوں سے ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے خیر کا ارادہ کریں انہیں فقہ سے نوازتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۰۹

تقلید شخصی کی تاریخ

تقلید ایک مسئلے کی حیثیت سے کتاب و سنّت کا موضوع ہے اور تقلید امت میں کب سے چلی یہ تاریخ کا موضوع ہے۔ سب مسئلوں میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا یہ تقلید شخصی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امت کے دورِ اوّل میں صحابہؓ کی پیروی جاری ہوئی اور پھر اکابر صحابہؓ کی پیروی کا التزام بھی رہا۔ ازاں بعد اکابر ائمہ تابعینؒ کی پیروی چلی۔ مگر چونکہ ان کے مذاہب مدوّن نہ ہوئے۔ اس لیے ان کی تقلید ان کے ناموں پر آگے نہ چل سکی۔

امام ابوحنیفہؒ اس امت کی پہلی علمی شخصیت ہیں، جنہوں نے علماء کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر فقہ کی تدوین کی۔ آپ کی وفات (۱۵۰ھ) میں ہوئی۔ آپ کے بڑے بڑے شاگرد آپ کے اصولِ فقہ کی روشنی میں آگے بڑھے اور ایک فقہ مرتب کر دی۔ سو یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں دوسری صدی میں آپ کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔ امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) کی تقلید بھی شام میں جاری ہوئی۔ اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی حجاز میں ___ تاہم یہ تقلید ایک متفرق پیرائے میں تھی۔ سب لوگ کسی معین مذہب میں پابندی سے منسلک نہ تھے، پھر آہستہ آہستہ لوگ معین مذاہب میں آتے گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور تیسری صدی میں اُن کی فقہ بھی مدوّن ہو گئی۔

سو دوسری صدی کے آخر سے تیسری صدی کے آخر تک یہ وہ دور ہے جس میں ائمہ اربعہ کی معین پیروی آگے چلی۔

دوسری صدی میں فقہ حنفی کی پیروی

عباسی خلیفہ الواثق باللہ نے ۲۴۸ھ میں کچھ لوگوں کو سدِ سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے افغانستان و چین بھیجا۔ انہوں نے آ کر جو رپورٹ دی اس میں یہ صریح طور پر مذکور ہے کہ

وہ لوگ حنفی مذہب کے پیرو تھے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ لوگ سلطنت عباسیہ سے بالکل بے خبر تھے. عباسی حکومت ۱۳۲ھ قائم ہوئی. اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اس سے پہلے سے مشرق وسطیٰ سے نکلے ہوئے تھے اور یہ کہ اس وقت مسلمانوں میں فقہ حنفی کی پیروی جاری ہو چکی تھی.

نواب صدیق حسن خانؒ نے ریاض المرتاض میں مسالک الممالک کے حوالہ سے لکھا ہے:

محافظانِ سدِ سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دینِ اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبانِ عربی و فارسی مے گفتند. امّا از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔[1]

ترجمہ: محافظانِ سدِ سکندری جو اس وقت تھے سب دینِ اسلام پر تھے. مذہب ان کا حنفی تھا اور عربی اور فارسی بولتے تھے. لیکن سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے. (انہیں علم نہ تھا کہ مرکز میں خلافت بدل چکی ہے)

امام طحاویؒ ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے. یہ اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ (۲۶۴ھ) شاگرد امام شافعیؒ کے شاگرد اور بھانجے تھے. مؤرخین لکھتے ہیں یہ شافعی المذہب تھے اور پھر حنفی ہو گئے تھے. اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی کے نصف آخر میں ان معین فقہوں کی پیروی جاری ہو چکی تھی.

ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ اُموی دورِ خلافت میں محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں پہنچا. یہاں جب اسلام آیا تو وہ کون سی فقہ کے مطابق تھا؟ یہ خلافت عباسیہ سے پہلے کی بات ہے. جس سے اقصائے چین بے خبر تھے ۔ کشمیر کب سے مسلمانوں کی بستی چلا آرہا ہے؟ یہ بات کسی سے مخفی نہیں. اہل کشمیر اس دور میں کس فقہ پر تھے. اسے تاریخ فرشتہ میں ملاحظہ کریں:

رعایائے آں ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند۔[2]

ترجمہ: اس ملک کی آبادی سب حنفی مذہب کی پابند ہے.

---

[1] ریاض المرتاض ص بحوالہ ارشحۃ الجید [2] تاریخ فرشتہ ص ۳۳۶

فاتحِ ہند سلطان محمود غزنویؒ (ھ) کا نام فقہائے حنفیہ میں بڑی عزت سے لیا جاتا ہے
یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کے قافلے گنگا اور جمنا کے کنارے اُتر رہے تھے حضرت علی ہجویریؒ
(۴۶۵ھ) اولیائے ہند میں پہلے بزرگ ہیں جو لاہور میں آئے۔ آپ بھی حنفی مذہب کے پیرو تھے
اور اس دور میں ہندوستان میں حنفی فقہ کی ہی پیروی جاری تھی۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں فقہ حنفی کی پیروی قدیم الایام سے رائج
ہو چکی تھی اور ان میں کچھ وہ زمانہ بھی داخل ہے جس کے خیر ہونے اور گمراہی سے محفوظ ہونے کی
خود لسانِ شریعت نے خبر دی تھی

بغداد میں امام الحرمین (۴۷۸ھ) اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) شافعی مذہب کے پیرو تھے
یہ ایک معین مذہب کی پیروی تھی۔ امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) بھی ایک معین مذہب کے پیرو
تھے اور ایک معین مذہب کی پیروی میں چلنا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

آیئے اب آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں:-

حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ نے راحت القلوب میں پاکپتن کے شہرہ آفاق بزرگ بابا
فریدالحقؒ کا ایک ارشاد ۱۱ ذوالحجہ ۶۵۵ھ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:-

ہر چار مذہب برحق ہیں لیکن بالیقین جاننا چاہیئے کہ مذہب امام اعظمؒ کا
سب سے فاضل تر ہے اور دوسرے مذاہب ان کے پس رو ہیں اور امام ابو حنیفہؒ
افضل المتقدمین ہیں اور الحمدللہ کہ ہم ان کے مذہب پر ہیں[1]

شافعی مذہب کے جلیل القدر فقیہ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:-

اما الاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتی اوجبوا تقلید
واحد من هؤلاء ونقل امام الحرمين الاجماع عليه[2]

ترجمہ۔ اجتہاد مطلق کے متعلق علماء نے کہا کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے۔ یہاں

---

[1] حدائق الحنفیہ ص۲۴۰ بحوالہ راحت القلوب [2] روضۃ الطالبین ص

تک کہ اب وہ ان مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ٹھہراتے ہیں
اور امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں ایک بھی غیر مقلد نہ تھا اور جو مجتہد نہ ہو اس کے لیے
ائمہ اربعہ کی تقلید ہرگز کوئی عیب نہ تھی غیر مجتہد ہر جگہ مجتہدین کی پیروی میں چلتے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) اس اعتراض کے جواب میں کہ لوگوں نے
اپنی طرف سے چار مذہب گھڑ لیے ہیں۔ یہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھے۔ اپنی شہرۂ آفاق کتاب
منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:۔

قوله ان هذه المذاهب لم تكن في زمن النبيؐ ولا الصحابة ان اراد
ان الاقوال لم تنقل عن النبيؐ او عن الصحابة بان تركوا قول النبيؐ و
الصحابة وابتدعوا خلاف ذلك فهذا كذب عليهم لانهم لم يتفقوا
على مخالفة الصحابة بل هم وسائر اهل السنة متبعون للصحابة في اقوالهم وان قدر
ان بعض اهل السنة خالف الصحابة لعدم علمه باقاويلهم فالباقون يوافقونهم ويثبتون
خطاء من يخالفهم وان اراد ان نفس اصحابها لم يكونوا في ذلك الزمان فهو
لا محذور فيه فمن المعلوم ان كل قرن يأتي يكونوا بعد القرن الاول[1]

ترجمہ۔ اس شیعی کا یہ کہنا کہ یہ مذاہب اربعہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال
آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے منقول نہیں انہوں نے حضورؐ اور صحابہؓ کی بات چھوڑ دی ہے اور اپنی طرف سے یہ مذاہب گھڑ
لیے ہیں تو یہ ان مذاہب پر کھلا جھوٹ ہے کیونکہ وہ ہرگز صحابہؓ کی مخالفت پر متفق نہیں بلکہ وہ سب اپنے
اقوال میں صحابہ کے متبعین ہیں اور اگر یہ بات تجویز کی جائے کہ انہوں نے (صحابہؓ کے) اقوال پر اطلاع نہ پانے کے باعث ان کے خلاف کیا
تو باقی تو ان کے موافق رہے اور ان پہلوں کی مخالفت کرتے رہے اور اگر اس شیعی معترض کی مراد یہ ہے کہ ان مذاہب کے امام اس دور میں نہ
تھے تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ ہر کسی کو معلوم ہے کہ ہر آنے والا دور پہلے دور کے بعد ہی آتا ہے۔

---

[1] الفتاویٰ الکبریٰ جلد صـ

تقلید شخصی کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہوئے آپ ان لوگوں پر جرح کرتے ہیں. جو کبھی کسی امام کے پیچھے چلیں اور کبھی کسی کے پیچھے. آپ لکھتے ہیں :-

یکونون فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوی ومثل هذا لا یجوز بالاتفاق الائمة.[1]

ترجمہ. ایسے لوگ ایک وقت میں تو اس کی بات مانیں گے جو اس نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور پھر دوسرے موقع پر اس کی پیروی کریں گے جو اسے صحیح کہے اور یہ سب اپنی غرض کے لیے ہوگا. ایسا کرنا کہ کبھی تقلید کسی کی اور کبھی کسی کی یہ یا باتفاق ائمہ جائز نہیں ہے.

نویں صدی جلیل القدر محدث حافظ ابن ہمام اسکندری ؒ (۸۶۱ھ) اپنی اصول فقہ کی کتاب التحریر میں لکھتے ہیں :-

وعلی هذا ما ذکر بعض المتاخرین منع التقلید غیر الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقلید مسائلهم وتخصیص عمومها ولم یدر مثله فی غیرهم الآن لانقراض اتباعهم وهو صحیح.[2]

ترجمہ. بعض متاخرین نے جو ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی دوسرے کی تقلید سے منع کیا ہے اسی پر مبنی ہے کیونکہ مذاہب انہی چار اماموں کے منضبط ہوئے اور تقلید انہی کے مسائل کی جاری ہوئی اور تخصیص عمومات انہی کے ہاں چلتی رہیں اور یہ باتیں کسی دوسرے امام کے بارے میں معلوم نہیں ہوئیں. کیونکہ ان کے پیرو باقی نہ رہے اور یہی بات صحیح ہے.

اب دسویں صدی میں چلیں. تقلید فقہ معین پر تیسری صدی میں جو اجماع ہوا اس کی صدائے بازگشت یہاں دسویں صدی میں بھی سنیں. امام ابن نجیم مصری ؒ (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں :-

---

[1] الفتاوی الکبری جلد ۲ صد ۲۸۵ [2] التحریر صد ۵۵۲

وما خالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع [1]

ترجمہ۔ اور جو چیز ائمہ اربعہ کے مخالف ہو وہ اجماعِ امت کا خلاف ہے۔

یعنی ائمہ اربعہ کی پیروی پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اب جو ترکِ تقلید کی راہ پہ چلے یا ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام (جیسے امام اوزاعیؒ، سفیان الثوریؒ اور لیث بن سعدؒ وغیرہ) کی پیروی تجویز کرے تو وہ اجماعِ امت کے خلاف چلنے کا مرتکب سمجھا جائے گا اور یہ ظاہر ہے کہ جو مسلمانوں کے طریق کے خلاف چلے اس کا رُخ جہنم کی طرف ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ـــــ اربعین نوویؒ کی شرح علامہ ابراہیم سرخسی مالکیؒ نے لکھی ہے۔ اس میں آپ اس وقت کا مالکی نقطۂ نظر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اما فیما بعد ذٰلک کما قال ابن الصلاح ..... فلا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة مالکؒ والجـ حنیفة والشافعی واحمد لان ھؤلاء عرفت قواعد مذاھبھم واستقرت احکامھا وقد مھا تابعوھم وحرروھا فرعًا فرعًا وحکمًا حکمًا۔ [2]

ترجمہ۔ سو اس کے بعد جیسا کہ امام ابن الصلاحؒ نے کہا ہے۔ ائمہ اربعہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں ان ائمہ کے قواعدِ مذہب معروف ہو چکے ان کے احکام میں استقرار ہوا۔ ان کے پیروؤں نے انہیں سامنے رکھا ہے اور ان کی ایک ایک فرع لکھی ہے اور ان کے ایک ایک حکم کو قلم بند کیا ہے۔

صاحب تفسیر جلالین علامہ جلال الدین محلیؒ شرح جمع الجوامع میں لکھتے ہیں:۔

یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ مرتبة الاجتھاد التزام مذھب معین من مذاھب المجتھدین [3]

---

[1] الاشباہ والنظائر ص۱۳۱ [2] الفتوحات الوھبیہ شرح اربعین النوویہ ص۱۹۹ [3] شرح جمع الجوامع ص

ترجمہ۔ عامی اور دوسرے وہ لوگ جو (علم رکھنے کے باوجود) مرتبہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ان پر ان مجتہدین میں سے کسی ایک معین مذہب کا التزام ضروری ہے۔

عبدالوہاب الشعرانیؒ (۹۷۳ھ) میزان الشریعۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں:۔

وکان سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ اذا سألہ انسان عن التقلید بمذھب معین الاٰن ھل ھو واجب ام لا یقول لہ یجب علیک التقلید بمذھب ما دمت لم تصل الیٰ شھود عین الشریعۃ الاولیٰ من الوقوع فی الضلال و علیہ عمل الناس الیوم۔[1]

ترجمہ۔ سیدی حضرت خواص سے جب کوئی شخص اس زمانے میں کسی مذہب معین کی تقلید کے لیے پوچھتا کہ کیا یہ درجہ واجب میں ضروری ہے تو آپ اسے کہتے کہ جب تک تو شریعت اولیٰ کے چشمہ علم کا مقام شہود نہ پالے کہ گمراہی میں گرنے کا موقع نہ رہے۔ اس وقت تک تجھ پر تقلید واجب ہے اور اسی پر آج مسلمانوں کا عمل ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد شیخ احمد ملا جیونؒ (۱۱۳۰ھ) تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں:۔

قد وقع الاجماع علیٰ ان الاتباع انما یجوز للاربع ..... وکذا لا یجوز الاتباع لمن حدث مجتہدا مخالفا لھم۔[2]

ترجمہ۔ اس پر اجماع ہوچکا ہے کہ اتباع صرف چار مذاہب کی ہے ..... اور اسی طرح اسی کی پیروی جائز نہیں۔ جو کوئی نیا مجتہد ان مذاہب اربعہ کے خلاف اُٹھے۔

آیئے اب آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ تاکہ آپ دیکھیں کہ ان مذاہب اربعہ کی پیروی کس طرح مسلسل چلی آرہی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] میزان الشریعۃ الکبریٰ ص [2] تفسیر احمدی ص۳۴۶ زیر سورۃ الانبیاء

خانۂ دین چہار است ہر کہ را بے ازیں راہ ہا و درے ازیں در ہا اختیار نمودہ براہ دیگر رفتن و درے دیگر گرفتن عبث و یاوہ باشد[1]

ترجمہ۔ اب (عملاً) دین کے چار ہی دائرے ہیں جو ان راہوں میں سے کسی ایک کو چن لے اور ان دروازوں میں سے کسی ایک پر آ بیٹھے اس کے لیے کسی اور راہ کو اختیار کرنا یا کسی اور دروازے پر آ بیٹھنا فضول اور یاوہ (آوارگی) ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) مذہب حنفی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

وایں مذہب باوجود کثرت متابعاں در اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز و در استنباط طریق علیحدہ دارد و ایں معنی مبنی بر حقیقت است عجب معاملہ است امام ابو حنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است و احادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت مے داند و برائے خود مقدم مے دارد ..... و دیگراں نہ چنیں اند[2]

ترجمہ۔ اور حنفی مذہب اصول و فروع میں اپنے پیروؤں کی کثرت کے ساتھ دوسرے مذاہب سے امتیاز اور استنباط مسائل میں اپنی ایک علیحدہ راہ رکھتا ہے اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے اور عجیب بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سنت کی پیروی میں تمام اماموں سے آگے ہیں اور احادیث مرسل کو بھی احادیث مسند کے درجہ میں پیروی کے لائق سمجھتے ہیں اور اپنے قیاس پر اسے مقدم کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب اس طور پر نہیں ہیں۔

یعنی ان کے ہاں مرسل حدیث اپنے قیاس پر مقدم نہیں کی جاتی۔ اسی طرح وہ دوسرے ائمہ ضعیف حدیث پر اپنے قیاس کو مقدم ٹھہراتے ہیں۔

---

[1] شرح سفر السعادۃ صلا [2] مکتوبات دفتر دوم ۵۵ ص ۱۰۷/۱۰۸

اس وقت سے لے کر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تک پوری امت کے اکابر تقلید شخصی پر جمع رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

هٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هٰذا۔[1]

ترجمہ۔ یہ چار مذاہب جو مدون ہو چکے اور لکھے جا چکے پوری امت یا جو اس میں سمجھے جا سکتے ہیں ہمارے دور تک سب اس پر متفق ہیں۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

وفی ذٰلك كلها من المصالح مالا يخفىٰ لاسيما فی هٰذه الايام التی قصرت الهمم جدًا واشربت النفوس الهوىٰ واعجب كل ذی رای رايه۔[2]

ترجمہ اور ان تمام امور میں جو مصلحتیں ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں خصوصًا ان دنوں میں کہ ہمتیں بہت کمزور پڑ چکی ہیں۔ انسان خواہشاتِ نفس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہر رائے رکھنے والا اپنی رائے کا گرویدہ ہو رہا ہے۔

یعنی خواہشات اور خود پسندی کے اس دور میں ترکِ تقلید اور بڑی آفت ہوگی اور اس میں امت کے لیے اور بڑی ابتلاء ہے۔

ہندوستان میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی واجب ہے اور عامی کے لیے تقلید سے نکلنا شریعت کے پٹکے کو گلے سے اتارنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

فاذا كان الانسان جاهلًا فی بلاد الهند او بلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعی ولا مالكی ولا حنبلی ولا كتاب من كتب المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابی حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صـ۲۳ [2] ایضًا صـ

مذهبه لانه حینئذ یخلع من عنقه ..... ربقة الشریعة و یبقی سدًا مهملاً بخلاف ما اذا کان فی الحرمین [1]

مثلاً کوئی انسان ہندوستان یا ماوراء النہر کے کسی علاقے میں رہتا ہے جہاں کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم نہیں ہے نہ ان مذاہب میں سے کسی کی کتاب اس کے پاس ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرے اس کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے نکلنا حرام ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ شریعت کا پٹکا ہی اپنی گردن سے اُتارنے والا ہو گا اور وہ دین سے بالکل خالی ہو کر رہ جائے گا بخلاف اس صورت کے کہ وہ حرمین میں ہو، جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو بھی ملتے ہیں۔

یہ بارہویں صدی میں نظریۂ تقلید کی توثیق ہے۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی اس پر پوری طرح کاربند رہے۔ ان کے بعد ان کے جانشین استاذِ آفاق حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اس پر پوری طرح کاربند رہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

اتباع مسائل مذاہب اربعہ بدعت نیست، نہ سیئہ نہ حسنہ بلکہ اتباع آنہا سنّت است [2]

ترجمہ۔ مذاہب اربعہ کی پیروی کرنا بدعت نہیں ہے نہ سیئہ اور نہ حسنہ۔ ان کے طریق پر چلنا ہی راہِ سنّت ہے۔

پھر یہ بھی فرماتے ہیں:۔

ہرگز مقلد ایشاں را بدعتی نخواہند گفت۔ زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر والباطن پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است [3]

---

[1] الانصاف صـ [2] مائۃ مسائل صـ ۹۲ [3] ایضاً صـ ۹۳

ترجمہ۔ مذاہب اربعہ کے مقلدین کو بدعتی نہ کہنا چاہیئے کیونکہ ان کی تقلید حقیقت میں باعتبار ظاہر و باطن حدیث شریف کی پیروی ہے۔ سو ان کے مقلدین کو بدعتی کہنا گمراہی ہے اور یہ موقف مستوجب سزا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی لکھتے ہیں ۱۔

در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است۔[1]

ترجمہ۔ اعمال میں مذاہب اربعہ کی پیروی جیسا کہ سب اہل اسلام میں رائج ہے بہت اچھی بات ہے اور خوب ہے۔

فروعات میں مذاہب اربعہ کی پیروی کہ ان دنوں تمام اہل اسلام میں رائج ہے بہت اچھی بات ہے اور خوب ہے۔

غور کیجیئے! یہاں اس دور میں تمام عالم اسلام کو مذاہب اربعہ میں منسلک بتلایا ہے۔ معلوم ہوا ان دنوں ہندوستان میں کوئی گروہ غیر مقلدین کا نہ تھا۔ نہ ملک میں کوئی جماعت ترک تقلید کے نام سے پائی جاتی تھی۔ اگر کوئی اور گروہ ہو بھی تو آپ اسے اہل اسلام میں سے نہ سمجھتے تھے۔ اہل اسلام ان دنوں ان مذاہب اربعہ میں ہی پائے جاتے تھے۔

اسی عہد کے قریب قریب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (۱۲۰۶ھ) ہوئے ہیں۔ آپ بھی مقلد تھے اور حنبلی المذہب تھے۔ اب تک ان کے پیرو المسجد الحرام میں بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ نہیں پڑھتے۔ اگر وہ آمین اونچی آواز سے کہتے ہیں تو حنبلی ہونے کی وجہ سے، غیر مقلدین کے طور پر نہیں۔ نہ وہ ایک مجلس کی طلاق ثلثہ کو ایک طلاق کہتے ہیں۔ آل سعود آل شیخ کے مذہب پر ہیں اور یہ حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو واجب جانتے ہیں۔

۱۲ محرم ۱۲۸۱ھ ہفتہ کے دن شاہ سعود اوّل مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے عقیدے کا

---

[1] صراط مستقیم ص

ان لفظوں میں اظہار فرمایا:۔

سلف صالحین میں سب سے پہلے خلفائے راشدینؓ آتے ہیں جن کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ۔۔۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد ائمہ اربعہ مجتہدین ہیں۔ ائمہ اربعہ کے بعد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ائمہ اربعہ سے علم حاصل کیا اور اسی طرح ہم تیسرے قرن تک کے بزرگوں کے اقوال و آثار کے ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔[1]

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

"ہم فروعی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے طریقہ پر ہیں۔ چونکہ ائمہ اربعہ" ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ کا طریقہ منضبط ہے، اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے ۔۔۔۔ ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔[2]

"شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے صاحبزادے شیخ عبد اللہؒ نے اپنے مسلک پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس میں کھل کر اپنے نظریۂ تقلید کی تائید کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ونحن ایضاً فی الفروع علیٰ مذہب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علیٰ من قلد الائمة الاربعة دون غیرھم لعدم ضبط مذاھب الغیر ۔۔۔۔۔ و نجبرھم علیٰ تقلید احد الائمة الاربعة ولا نستحق مرتبة الاجتھاد و احد منا یدعیہ[3]

ترجمہ: اور ہم فروعات میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں اور ہم ائمہ اربعہ

---

[1] رسالہ ص ۲ ترجمہ مولانا اسماعیل غزنوی مطبع النور الاسلام امرتسر [2] ایضاً ص ۲۱ مترجم مولانا اسماعیل غزنوی نے ترجمہ کے نیچے اپنا اختلافی نوٹ لکھ دیا کہ یہ چیز خلاف شریعت ہے۔ مولانا یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ سے علم میں زیادہ ہیں۔ [3] الشیخ محمد بن عبد الوہاب، ص ۵۲ تالیف الشیخ احمد بن حجر قاضی محکمہ شرعیہ قطر

کے مقلدین میں سے کسی پر (ترکِ حدیث کی) نکیر نہیں کرتے۔ یہ بات اور
مذاہب کے لیے نہیں کیونکہ اور ائمہ کے مذاہب منضبط نہیں ہو پائے ——
ہم لوگوں کو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کا پابند رکھتے ہیں اور اپنے لیے
ہم اجتہاد کے مدعی نہیں نہ ہم (علمائے نجد) میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے
مولانا اسماعیل غزنوی کے اردو ترجمہ میں یہ عبارت ہے:۔
مطلق اجتہاد کے نہ ہم مستحق ہیں اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار ہے[1]
ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کیا ہندوستان اور کیا سعودی عرب پوری دنیا میں ان
دنوں کہیں بھی ترکِ تقلید یا سلف صالحین اور فقہاء و محدثین کے خلاف مسلمانوں میں کوئی تحریک
تھی نہ ان دنوں انکار فقہ کے نام پر کوئی فرقہ کہیں پایا جاتا تھا نہ انکارِ حدیث کے نام پر برصغیر
پاک و ہند میں کوئی تحریک موجود تھی۔
اس عہد کے قریب قریب علامہ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) شارح مسلم الثبوت گزرے ہیں۔
ان سے تیرھویں صدی کا حال معلوم کریں:۔

بل یجب علیهم اتباع الذین سبروا ای تعمقوا وبوبوا ای اوردوا
ابوابًا لکل مسئلة علیٰحده فهذبوا مسئلة کل باب ونقحوا کل
مسئلة عن غیرها وجمعوا بینهما بجامع وفرقوا بفارق وعللوا
ای اوردوا لکل مسئلة علّته وفصّلوا تفصیلًا وعلیه بنیٰ ابن الصلاح
منع تقلید غیر الائمة الاربعة..... لان ذٰلك المذکور لم یدر فی غیرهم[2]

ترجمہ۔ لوگوں پر ان لوگوں کی اتباع ضروری ہے جنہوں نے دین کی گہرائی پائی
(وہ مجتہد ہوئے) اور انہوں نے دین کے مسائل کو مختلف ابواب میں علیحدہ

---

[1] رسالہ ہٰذا صد ۲۲ معلوم رہے کہ یہ صرف حنفی نہیں جو مطلق اجتہاد کا دروازہ بند مانتے ہیں۔
سعودی عرب کے حنبلی علماء کی بھی یہی صدا ہے۔ [2] فواتح الرحموت صد ۶۲۹

علیحدہ نکھارا۔ ہر باب کے مسائل کی تہذیب اور تنقیح کی اور ان کے باہمی مشترک قدریں معلوم کیں اور مابہ الفرق امور معلوم کیے۔ ابن صلاح نے اسی بنا پر ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے اماموں کی تقلید سے روکا ہے کیونکہ مذہب کی یہ تہذیب و تنقیح اور انضباط و تبویب اوروں کے ہاں نہیں پائی گئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فان اهل السنة والجماعة ..... لم یبق فی فروع المسائل سوی هذه المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المرکب علی بطلان قول من یخالف کلهم وقد قال الله تعالیٰ ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا[1]

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں رہا۔ اب جو ان سب کے خلاف چلے اس کے غلط ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلا ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف وہ چلا اور ہم اسے جہنم پہنچائیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ سید احمد طحطاویؒ (۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں:۔

هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالکيون والشافعيون والحنبليون ومن کان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة فی ذلك الزمان فهو اهل البدعة والنار[2]

ترجمہ۔ یہ فرقہ ناجیہ آج ان مذاہب اربعہ میں موجود ہے وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص اس دور میں ان مذاہب اربعہ سے باہر ہوگا وہ آگ

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ ص۶۴ آیت ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ آل عمران [2] طحطاوی علی الدر المختار

کے لیے ہے اور بدعتی ہے

انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں میں آزادیٔ فکر کے نام پر فرقے بننے لگے ترکِ تقلید کی پہلی اذان مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی نے دی اور جو لوگ ان کے گرد جمع ہوئے آپ اُن کے شیخ الکل ٹھہرے ـــــ تاہم مطلق تقلید کا انکار یہ حضرات بھی نہ کرتے تھے۔ تقلید اور اتباع میں کچھ فرق کر کے یہ تقلید کے خلاف اُٹھے۔ ابتداء میں یہ تارکین تقلید موحد یا محمدی کہلاتے تھے جماعت کے لیے گورنمنٹ نے ابھی اہلحدیث کے نام کی منظوری نہ دی تھی۔

مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کا غیر مقلدین پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بڑی محنت اور لجاجت سے انگریزی حکومت سے جماعت کے لیے اہلحدیث کا لفظ منظور کرایا۔

بایں ہمہ یہ حضرات تقلید سلفی سے منکر نہیں اور تقلید کا اس درجہ اقرار کیے بغیر سعودی عرب میں انہیں کوئی پذیرائی نہیں ملتی۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم تاریخ تقلید کے ساتھ اس پر کچھ مختصر تبصرہ کریں کہ تقلید مطلق کیوں تقلید شخصی میں منتقل ہوئی۔ ازاں بعد ہم تاریخ ترکِ تقلید پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں طلبہ کو چاہیئے کہ تردید یا تائید کے جذبہ سے یکسر علیحدہ رہ کر مختلف فرقوں کے تاریخی پس منظر پر نظر رکھیں۔ اس سے مسلمانوں کی تاریخ سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

تقلید مطلق کس طرح تقلید شخصی میں منتقل ہوئی؟

تقلید مطلق ناواقف کے واقف سے پوچھ کر چلنے کی ایک فطری راہ تھی۔ دنیا کے جملہ انتظامی امور اس اعتماد سے چلے ہیں۔ سب لوگ ہر ایک فن یا لائن میں اس کے جاننے والے ہو جائیں یہ عملاً ناممکن ہے۔ نہ سارے ڈاکٹر ہو سکتے ہیں، نہ انجینئر۔ نہ سارے تاجر بن سکتے ہیں نہ بیرسٹر۔ نہ سب اکاؤنٹنٹ ہو سکتے ہیں نہ پروفیسر — دنیا میں ان سب اصناف بنی آدم کی اپنے اپنے دائرہ میں ضرورت ہے — سو شروع سے یہ انسانی فطرت رہی ہے کہ نہ جاننے والوں سے پوچھ کر چلیں اور اسی راہ سے انسان نے اپنی جملہ معاشی معاشرتی اور تمدنی ضرورتیں پوری کی ہیں۔ اور اس پہ آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

دین کا پورا علم اور کتاب وسنت کا پورا احاطہ ہر مسلمان کو میسر ہو۔ یہ بات عملاً ناممکن ہے اللہ رب العزت نے اس پیش آنے والی مشکل کو اسی اصول سے حل کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد فرمایا :-

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم تعلمون۔ (پ۱۴ النحل آیت ۴۳)

ترجمہ۔ تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تم جانتے نہیں۔

پہلے دور میں خیر غالب تھی۔ لوگ دین پر رضائے الٰہی کے لیے عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور حسب ضرورت اہل علم سے پوچھ کر چلتے تھے لیکن بعد کے زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوتے جو اہل علم سے راہ عمل پوچھنے کے لیے نہیں اپنی سہولت ڈھونڈنے کے سوال کرتے اور جہاں اپنی خواہش کو تسکین ملے اور اپنی سہولت کو راہ ملے پیروی کا رُخ ادھر موڑ لیتے کہ چلو اس بات میں ان کے پیچھے سہی — خواہش نفس کی اس پیروی سے پوری دینی زندگی کے معرض خطر میں جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اب ضرورت تھی کہ اس خطرے پر قابو پایا جائے۔

اکابر تابعین بعض بعض فروع میں بعض بعض معین صحابہؓ کی تقلید کرتے رہے ہیں (مثلاً یہ کہ فرائض اور وراثت کی بات ہو تو حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف رُخ کرتے تھے. حلال و حرام کا حکم معلوم کرنا ہو تو حضرت معاذؓ کی طرف رُخ کرتے. تفسیر پوچھنی ہو تو حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے) اس میں ان کی غرض محض رضائے الٰہی کا حصول ہوتا تھا ان حضرات کی اپنے اپنے باب علم میں عبقریت تھی. ان تابعین کے سامنے اپنے مفادات کی پرورش نہ تھی لیکن اگلے دور میں جب علم کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے اور مسائل اور فتاویٰ پھیل گئے تقلید مطلق جاری تھی تاہم خواہش پرستی اور مفاد ذاتی کے لیے کچھ بندگانِ نفس اپنے مطلب کی تلاش میں لگے اور شریعت کی رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہوں نے اپنے لوائح عمل بنانے کی کوششیں شروع کر دیں. اب تقلید صرف تلاشِ علم کے لیے نہیں مفادِ نفس کے لیے بھی ہونے لگی.

تاریخ کے اس نازک موڑ پر علمائے حق آگے بڑھے اور انہوں نے اختلافات اور گمراہی سے بچانے کے لیے اس تقلید کی حمایت کی جو اس خواہش پرستی کو روک سکے. اب اس نقطۂ نظر سے تقلید شخصی ضروری سمجھی جانے لگی ـــــ پہلے تقلید شخصی موجود تو تھی لیکن اسے ضروری نہ سمجھا جاتا تھا. اب اس نئے موڑ پر تقلید شخصی کو واجب قرار دیا گیا. اس کا آغاز تیسری صدی کے آخر میں ہوا ـــــ چوتھی صدی میں سب لوگ معین مذاہب پر آ گئے تھے.

تقلید شخصی کوئی بدعت نہیں

تقلید شخصی عہدِ صحابہؓ میں بھی جاری تھی. گو اس جامعیت سے نہیں کہ سب صحابہؓ معین فقہائے صحابہؓ کے پیرو ہوں. تاہم اس کے مطلق وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا. اب تیسری صدی میں اس کا اس جامع انداز میں پوری امت پر چھا جانا اور چوتھی صدی میں کسی کا تقلید مجتہد سے باہر نہ رہنا اسی اصل کی تکمیل ہے جو فقہاء صحابہؓ کی پیروی سے امت میں قائم ہوئی تھی. آگے صحابہؓ کے مذاہب کیوں نہ چلے؟ اس لیے کہ وہ مدوّن نہ ہوئے تھے. جن مجتہدین کے مذاہب مدون

ہوئے امت میں انہی کی پیروی آگے چلی۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حضورؐ کے زمانے میں (تین راتوں کی باجماعت تراویح کے بعد) صحابہؓ متفرق طور پر متعدد جماعات میں تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں متعدد جماعات سے لاکر پھر ایک امام پر جمع کر دیا اور یہ شرعاً بدعت نہ تھی۔ گو ظاہراً ایک نئی بات دکھائی دے۔ اسی طرح عام مسلمانوں کا تیسری صدی میں معین مذاہب پر آجانا اسی اصل کی ایک فرع ہے جو عہد صحابہؓ میں قائم ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے خود اپنے بعد کے لیے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتداء کا حکم دیا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ جیسے عظیم مجتہد کو بھی سیرت شیخینؓ کی پیروی کا پابند کیا تھا۔ اور پھر ان اسلاف کی پیروی ایسی ضروری سمجھی گئی کہ حضرت حسن ہاشمیؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرتے ہوئے انہیں اس بات کا پابند کیا کہ کتاب و سنت کے بعد امت میں بات چلے گی تو انہی خلفائے صالحین کی جو صدر اول سے ہوتے آئے ہیں۔

تقلید شخصی پر تیسری صدی کے بعد امت کا اجماع

جب تک امت عملاً تقلید معین پر جمع نہ ہوئی تھی تقلید مطلق کی گنجائش تھی، جب امت کا چوتھی صدی میں تقلید شخصی پر اجماع ہو گیا اور بالآخر صرف مذاہب اربعہ باقی رہے تو اب اُن کی پیروی سواد اعظم کی پیروی شمار ہوتی تھی۔ اور تقلید سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا شمار ہوتا تھا۔ حالات بدلنے پر فتوے نئے حالات کو ساتھ سمیٹتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وبعد المائتین ظهرت فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذلك الزمان۔[1]

---

[1] الانصاف، ص۴۲

ترجمہ۔ اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں معین مجتہد کی پیروی چلنے لگی اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین مذہب (فقہ) پر اعتماد نہ کرتے تھے اور یہ اعتماد کرنا اس وقت واجب ہو چکا تھا۔

ولما اندرست المذاهب الحقه الا هٰذه الاربعة كان اتباعها اتباعًا للسواد الاعظم والخروج منها خروجًا عن السواد الاعظم[1]

ترجمہ۔ اور جب ان چار مذاہب کے سوا دیگر مذاہب حقہ ناپید ہو گئے تو اب ان کی اتباع ہی سواد اعظم کی پیروی شمار ہوئی۔ اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہی سمجھا جانے لگا۔

وهٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هٰذا وفى ذٰلك من المصالح مالا يخفى۔[2]

ترجمہ۔ یہ فقہ کے چار مذاہب جو مدون ہوئے اور لکھے گئے پوری امت یا جسے بھی اس میں سمجھا جا سکے ان کا اس پر اجماع ہوا کہ ان کی تقلید جائز ہے اور یہ بات اب تک چلی آرہی ہے اور اس میں اتنی بہتریاں ہیں کہ کسی پر مخفی نہیں۔

ہندوستان میں رہنے والوں کے لیے آپ فرماتے ہیں:-

وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه۔[3]

ترجمہ۔ اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ آپ کے مذہب کی پیروی سے نکلے۔

من مذهبه سے مراد فقہ حنفی ہے نہ کہ حضرت امام صاحبؒ کی شخصی آراء ۔۔۔ فقہ حنفی

[1] عقد الجید ص۳۸ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص۱۵۴ مصر [3] الانصاف ص۵۳

کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ علماء کے ایک جم غفیر میں ملے پائی ہے جس میں بڑے بڑے محدثین فقہاء اور ائمہ ادب و عربیت شامل تھے۔

اب چوتھی صدی سے پانچویں میں چلیئے :۔

(۱) — خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :۔

لو منعنا التقلید فی ھٰذہ المسائل التی ھی من فروع الدین لاحتاج کل احد ان یتعلم ذٰلک وفی ایجاب ذٰلک قطع عن المعایش وھلاک الحرث والماشیۃ فوجب ان یسقط۔[1]

ترجمہ۔ اگر ہم ان فروعی مسائل میں عوام کو تقلید سے روکیں تو پھر ہر کسی پر دین کی پوری تعلیم حاصل کرنی ضروری ہو گی۔ اسے ہر کسی کے لیے ضروری ٹھہرانے میں دیگر اعمال معاش کھیتی باڑی اور نظم مواشی سب قطع و برباد ہو جائیں گے۔ یعنی لوگوں کو تقلید کے اس فطری حق سے محروم کرنے میں پوری دنیا کے نظم امور میں اختلال واقع ہو گا۔

(۲) — امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں :۔

وانما حق العوام ان یؤمنوا ویسلموا ویشتغلوا بعباداتھم ومعایشھم ویترکوا العلم للعلماء۔[2]

ترجمہ۔ دین کی بات عوام کے ذمہ صرف یہ ہے کہ ایمان لائیں اسلام قبول کریں عبادات میں مشغول رہیں۔ اور اپنے اپنے کاروبار میں لگیں علم اور تحقیق کے مسائل علماء کے لیے چھوڑ دیں۔

عوام اگر مسائل کی تحقیق میں پڑیں اور پختہ علم کے بغیر دین کو دلائل سے لینے لگیں دلائل میں وزن اور فیصلہ خود کرنے لگیں تو اس میں وہ کس خطرہ میں ہوں گے۔ اسے امام غزالیؒ کی

---

[1] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ صفحہ ۶۲ [2] احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۳۵

زبان سے ہی سُنیے :-

وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یرکب لجۃ البحر وھو لا یعرف السباحۃ۔[1]

ترجمہ ۔ وہ کفر کے خطرہ میں ہے اس طرح کہ وہ جانتا نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص ہو جو تیرنا نہ جانتا ہو اور دریا کے بھنور میں کود پڑے۔

اب چھٹی صدی میں چلیں۔ حضرت امام رازیؒ (۶۰۶ھ) فرماتے ہیں :-

فثبت ان الاستنباط حجۃ والقیاس اما استنباط او داخل فیہ فوجب ان یکون حجۃ ..... ثالثھا ان العامی یجب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث۔[2]

ترجمہ ۔ ثابت ہوا کہ استنباط حجت ہے اور قیاس یا استنباط ہوگا یا وہ استنباط میں داخل ہوگا۔ سو ضروری ہوا کہ یہ بھی حجت ہو ..... تیسری بات یہ ہے کہ عامی پر روزمرہ پیش آنے والے مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

اب ساتویں صدی میں چلیں اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) سے تقلید کی حقیقت سُنیں۔ آپ ائمہ کی تقلید کو اس درجہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ صحابہؓ کے مذاہب کو بھی مدوّن نہ ہونے کے باعث لائق تقلید نہیں ٹھہراتے ۔۔۔ آپ لکھتے ہیں :-

ولیس لہ التمذھب بمذھب احد من ائمۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم و غیرھم من الاولیین وان کانوا اعلم و اعلی درجۃ ممن بعدھم لانھم لم یتفرغوا لتدوین العلم وضبط اصولہ و فروعہ فلیس لاحد منھم مذھب مھذب محرر مقرر و انما قام بذلک من جاء بعدھم من الائمۃ الناحلین لمذاھب الصحابۃ والتابعین القائمین بتمھید

---

[1] احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۳۵ [2] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۷۲

احکام الوقائع قبل وقوعہا الناھضین بایضاح اصولہا و فروعہا کمالکؒ وابی حنیفہؒ[1]

ترجمہ: عامی کے لیے صحابہؓ میں جو بڑے بڑے لوگ ہوئے ان میں سے کسی کے مذہب کی پیروی لازم نہیں اگرچہ وہ حضرات علم میں بہت گہرے اور درجہ میں بہت اونچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو تدوینِ علم کے لیے اصول فقہ کے انضباط اور اس کی تفریعات کے لیے فارغ نہیں کیا۔ سو ان میں کسی کا تہذیب یافتہ مذہب جو قلمبند ہوا ہو اور طے ہوا ہو موجود نہیں۔ اس کام کے لیے وہ ائمہ اُٹھے جو ان کے بعد آئے۔ یہ لوگ صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب کو جانچنے والے تھے۔ احکام وقائع کی تمہیدات ان کے واقع ہونے سے پہلے وہ قائم کیے ہوئے تھے اور ان کے اصول و فروع کی وضاحت کے لیے وہ پہلے سے اُٹھے ہوئے تھے جیسے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ۔

اور یہ بھی لکھتے ہیں:-

ووجہہ انہ لو جاز اتباع ای مذھب شاء لافضی الی ان یلتقط رخص المذاھب متبعا ھواہ ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز وذٰلک یودی الی انحلال ربقۃ التکلیف بخلاف العصر الاول فانہ لم تکن المذاھب الوافیۃ باحکام الحوادث مھذبۃ وعرفت فعلٰی ھٰذا یلزمہ ان یجتھد فی اختیار مذھب یقلدہ علی التعیین۔[2]

ترجمہ: تقلید شخصی لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ انسان جس فقہ کی چاہے پیروی کرے تو بات یہاں تک پہنچے گی کہ وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق تمام مذاہب کی آسانیاں چُنے گا اور حلال و حرام اور وجوب و جواز کو

---

[1] المجموع شرح المہذب جلد ۱ ص ۹۱ [2] ایضاً

اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شریعت کے احکام کی پابندیاں سب کھل جائیں گی پہلے دور میں ایسا نہیں تھا کیونکہ اس وقت فقہی مذاہب مہذب اور مرتب نہ تھے۔ اب ہر شخص پر لازم ہے کہ پوری کوشش کر کے ایک مذہب چن لے اور پھر معین طور پر اسی کی تقلید کرے۔

اب آٹھویں صدی میں چلیں۔ یہاں بھی تقلید شخصی کی آواز اسی طرح بغیر کسی نکیر کے سنی جا رہی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ ھ) اس بحث میں کہ اب امام لیث بن سعد مصریؒ، امام اوزاعیؒ شامیؒ اور امام سفیان الثوریؒ کوفی کی تقلید کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ لکھتے ہیں کہ کتاب و سنت میں مطلق مجتہد کی پیروی کا حکم ہے۔ یہ فرق نہیں کیا گیا کہ فلاں مجتہد کی پیروی کی جائے اور فلاں کی نہیں۔ سو جس امام کی تقلید کو ناجائز کہا جائے اس کی کچھ نہ کچھ وجہ تو سامنے ہونی چاہیئے۔ مجتہد تو سب ایک جیسے ہیں جہاں ایک کی پیروی جائز ہوگی دوسرے کی کیوں نہ ہوگی۔

ولیس فی الکتاب والسنۃ فرق فی الائمۃ المجتہدین بین شخص و شخص فمالک واللیث بن سعد والاوزاعی والثوری ھٰؤلاء ائمۃ فی زمانھم وتقلید کل منھم کتقلید الاٰخر لا یقول مسلم انہ یجوز تقلید ھٰذا دون ھٰذا[1]

ترجمہ: کتاب و سنت میں ائمہ مجتہدین میں ایک دوسرے کے مابین کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ سو امام مالک لیث بن سعد۔ امام اوزاعی اور سفیان الثوری یہ اپنے اپنے دور کے امام ہوئے اور ان میں ہر ایک کی تقلید دوسرے کی تقلید جیسی ہے۔ کوئی مسلمان یہ نہ کہے اس کی تقلید جائز ہے اور اسکی نہیں۔

اپنی ضرورت کے مطابق مذہب بدلنے کی (تقلید شخصی سے نکلنے کی) کہاں تک اجازت ہے۔ اس پہ لکھتے ہیں :-

---

[1] فتاویٰ جلد ۲ ص۳۴۶

وقد نص الامام احمد وغیرہ علی انہ لیس لاحد ان یعتقد الشیٔ واجبًا او حرامًا ثم یعتقدہ غیر واجب او محرم بمجرد ھواہ مثل ان یکون طالبًا لشفعۃ الجوار لیعتقدھا انھا حق لہ ثم اذا طلبت منہ شفعۃ الجوار اعتقدھا انھا لیست بثابتۃ ..... وقد نص احمد وغیرہ علی ان ھذا لا یجوز[1]

ترجمہ۔ امام احمد اور کئی دوسرے اماموں نے کھل کر یہ بات کہی ہے کہ کسی شخص کے لیے روا نہیں کہ کسی چیز کو واجب یا حرام اعتقاد کرے اور پھر محض اپنی خواہش کے پیشِ نظر اسے غیر واجب یا غیر حرام اعتقاد کرنے لگے۔ مثلاً کوئی شخص ہمسائے کے حقِ شفعہ کو حق سمجھے اور مقدمے میں طالب ہو کہ یہ اس کا حق بنتا ہے۔ پھر جب اس سے کبھی شفعۃ الجوار مانگا جائے تو وہ کہے کہ اسلام میں شفعۃ الجوار ثابت نہیں۔ امام احمد اور کئی دوسرے ائمہ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، پھر لکھتے ہیں :-

یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوٰی ومثل ھذا لا یجوز باتفاق الائمۃ۔[2]

ترجمہ۔ لوگ غرض و خواہش کے تحت کسی وقت اس امام کی تقلید کریں جو اس عمل کو فاسد قرار دیتا ہو اور کسی وقت اس کی جو اسے صحیح کہتا ہو تو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بالاتفاق الائمہ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں :-

لان ذٰلک یفتح باب التلاعب بالدین وفتح الذریعۃ الی ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاھواء[3]

ترجمہ۔ اس سے دین کو کھیل بنانے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حلال وحرام کے فیصلے

---

[1] فتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۸۶

خواہشات سے کرنے کی راہ کھل جاتی ہے۔

وھذہ المذاھب الاربعۃ وللہ تعالیٰ الحمد فی العقائد واحدۃ الامن

لحق منہا باھل الاعتزال اوالتجسم والا فجمہورھا علی الحق[1]

ترجمہ: اور یہ چاروں مذاہب عقائد میں ایک ہیں سوائے ان کے جو معتزلہ اور مجسمہ میں سے ان کے ساتھ آملے۔ ورنہ جمہور سب حق پہ ہیں۔

اور ایک اور دوسرے مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کے قائل نہیں قیاس کو حجت نہیں مانتے انہیں قضاء (عدلیہ) کا عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ (طبقات جلد ۲ ص۴۵)

آٹھویں صدی کے علامہ ابن خلدونؒ (۸۰۸ھ) تقلید شخصی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ووقف التقلید فی الامصار عند ھؤلاء الاربعۃ ودرس المقلدون

لمن سواھم وسد الناس باب الخلاف وطرقہ لما کثر تشعب

الاصطلاحات فی العلوم ولما عاق عن الوصول الیٰ رتبۃ الاجتہاد ولما

خشی من اسناد ذٰلک الیٰ غیر اھلہ ومن لا یوثق برایہ ولا بدینہ

فصرحوا بالعجز والاعواز وردوا الناس الیٰ تقلید ھؤلاء کل من

اختص بہ من المقلدین وحظروا ان یتداول تقلیدھم لما فیہ من

التلاعب ولم یبق الا نقل مذاھبھم[2]

ترجمہ: اور بڑے بڑے شہروں میں تقلید ان چار اماموں پر آکر رک گئی ہے ان کے سوا دوسرے اماموں (جیسے امام اوزاعی۔ امام سفیان الثوری، لیث بن سعد مصری وغیرہ) کے مقلد ختم ہو گئے ہیں اور لوگوں نے (تقلید میں آکر) اختلاف کا

---

[1] معید النعم ومبید النقم ص۴۲ [2] مقدمہ ابن خلدون باب ۲ فصل ۷ ص۴۴۸ مصر

دروازہ اور اس کی تمام راہیں بند کر دی ہیں یہ اس لیے کہ عامی اصطلاحات کی پیچیدگی بڑھ گئی ہے مرتبہ اجتہاد تک پہنچنا رک گیا ہے اور اس کا بھی خطرہ تھا کہ اجتہاد نا اہلوں اور ان لوگوں کے قبضہ میں چلا جائے جن کی رائے اور دین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا. بڑے بڑے علماء نے اجتہاد سے عجز اور درماندگی کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو ان ائمہ اربعہ کی تقلید کی طرف لگا دیا. ہر شخص جس کی وہ تقلید کرتا ہے اس کے ساتھ رہے اور لوگوں کو اس سے ڈرایا کہ وہ ائمہ کی تقلید بدل بدل کر نہ کریں یہ تو دین سے کھیلنا ہو جائے گا. اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ بس انہی ائمہ کے مذاہب آگے نقل کیے جائیں.

علامہ ابن خلدونؒ نے تقلیدِ شخصی کا احساس جس دلنشین پیرایہ میں دلایا ہے اپنی مثال آپ ہے

آٹھویں صدی کے ایک جلیل القدر عالم علامہ ابو اسحٰق الشاطبی المالکیؒ (۷۹۰ھ) یہ بیان کرتے ہوئے کہ مختلف ائمہ کی پیروی سے انسان کس طرح خواہشات کا پیرو بن سکتا ہے اور مختلف مذاہب سے آسانیاں تلاش کرنے میں دین کو کیا کیا خطرے لاحق ہو سکتے ہیں. یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان ایک فقہ کے اندر رہ کر بھی غیر مفتی بہ قول کو اختیار نہ کرے. فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلے پر متعدد اقوال ملیں تو ان میں سے کسی غیر مشہور کو اختیار کرنا یہ بھی ایک پہلو سے خواہش پرستی پر مبنی ہو سکتا ہے.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء آٹھویں صدی میں تقلیدِ شخصی کے سوا اور کسی راہ سے دین کا تحفظ تسلیم نہ کرتے تھے. وہ سمجھتے تھے کہ ترکِ تقلید سے مسلمانوں میں وہ فکری اور عملی آوارگی پھیل سکتی ہے کہ پھر اس کو کسی طرف سے تحفظ نہ مل سکے ـــــ علامہ شاطبیؒ اپنے مذہب کے حضرت علامہ مازریؒ سے نقل کرتے ہیں :-

ان الورع قل بل کاد یعدم والتحفظ علی الدیانات کذلک و کثرت الشہوات

وكثر من يدعى العلم ويتجاسر على الفتوىٰ فيه ولو فتح لهم باب فى مخالفة المذهب لا تسع الخرق على الراقع وهتكوا حجاب هيبة المذهب وهٰذا من المفسدات التى لاخفاء بها[1]

ترجمہ: پرہیزگاری بہت کم رہ گئی ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیانتداری قائم رکھنے کا احساس مٹتا جارہا ہے خواہشات بڑھ گئی ہیں علم کے مدعی کئی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو فتوے دینے میں دلیر ہیں۔ اگر لوگوں کے لیے مالکی مذہب سے نکلنے کا دروازہ کھول دیا جائے تو پیوند لگاتے تار اور ٹوٹتے جائیں گے لوگ مذہب کی ہیبت کا پردہ چاک کر دیں گے اور (تقلید شخصی کو ڈھیلا کرنے میں) وہ مفسدات پیدا ہوں گے جن پر کوئی پردہ نہیں۔

علامہ مازریؒ کی یہ نصیحت علامہ شاطبیؒ نے تحفظ دین کے جس دلسوز پیرایہ میں بیان کی ہے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ تاہم علامہ شاطبیؒ اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ فتوے قول مشہور کے خلاف نہ دیا جائے۔ لکھتے ہیں:۔

فلو فتح لهم هٰذا الباب لا نحلت عرى المذهب بل جميع المذاهب[2]

ترجمہ: فقہ کے قول مشہور سے نکلنے کی راہ کھول دی جائے تو مذہب کے سب کڑے ٹوٹ جائیں گے بلکہ سب مذاہب کی بنیادیں ہل جائیں گی۔

نویں صدی کے علامہ ابن ہمام الاسکندریؒ (م ۸۶۱ھ) مذہب معین کے التزام پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والغالب ان مثل هٰذه الالتزامات لكف الناس عن تتبع الرخص[3]

ترجمہ: زیادہ تر بات یہ ہے کہ اس قسم کے التزامات (کہ انسان ایک مذہب کی پیروی میں ہی رہے) اس لیے ہیں کہ لوگ مختلف مذاہب سے (خواہش نفس کے مطابق) آسانیاں

---

[1] الموافقات جلد ۴ ص ۱۴۶ [2] ایضاً ص ۱۴۷ [3] ماخوذ از فیض القدیر جلد ۱ ص ۲۱۱

تلاش کرنے سے باز رہیں۔

علامہ عبدالرؤف مناویؒ (۱۰۰۳ھ) اس سے پہلے یہ کہہ آئے ہیں:۔

لا یجوز تقلید الصحابۃ وکذا التابعین کما قالہ امام الحرمین من کل من لم یدون مذھبہ فیمتنع تقلید غیر الاربعۃ فی القضاء والافتاء لان المذاھب الاربعۃ انتشرت و تحررت حتی ظھر تقیید مطلقھا وتخصیص عامھا بخلاف غیرھم لانقراض اتباعھم وقد نقل الامام الرازی امام المحققین علیٰ منع العوام من تقلید الصحابۃ واکابرھم[1]

ترجمہ: صحابہؓ اور تابعینؒ کی تقلید اور اس شخص کی جس کا مذہب مدون نہیں ہوا جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے جائز نہیں۔ سو قضاء اور افتاء میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید کو راہ نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مذاہب اربعہ عام ہو چکے اور لکھے جا چکے۔ اس کے مطلق میں کہاں کہاں قید ہے اور اس کے عام میں کہاں کہاں تخصیص ہے یہ سب باتیں ظاہر ہو چکیں بخلاف دوسرے ائمہ کے جن کے پیرو باقی نہیں رہے اور امام فخر الدین رازیؒ نے تو علماء محققین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ لوگوں کو صحابہؓ اور دوسرے اکابر کی تقلید سے روکا جائے۔

یعنی تقلید چلے گی تو فقہ کے انہی مذاہب اربعہ کی کیونکہ ان کی فقہ مدون ہو چکی ہے اور اس کے اصول و فروع تقیید مطلق تخصیص عام وغیرہ سب امور جانے جا چکے ہیں۔ اب ہر شخص پر جو اجتہاد کے درجہ تک نہیں پہنچا، ان مذاہب اربعہ سے کسی ایک مذہب کی پیروی ضرور ہوگی۔

وعلیٰ غیر المجتہد ان یقلد مذھبًا معینًا۔[2]

ترجمہ: اور جو مجتہد نہیں اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی معین مذہب کی تقلید کرے۔

اب آیئے گیارہویں صدی میں چلیں۔ شارح بخاری علامہ محمد بن علاؤ الدین (۱۰۸۸ھ)

---

[1] فیض القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ [2] ایضاً

صاحب درمختار لکھتے ہیں اور اس صدی کے کسی دوسرے عالم نے اس پر نکیر نہیں کی:-

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع وان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقا و ھو المختار فی المذہب[1]

ترجمہ۔ فقہاء میں سے کسی کے قول مرجوح کو لینا اور اس پر قضاء اور فتوے دینا ایک جہالت اور اجماع امت توڑنے کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی کسی امام کی بات لینا اور کبھی دوسرے کی۔ یہ تلفیق کا انداز باطل بالاجماع ہے۔ کسی ایک کی فقہ پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس کی تقلید سے ہٹ جانا بالاتفاق باطل ہے اور مذہب مختار یہی ہے۔

علامہ شامی اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:۔

ایک شخص وضوء سے تھا کہ اس کا خون بہا (حنفی مذہب میں اس کا وضوء جاتا رہا اور شافعی مذہب میں وہ وضوء سے ہے) پھر اس کا ہاتھ کسی عورت سے چھو گیا (اب شافعی مذہب میں اس کا وضوء گیا اور حنفی مذہب میں یہ ناقضِ وضوء نہیں) اس نے نماز پڑھی۔ اس نماز کی صحت مذہب شافعی اور حنفی کی تلفیق ہوگی ـــــ اور تلفیق باطل ہے سو اس کی نماز نہ ہوئی۔

مثاله متوضی سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحته منتفیة[2]

خون بہنے سے اگر وہ اس یقین پر تھا کہ وضو نہیں ٹوٹا شافعی مذہب کی عظمت اور ہیبت اس پر محیط تھی تو عورت کو چھونے سے جب شافعی مذہب پر اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اب اس فقہ کی عظمت اور ہیبت یکایک اس کے دل سے کیسے نکل گئی۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ شریعت کے کسی فتوے کی اس کے

---

[1] درمختار بحاشیہ شامی جلد ا صہ ۶۹ [2] ردالمحتار جلد ا صہ ۶۹

دل پر ہیبت نہ ہو اور اس نے مذہب کو کھلونا بنا رکھا ہو۔ یہ تلفیق ہے جو ہرگز جائز نہیں۔

اب آیئے ہم آپ کو بارہویں صدی میں لے چلیں۔ حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تقلید شخصی سے نکلنے کے مفاسد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ آپ نے اس موضوع پر ایک باب باندھا ہے۔

باب تاکید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعۃ والتشدید فی ترکہا والخروج عنہا۔[1]

ترجمہ۔ یہ باب اس تاکید میں ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی پیروی ضروری ہے ان کو چھوڑنا اور ان کی تقلید سے نکلنا ایک بڑا خطرناک قدم ہے۔

اس میں آپ نے مذاہب اربعہ کی پیروی میں اسی مصلحت کی نشاندہی کی ہے جو آپ ایک ہزار سال سے سنتے چلے آرہے ہیں اور اسے چھوڑنے میں آپ نے وہی مفاسد بتلائے ہیں جو آپ سے پہلے کے علمائے حق بیان کرتے آئے ہیں۔

یہ اسلام کی بارہ صدیوں کی شہادت ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے یہ پوری امت کی متفقہ آواز ہے ہر مسلک کے بڑے بڑے علماء وہ حنفی ہوں یا مالکی۔ شافعی ہوں یا حنبلی۔ عراقی ہوں یا شامی۔ جہاں جہاں بھی مسلمان پھیلے تھے ان کے سرکردہ علماء نے چوتھی صدی سے لے کر بارہویں صدی تک ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کو تحفظ دین کی واحد صورت قرار دیا ہے اور اس سے نکلنے میں الحاد و گمراہی کے وہ سیاہ بادل امڈے دیکھے ہیں کہ الامان —— الحفیظ —— اور اب جب تیرہویں صدی کے بعد برٹش انڈیا میں اس قلعے میں پہلا شگاف لگا تو دنیا نے دیکھا کہ دین میں آزادی فکر پیدا ہونے کے جو خطرناک نتائج بارہویں صدی تک کے ان علماء نے بیان کیے تھے وہ سامنے آکر رہے اور آج مسلمانوں کی جو خطرناک فرقہ وارانہ حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا دیکھ چکی ہے کہ انکار فقہ نے انکار حدیث کی راہیں نکالیں اور

---

[1] عقد الجید ص

اب فرقہ انکارِ حدیث اسی طرح مسلمانوں کو انکارِ قرآن کی دہلیز پر لا رہا ہے۔

ایک سوال

تقلید شخصی جب پہلی تین صدیوں میں واجب نہ تھی، تقلید مطلق سے کام چل جاتا تھا تو چوتھی صدی سے علماء اس کو واجب کیوں کہنے لگے۔ جو بات کل واجب نہ تھی وہ آج کیسے واجب ہو سکتی ہے؟

الجواب: واجب دو قسم کے ہیں ایک واجب اصلی اور دوسرا وہ واجب جو بذاتِ خود تو واجب نہ ہو لیکن کسی اور واجب تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔ اس تک پہنچنا بدوں اس کے ممکن نہ ہو۔ یہ واجب لغیرہ ہے اس دورِ پُر فتن میں جب فکری آزادی کی لہریں بہت سفینے ڈبو چکی ہیں اب اسے واجب کہنے سے چارہ نہیں۔

اب یہ بات کسی صاحبِ درد سے مخفی نہیں کہ ان دنوں تحفظِ دین کی صورت مذاہبِ اربعہ کی پیروی کے سوا اور کوئی نہیں رہی۔ کتاب و سنت کے منصوص مسائل کے بعد غیر منصوص مسائل اب نئے سرے سے طے نہ کیے جائیں بلکہ پہلے مجتہدین جو انہیں طے کر گئے ہیں انہی کی پیروی کر لی جائے

ز اجتہادِ عالماں کوتاہ نظر   اقتدار رفتگاں محفوظ تر

چار مثالیں

(۱) — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قرآن کریم کو یکجا کرنا واجب نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں صحابہؓ کے اجماع سے اسے یکجا کرنا ضروری قرار پایا ——— یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ تحفظ دین کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

(۲) — سلف کے ہاں حدیث لکھنا ضروری نہ تھا۔ روایت حدیث سے سارا کام چل جاتا تھا اب وقت گزرنے اور دائرہ امت پھیلنے سے اس کا لکھنا اور اسے کتابوں سے پڑھنا ضروری ہو گیا ہے ——— یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ تحفظ دین کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

(۳) —— سلف میں صرف و نحو اور لغت و ادبیات کا سیکھنا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا عرب اہلِ زبان ہونے کے ناطے قرآن و حدیث کی زبان سمجھ لیتے تھے۔ آج ہمارے مدارس میں ان کا پڑھنا پڑھانا ضروری ہوگیا ہے —— کیوں؟

یہ اس لیے کہ ان کے بدون کتاب و سنت کی زبان سمجھی نہیں جا سکتی۔

(۴) —— اسی طرح یہ سمجھ لیا جائے کہ ایک وقت صاحب مطلق تقلید کافی تھی تقلید شخصی واجب نہ تھی اور اب ایسا وقت آ گیا کہ مسائل غیر منصوصہ میں اور مسائل منصوصہ متعارضہ میں اخذ مسائل اور حل مسائل کی اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ پہلی صدیوں کے مجتہد ائمہ علم کی پیروی واجب سمجھی جائے بشرطیکہ ان کے مذاہب تک ہماری رسائی ہو اور ان کے مذاہب کی مدونہ کتابیں ہماری رسائی میں ہوں۔ سو اس پہلو سے تقلید شخصی واجب ہے لان مقدمۃ الواجب واجبۃ۔

اس شبہے کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ رح نے یہ دیا ہے:۔

قلت الواجب الاصلی ہو ان یکون فی الامۃ من یعرف الاحکام الفرعیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ اجمع علی ذٰلک اھل الحق ومقدمۃ الواجب واجبۃ فاذا کان للواجب طرق متعددۃ وجب تحصیل طریق من تلک الطرق من غیر تعیین فاذا تعین لہ طریق واحد وجب ذالک الطریق بخصوصہ۔[1]

ترجمہ۔ اصل واجب یہ ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہوں جو شریعت کے فرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جانتے ہوں اور اس پر اہل حق کا اجماع ہے اس واجب تک پہنچنے کی جو راہ ہوگی وہ بھی واجب ٹھہرے گی جب کسی واجب تک پہنچنے کے لیے کئی راہیں ہوں تو ان راہوں میں سے کسی کو اختیار کر لینا بغیر کسی تعیین کے واجب ہوگا اور جب اس کے لیے ایک ہی راہ ہو تو اب اس خاص راہ

---

[1] الانصاف ص

کو اختیار کرنا واجب ہوگا۔

قرآن کریم میں کہا گیا تھا کہ اس امت میں ایک طبقہ تفقہ فی الدین کے لیے فارغ ہونا چاہیئے اور دوسرے ان کے پیچھے لگیں۔ اب اس دور میں امت میں اگر وہ طبقہ مجتہد مطلق کا نہیں ہے اور علم دین کی محنت میں ہمتیں کمزور پڑ گئی ہیں، ہر ایک اپنی رائے میں مست ہے تو اب اس رجوع الی المجتہد المطلق کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کی اب صرف ایک ہی راہ ہے کہ جن مجتہدین کے مذاہب کتابی شکل میں مدوّن، مرتب، اور شرح در شرح کے ساتھ واضح چلے آرہے ہوں ان میں سے کسی کی پیروی کرلی جائے۔ یہ تقلید کی راہ ہے اور تقلید اس راہ سے واجب ہے۔

مقدمة الواجب واجبة۔

اب ان مختلف طریقوں کے اپنانے میں انسان کی ہوائے نفس اور سہولت پسندی کی کوئی راہ نکلتی ہو تو تقلید مطلق سے اس واجب اصلی کا تقاضا پورا نہ ہوگا اور اس تک رسائی کے لیے تقلید شخصی واجب قرار دینی ہوگی ـــ لان مقدمة الواجب واجبة۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ کچھ نظیریں پیش کرتے ہیں کہ کبھی وہ چیز جو پہلے واجب نہ ہو حالات بدلنے پر واجب ہو جاتی ہے اور یہ شریعت کی جامعیت ہے کہ ہر قسم کے حالات کے مطابق اس میں عملی راہ نکل آتی ہے ـــ آپ لکھتے ہیں :-

کان السلف لا یکتبون الحدیث ثم صار یومنا ھٰذا کتابة الحدیث واجبة لان روایة الحدیث لا سبیل لها الیوم الا معرفة الکتب وکان السلف لا یشتغلون بالنحو واللغة وکان لسانهم عربیًا لا یحتاجون الی ھٰذه الفنون ثم صار یومنا ھٰذا معرفة اللغة العربیة واجبة لبعد العهد عن العرب الاوّل وشواھد ما نحن فیه کثیرة جدًا وعلی ھٰذا ینبغی ان یقاس وجوب التقلید لامام بعینه فانه قد یکون واجبًا وقد لا یکون واجبًا۔[1]

---

[1] الانصاف ص

ترجمہ: سلف حدیث کو عام نہ لکھتے تھے پھر آج یہ حدیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ آج ان کتابوں کی معرفت کے بغیر روایتِ حدیث کی اور کوئی راہ نہیں اور اسی طرح سلف علم نحو اور علم لغت میں وقت نہ لگاتے تھے ان کی اپنی زبان عربی تھی اور وہ ان فنون کے محتاج نہ تھے لیکن آج معرفت لغتِ عربی واجب ہو گئی ہے۔ کیونکہ ہم زماناً عرب اوّل سے بہت دور رہیں اور جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس کے شواہد اور بھی بہت سے ہیں اور چاہیئے کہ تقلید شخصی کا مسئلہ بھی اس پر منطبق کیا جائے کہ یہ بعض حالات میں واجب ہوتا ہے جبکہ بعض دوسرے حالات میں یہ واجب نہ تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے اس فیصلے پر یہ تفصیلی بیان دیا ہے:۔

وکان ھٰذا ھو الواجب فی ذٰلک الزمان [1]

ترجمہ: ایک معین مجتہد کی تقلید کرنی اس زمانے میں واجب ہو چکی ہے۔

یہ رائے بارہویں صدی کے مجدد اور امت کے اس حکیم کی ہے جس کے بارے میں نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اگر وجودِ او در صدر اوّل در زمانہ ماضی بودے امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ مے شد [2]

ترجمہ: اگر ان کا وجود پچھلے دور کے صدر اوّل میں ہوتا تو آپ امام الائمہ اور مجتہدین کے تاج سمجھے جاتے۔

آیئے اب اس کے برعکس ایک دوسری مثال لیجیئے۔ ایک چیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جائز تھی حالات کے بدلنے پر کیسے ناجائز ہو گئی۔ حالات کی رعایت نہ ہو تو دین باقی رہتا ہے نہ فتوے کی آبرو باقی رہتی ہے۔

---

[1] الانصاف صہ [2]

[2]

یہ امت حفاظتِ قرآن پہ مامور ہے اور اس پہ واجب ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کرے تاہم اسے اختیار دیا گیا تھا کہ وہ احرفِ سبعہ میں جس طرح چاہے اس کی تلاوت کرے ـــــ حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا کہ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہے تو حالات بدلنے سے قرآن کریم کا تحفظ خطرے میں پڑ جائے گا تو انہوں نے صرف حرفِ قریش پر قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت باقی رکھی۔ باقی چھ حروف روایۃً رہنے دیئے۔ تلاوۃً ان سے منع کر دیا۔ رسم الخط میں یہی ایک طریق رہا۔ حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں :-

لعلة من العلل اوجبت عليها القرأة على حرف واحد .... قرأته بحرف واحد ورفض القرأة بالاحرف الستة الباقية۔[1]

ترجمہ۔ اسباب میں سے کوئی سبب ہو قرأت ایک ہی حرف پر باقی رکھی گئی اور چھ دوسرے احرف چھوڑ دیئے گئے۔

حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے پہ تمام صحابہؓ کا اجماع ہوا۔ اس وقت سے لے کر آج تک قرآن کریم کی تلاوت بس اسی حرف، واحد پہ چلی آ رہی ہے۔

سو پہلی تین صدیوں کی غیر معین تقلید نے اگر آگے چل کر معین تقلید کی صورت اختیار کر لی اور اس وقت سے لے کر آج تک امت تقلید شخصی پہ چلی آ رہی ہے تو اس میں کوئی نسبت تضاد نہیں ہے۔ بہرحال کے اپنے تقاضے تھے جو ان حضرات نے پورے کیے۔

چودھویں صدی میں مذہبی آزادی کی لہر

ہندوستان میں انگریزوں نے آزادی رائے کے نام سے مسلمانوں کو تقلید کے خلاف اکسایا اور چودھویں صدی میں کچھ مسلمان اس کے خلاف اٹھے۔ پیشتر اس کے کہ ہم تاریخ ترکِ تقلید پہ کچھ عرض کریں ہم چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا اس موضوع پر مختصر تبصرہ نقل کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ترکِ تقلید کی جڑ بدگمانی ہے اور تقلید کی اساس حسن ظن پہ ہے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ا صد ۱۹

تقلید کی بنا حسن ظن پر ہے اور ترک تقلید کی جڑ بدگمانی ہے

آج کل جو لوگ تقلید کے تارک اور خود اجتہاد کے مدعی ہیں ذرا ان کے قریب ہو کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں نہ علم میں بصیرت، نہ تقوے و خشیت نہ حالات پر نظر نہ وحدتِ امت کی فکر مگر جوشِ اجتہاد میں مجتہد بنے بیٹھے ہیں سلف سے بدگمانی ہے اور خود مقتدار بننے کی ٹھانی ہے ـــــ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں ایک دوسرے پر اعتماد تھا۔ انہیں اتحاد کی دولت حاصل تھی اور ان میں تقلید جاری تھی گو شخصی نہ ہو اور شخصی سے بھی انہیں انکار نہ تھا تاہم وہ بداعتمادی اور بدگمانی کا شکار نہ تھے۔ بدگمانی کا شر شیعوں سے چلا ہے اور حسن ظن اور اعتماد صحابہؓ و تابعینؒ سے ـــــ یہی وجہ ہے کہ ائمہ سے بدگمانی بدزبانی تک لے آتی ہے اور شیعوں کا چھوٹا بھائی بنا دیتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک دفعہ ایسے لوگوں کو صریحاً تبرائی قرار دیا۔

(آج کل) ایک طبقہ مدعیان اجتہاد کا ہے ..... ان میں خصوصیت سے ایک بات ایسی بُری ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ وہ یہ ہے کہ ان میں مرض ہے بدگمانی کا۔ پھر اس سے بدزبانی پیدا ہوتی ہے۔ بزرگوں کی شان میں بدزبانی کرنا یا ان کی طرف بدگمان کرنا نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں کے معتقد بنو معتقد ہونا فرض نہیں۔ مگر بدگمانی سے بچنا تو فرض ہے.....

اگر یہ نہیں تو پھر شیعوں کی طرح یہ بھی ایک اچھا خاصہ تبرائی فرقہ ہے[1]

ائمہ کے گستاخوں کو اسی لیے چھوٹے شیعہ کہتے ہیں بڑے شیعہ صحابہؓ کو بُرا کہتے ہیں اور یہ ائمہ مجتہدین کو خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ـــــ اور یہ بات بقول حضرت مولانا داؤد غزنویؒ درست ہے کہ ان نام کے اہلحدیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بددعا لے بیٹھی ہے۔ یہ لوگ اگر کچھ حسن ظن سے کام لیتے ہیں تو اپنے علماء کے بارے میں ائمہ کرام کے بارے میں ان کے پاس بدگمانی کے سوا کچھ

---

[1] الافاضات جلد ۷، ملا۵

نہیں — حسن ظن اگر کسی اعتبار سے جائز ہے تو ائمہ کے بارے میں کیوں نہیں — حضرت تھانویؒ سے ایک واقعہ سنیئے :-

ایک غیر مقلد عالم سے میری گفتگو ہوئی. میں نے کہا کہ تقلید کا مدار عدم دلائل نہیں بلکہ حسن ظن ہے، چنانچہ آپ کو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ پر اعتماد ہے. حسن ظن ہے. یہ سمجھتے ہو کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن و حدیث سے ہی کہتے ہیں. اس لیے ان کے اقوال کے بعد دلائل کا بھی انتظار نہیں کرتے. حالانکہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ وہ دھڑا دھڑ فتوے لگاتے چلے جاتے ہیں لکھتے چلے جاتے ہیں اور دور تک کہیں آیت و حدیث کا پتہ نہیں نہ کوئی دلیل ہے — اپنے دعوے کے اثبات میں. اور اس سے بڑھ کر تماشا یہ ہے کہ بعض جگہ خصم کے دلائل نقل کرتے ہیں اور بدوں ان دلائل کے جواب دیئے ہوئے اس میں اختلاف کرتے ہیں خود اپنے دعوے کی دلیل بیان نہیں کرتے — سو اسی طرح ہم کو امام ابوحنیفہؒ پر اعتماد اور حسن ظن ہے ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں. اس لیے دلائل تفصیلیہ کا انتظار نہیں کرتے. اب بتلایئے کہ اس میں اور ان میں کیا فرق ہے. کہنے لگے بالکل صحیح ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بھی بعض علماء حسن ظن کو گناہ نہیں سمجھتے گناہ بدگمانی ہے ان بعض الظن اثم — غیر مقلد حضرات اگر ائمہ کرام کے بارے میں حسن ظن پر آجائیں تو مقلدین اور غیر مقلدین کے عملی اور فکری فاصلے بہت کم ہو جاتے ہیں. فقہاء ہی علم کے گہرے سمندروں میں تیرتے ہیں اور بے شک انہی کا حق ہے. حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :-

فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے احکام پر بھی علل احکام پر بھی سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات کو الہام ہوتا تھا جس سے ایسی دین کی خدمت کی ہے حق تعالیٰ ان

---

[1] الافاضات جلد ۷ ص ۵۳

کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اگر فقہا کی ذات دنیا میں نہ ہوتی تو عالم میں ایک اندھیرا ہوتا۔ دین کے ہر مسئلہ کو روشن اور واضح کر دیا۔ اگر فہم سلیم اور عقل کامل ہو تو کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔[1]

الشعراء تلامیذ الرحمٰن آپ نے بارہا سنا ہو گا۔ یہ بات، بطور اصول سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن شاعر جب بولتا ہے تو لوگ اس کے تخیل کی پرواز کو دیکھتے ہیں اور ششدر رہ جاتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات، الہاماً ان کے دل میں اتری ہو گی۔ اسی طرح فقہاء کی فکری گہرائی بھی پاٹنے میں نہیں آتی۔ حضرت امام شافعیؒ نے درست فرمایا کہ جب امام محمد بن حسنؒ بولتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا وحی اتر رہی ہو۔ حضرت تھانویؒ نے سچ فرمایا کہ ان حضرات کو (فقہائے کرام) کو الہام ہوتا تھا جس سے شریعت پھیلتی تھی اور ہر غیر اسلامی بات کو قبول نہ کرنے سے رکتی تھی۔ شریعت مجتہدین کے اجتہاد سے غیر منصوص مسائل میں پھیلتی ہے اور بدعت کو اپنے اندر سمونے سے ابا کرتی ہے۔ اسے ہی جامع اور مانع عمل کہتے ہیں یہ اصول کی بات ہے۔ رہا شریعت کا فروع کے اختلاف میں وسیع ہونا۔ سو یہ تضاد اور انتشار کا موجب نہیں۔ یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔

امام ابن قدامہ الحنبلی (۶۲۰ھ) ان فروعی اختلافات کے بارے میں ص۹۴ میں لکھتے ہیں:۔

واما بالنسبة الى امام فى فروع الدين كالطوائف الاربع فليس بمذموم فان اختلاف فى الفروع رحمة و المختلفون فيه محمودون فى اختلافهم مثابون فى اجتهادهم و اختلافهم رحمة واسعة و اتفاقهم حجة قاطعة۔[2]

ترجمہ: جو اختلافات فروع میں ائمہ کی نسبت سے ملتے ہیں جیسے احناف سے۔ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے اختلافات تو یہ اختلافات ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ فروع میں اختلاف رحمۃ ہے اور یہ اختلاف کرنے والے اپنی جگہ سب لائق تعریف ہیں اور اپنے اپنے اجتہادات میں ثواب یافتہ ہیں۔ آپس میں مختلف ہیں تو یہ اعمال کی وسعت ہے اور کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اب ان کا اجماع اسلام میں حجۃ قاطعہ ہے (جس سے کسی کو انکار کی اجازت نہیں)۔

---

[1] الافاضات جلد ۷ ص۸۴

تاریخ ترکِ تقلید

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اجتہاد اور تقلید دو لفظ ساتھ ساتھ چلے ہیں. مجتہد اور مقلد دو متقابلے کے لفظ ہیں. اسلام میں اجتہاد کا وجود بتلاتا ہے کہ غیر مجتہد کے لیے غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی پیروی کا حکم ہے. اگر سرے سے اجتہاد کا انکار کر دیا جائے تو تقلید کی نفی بھی ساتھ ہی ہو جائے گی. نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری

لفظ تقلید کا اصل مقابل اجتہاد ہے. نادان اہل حدیث اسے حدیث کے مقابل لیتے ہیں یُوں کہتے سُنے گئے کہ فلاں تقلید پر چلتا ہے اور فلاں حدیث پر ــــــ خواہ مخواہ حدیث اور تقلید کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کرتے ہیں ـــ الفاظ جب اپنے غیر محل میں استعمال کیے جائیں تو پھر غلط فہمیاں بڑھتی ہیں اور اختلافات اور پھیلتے ہیں. جہلاء اہلحدیث کے اس غلط استعمال نے امت میں بہت بے ڈھب تفریق پیدا کر دی ہے.

علمائے اہلحدیث میں ہمارے کرم فرما مولانا محمد اسمٰعیل (آف گوجرانوالہ) صاحب شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تقلید کے مقابل ترکِ تقلید کا نام تحریک آزادئ فکر رکھ کر اس کی تاریخ سے پردہ اُٹھا دیا ہے. آپ کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ تقلید مقلدین کو پابندیوں میں جکڑتی ہے اور ترکِ تقلید انسان کو اسلاف کی پابندیوں سے آزاد کرتی ہے. اہلحدیث کی تحریک اصل میں تحریک آزادئ فکر ہے جو انگریز ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کو ان کے ماضی سے بیگانہ اور انہیں فتاوے عالمگیری سے دُور رکھ کر انہیں فکر و نظر اور سمت و عمل میں بالکل آزاد کر دیا جائے.

تقلید کے مقابل اب یہ تین لفظ ہمارے سامنے آ گئے. ۱. تقلید اور اجتہاد. ۲. تقلید اور عمل بالحدیث. ۳. تقلید اور آزادئ فکر ـــ پہلا استعمال علمائے محققین کا ہے کہ علمی دنیا میں دو ہی طرح کے لوگ ہیں مقلد یا مجتہد. غیر مقلدین کسی علمی پیمانے کے ناپ تول میں نہیں آتے ـــــ دوسرا استعمال جہلاء اہلحدیث کا ہے. جو بغیر کسی علمی درجے کا علم رکھنے کے عمل بالحدیث کے مدعی بنتے ہیں ـــــ اور تیسرا

استعمال علمائے اہلحدیث کا ہے جو تقلید کے مقابلہ میں آزادیٔ فکر کا عنوان اختیار کرتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب اگر اپنے استاد مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سے یہ بات سمجھ لیتے تو وہ ترک تقلید کو کبھی تحریک آزادیٔ فکر سے تعبیر نہ کرتے۔ مولانا محمد ابراہیم میر لکھتے ہیں۔

ہمارے حنفی بھائی ہم اہل حدیثوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ وہ باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا اقوال صحابہؓ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشہورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہوکر جو چاہیں سو کیا کریں اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مذہب سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔[1]

آج شاگرد استاد کے باغی ہو رہے ہیں۔ مولانا ابراہیم میر مطلق تقلید سے انکار نہیں کرنا چاہتے مگر مولانا اسماعیل صاحب ہیں کہ ترک تقلید کو تحریک آزادیٔ فکر کا نام دے رہے ہیں۔ ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ استاد شاگرد میں سے کس کی بات میں امت میں جوڑ پیدا کرسکتی ہے اور کس کی سراپا توڑ اور انتشار تاہم یہ کہنے میں ہم حرج نہیں سمجھتے کہ جماعت اہلحدیث اس وقت مولانا ابراہیم صاحبؒ کے نظر و فکر پر نہیں مولانا اسماعیل صاحب کے نقش قدم پر آزادی فکر میں آگے سے آگے جارہی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

انکار اجتہاد کی تاریخ انکار تقلید سے بہت پہلے کی ہے۔ داؤد ظاہری (۲۷۰ھ) حدیث اور تاریخ کا بڑا عالم تھا اس نے سب سے پہلے ظاہر نصوص پر اکتفا کرنے کی تحریک چلائی اور قیاس خفی ہو یا جلی ہر ایک سے فقہ کا انکار کیا۔ پہلی امتوں میں اجتہاد کی تعلیم نہ تھی۔ اس نے اس امت کو بھی اسی منہاج پر رکھا اور اجتہاد کا انکار کیا قرآن و حدیث کے ظاہر الفاظ کے سوا یہ اور کسی بات کو کوئی درجہ نہ دیتا تھا۔ تاریخ میں اسے اسی لحاظ سے داؤد ظاہری (۲۷۰ھ) کہتے ہیں۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ

---

[1] تاریخ اہلحدیث صد ۱۸

لوگوں میں غیر منصوص مسائل میں عجیب آوارگی پیدا ہوگئی اور اسلام کا ایک جامع نظام عمل ہونے کا دعویٰ دب کر رہ گیا۔ ان دنوں ان منکرین اجتہاد کا نام اہلحدیث نہ تھا ظاہری تھا۔ نہ غیر مقلدین کی اصطلاح ان دنوں وجود میں آئی تھی۔

داؤد ظاہری کی وفات کے ستائیس سال بعد عراق میں ابوحفص عمر بن احمد البغدادی المعروف بابن شاہین (۳۸۵ھ) ایک اور عالم اُٹھا۔ یہ مجتہد کے درجہ کا عالم نہ تھا لیکن خود پسندی کا مریض تھا۔ فقہ کی تعلیم بالکل نہ رکھتا تھا۔ زبان کی بہت غلطیاں کرتا اور کسی مجتہد کا پیرو نہ تھا۔ جب لوگ اسے اس فکری آوارگی کا الزام دیتے تو کہتا میں محمدی المذہب ہوں۔ دوسرے لوگ اپنے آپ کو محمدی دین پر کہتے مذہب کی نسبت وہ اپنے اپنے اساتذہ کی طرف کرتے نہ کہ پیغمبر کی ذاتِ گرامی کی طرف —— ابن شاہین یہ پہلا شخص ہے جو نہ مجتہد تھا نہ مقلد نہ فقہ کو کسی درجے میں جاننے والا مگر محمدی المذہب کہلانے میں بہت جوش عمل رکھتا تھا۔

ہندوستان میں انگریزی عملداری میں جب ترکِ تقلید کا دھواں اُٹھا تو جو لوگ اس اندھیرے تلے گھرے وہ پہلے اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے۔ پھر مولانا محمد حسین بٹالوی نے ان کے لیے لفظ اہلحدیث انگریزی سرکار سے منظور کرایا۔ اب ابن شاہین کے ہم خیال اہلحدیث کہلاتے ہیں —— حافظ ذہبیؒ خطیبؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

ابن شاهين بقية الشيوخ الا انه كان لحانا ولا يعرف الفقه وكان اذا ذكر له مذهب احد يقول انا محمدى المذهب[1]۔

ترجمہ۔ ابن شاہین لحن سے کام لیتا تھا۔ فقہ سے ناآشنا تھا۔ جب اس کے سامنے کسی شخص کا مذہب ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا میں محمدی المذہب ہوں۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم مولوی محمد حسین بٹالوی سے کچھ پہلے ہوئے ہیں۔ ان کے دور میں غیر مقلدین اہلحدیث کے نام سے موسوم نہ تھے۔ محمدی المذہب کہلاتے تھے۔ نواب صاحبؒ نے

---

[1] تذکرہ جلد ۳ ص ۱۸۴

اس کی اصل ابن شاہین سے نقل کی ہے. آپ لکھتے ہیں :-

ازیں جا معلوم ثابت شد کہ محمدی گفتن خود را ماثور از سلف صلحاء است.

ایجاد متبعان این زمان نیست لہ

ترجمہ. اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو محمدی کہنا پہلوں سے منقول ہے. یہ لقب کچھ اس زمانے کی ہی ایجاد نہیں.

نہایت افسوس ہے کہ غیر مقلدین جس کسی کو فقہ کے خلاف دیکھتے ہیں جھٹ اسے اپنا امام مان لیتے ہیں اور اپنے لیے وہی ٹائٹل اختیار کرتے ہیں جو خود اس نے کیا تھا ــــ اور وہ یہ نہیں سوچتے کیا یہ خود ابن شاہین کی تقلید نہیں؟

ابن شاہین کے بعد اس امت میں کوئی گروہ یا جماعت ایسی نہیں گذری جو محمدی المذہب کہلائی ہو. اب تیرہویں صدی میں جا کر نئے سرے سے محمدی المذہب کا نام اختیار کرنا یہ تاریخ کا تسلسل نہیں ایک گروہ کی نئی پیدائش ہے.

یہ صحیح ہے کہ قاسم بن محمد بن قاسم اندلسی (۲۷۶ھ) نے بھی تقلید کا انکار کیا تھا لیکن ان کا انکار فقہ کا انکار نہ تھا. بقول حافظ ابن عبد البر (۴۶۳ھ) یہ خود بہت بڑا فقیہ تھا. اس کا تقلید سے انکار بوجہ مجتہد ہونے کے تھا غیر مقلد ہونے کے احساس سے نہ تھا.

چوتھی صدی کے آخر میں ایک اور نامور عالم علامہ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) اٹھے. آپ پہلے شافعی المذہب تھے. پھر داؤد ظاہری کے مذہب پر آگئے اور ظاہری کہلائے. اس سے پہلے ماسوائے ابن شاہین کے پوری قلمرو اسلامی مجتہدین کی تقلید پر جمع ہو چکی تھی. پہلی تین صدیوں میں تقلید شخصی غیر معین رہی اور چوتھی صدی میں سب اہل اسلام معین تقلید شخصی پر جمع ہو چکے تھے.

تاہم ہر ایک کے ہاں فقہ کا درجہ حدیث اور آثار صحابہ کے بعد کا تھا اور ہر طبقہ فقہ کو اس کے اپنے مقام پر رکھتا تھا.

لہ ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص۲۲۵

تاریخ تقلید تاریخ ترکِ تقلید سے بہت پہلے کی ہے۔ اجتہاد اور تقلید دونوں کا آغاز عہد صحابہؓ سے ہو چکا تھا۔ تیسری صدی میں مجتہدین کے پیرو پوری دنیا میں پھیل چکے تھے اور ظاہریہ بالکل ناپید ہو گئے تھے۔ اب مسلمان جہاں بھی تھے مقلدین ہی تھے۔

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) ظاہریہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمتهم [1]

ترجمہ۔ پھر ظاہری لوگوں کا مذہب ناپید ہو گیا ان کے علماء کے مٹ جانے سے۔

پھر کچھ وقت کے بعد امام اوزاعیؒ کے مقلدین بھی ناپید ہو گئے۔ حضرت سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) کے مقلدین اس سے بھی پہلے ختم ہو چکے تھے اور اب عالم اسلام میں ان چار مذاہب کے سوا اور کوئی مکتبِ فکر نہ تھا۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں تیرہویں صدی میں تمام اہلِ اسلام مذاہبِ اربعہ کے ہی پیرو تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں کوئی معروف مسلمان غیر مقلد نہ تھا۔ سب اہلِ اسلام کسی نہ کسی فقہی مذہب کے پیرو تھے۔ اگر کوئی ان سے باہر تھا تو اس کا شمار اہلِ اسلام میں نہ تھا۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

در اعمال اتباعِ مذاہبِ اربعہ کہ رائج در تمام اہلِ اسلام است بہتر و خوب ما است [2]

ترجمہ۔ فروعات میں مذاہبِ اربعہ کی پیروی جو تمام اہلِ اسلام میں پائی جاتی ہے بہت اچھی اور خوب ہے۔

معلوم ہوتا ہے مولانا شہیدؒ کے عہد تک کوئی مکتبِ فکر اہلحدیث کے نام سے یا غیر مقلدین کے عنوان سے یا محمدی المذہب کے تعارف سے موجود نہ تھا۔ سب اہلِ اسلام مذاہبِ اربعہ کے تھے یہاں شیعہ کی بات نہیں ہو رہی۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۴۹ [2] صراط مستقیم صفحہ ۹۷

حضرت شہیدؒ کے برابر کے عالم اس وقت حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ تھے جو مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین ہوئے آپ کا نظریہ تقلید کیا تھا اسے سطور ذیل میں ملاحظہ کریں :۔

متقلد ایشاں را ہرگز بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است [1]

ترجمہ :۔ ائمہ کے مقلدین کو ہرگز بدعتی نہ کہنا چاہیئے کیوں کہ ان کی تقلید حدیث شریف کو ماننا ہی ہے متبع حدیث کو بدعتی کہنا گمراہی ہے اور اس پر عذاب ہوگا

آگے مذاہب اربعہ کے باہمی اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

مذاہب اربعہ میں جو اختلاف ہے وہ اختلافات یا تو خود صحابہؓ میں موجود تھے اس لیے ان میں بھی (ان ائمہ اربعہ میں) اختلافات ہوئے اور صحابہؓ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : صحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پالو گے اور مذاہب اربعہ میں خلاف ، قیاس و حجت کے اختلاف سے واقع ہوا . قیاس نص سے ثابت ہے تو قیاس پر عمل کرنا اتباع نص ہوا ــــــ اور نیز مذاہب اربعہ میں اختلاف حدیث کے ظاہری الفاظ اور استنباط حدیث کی وجہ سے بھی ہے بعض ظاہر حدیث کو قابل عمل سمجھتے ہیں اور بعض استنباط حدیث پر عمل کرتے ہیں ۔

چنانچہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایک حدیث آتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت بنی قریظہ کی طرف صحابہؓ کو روانہ فرمایا تو یہ حکم فرمایا کہ کوئی عصر کی نماز سوائے بنی قریظہ کے نہ پڑھے ۔ بعض صحابہؓ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی لیکن جب آنحضور صلی اللہ

---

[1] مائۃ مسائل ص۹۳ سوال نمبر ۶۲

علیہ وسلم کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اس پر کچھ ناگواری ظاہر نہ فرمائی تو دونوں طرح
عمل جائز ہے۔ مذاہب اربعہ کے اختلاف کی صورت ایسی ہے تو بدعت
کس طرح ہو جائے گی [۱]"

اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محدثین دہلی اس مسلک کے نہ تھے۔ جو فرقہ
اہلحدیث کے بانی مولانا سید نذیر حسین دہلوی نے ترتیب دیا ہے۔ آپ حضرت شاہ محمد اسحٰق رح کے جس
درجہ کے شاگرد تھے آپ اس کی تفصیل دیکھ آئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رح کے اور بھی شاگرد
تھے۔ ان میں سے کوئی میاں صاحب کا ہمخیال کیوں نہ ہو سکا؟ یہ بات گہری فکر سے سوچنے کے
لائق ہے۔ اگر آپ یہاں سے سوچنا شروع کریں کہ سرسید احمد خاں نے آپ کو رفعیدین پر لگایا تھا۔
اس سے پہلے آپ رکوع کے وقت رفعیدین نہ کرتے تھے تو بات سمجھنی بہت آسان ہو جائے گی
اور پتہ چلے گا کہ شیخ الکل کا شیخ تحریک ترک تقلید میں کون تھا اور پھر اس شیخ کا شیخ کون تھا۔ جس
سے جناب میاں صاحب سبق لیتے تھے وہ خفیہ شخصیت سرسید احمد خاں کی تھی۔ جس نے میاں
صاحب کو رفعیدین پر لگایا تھا اور سرسید کے پیچھے انگریز تھے جو فتاویٰ عالمگیری کے دشمن تھے۔

ایک اہم سوال اور اُس کا جواب

بعض غیر مقلدین تحریک ترکِ تقلید کا بانی مولانا اسمٰعیل شہید رح کو ٹھہراتے ہیں اور اُس کے
ثبوت میں آپ کا رسالہ رفع الیدین پیش کرتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح درست نہیں۔ کسی ایک مسئلہ
میں تفرد اختیار کرنا مسلک تقلید سے خروج نہیں۔ مشہور فقیہ عصام بن یوسف کا نام طبقات حنفیہ
میں موجود ہے۔ وہ رفع یدین کے مسئلے میں فقہ حنفی پر عمل پیرا نہ تھے۔ بایں ہمہ ان کا نام طبقاتِ
حنفیہ میں رہا۔ اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔

یہاں بات مسئلہ رفع یدین کی نہیں ہو رہی تاریخ ترک تقلید کی ہے مولانا اسمٰعیل شہید رح

---

[۱] اردو ترجمہ مائۃ مسائل ص۱۰۱، ص۱۰۲

مذاہب اربعہ کی پیروی کے قائل تھے اور تقلید میں ان کا وہی موقف تھا جو حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ اور اس بیت علم حنفیہ کا تھا اور پھر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جو وہ رسالہ لکھا یہ صرف ان کی ایک علمی رائے تھی عملاً وہ رفع یدین نہ کرنے کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اس کے گواہ ہیں جنہوں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا ـــــ اگر آپ رکوع کے وقت رفعیدین کرتے تو دہلی میں یہ عمل متعارف ہوتا۔ پھر اس کے آغاز کا سہرا سر سید احمد خاں اور جناب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے سر پہ نہ بندھتا۔

یہاں اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اس کے جواب میں اتنی بات سمجھ لینا کافی ہے کہ اگر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ حنفی نہ ہوتے غیر مقلد ہوتے تو پھر وہ شیخ الکل ہوتے میاں نذیر حسین صاحب شیخ الکل نہ ہوتے میاں صاحب کے شیخ الکل ہونے کا صاف مطلب ہے کہ یہ مذہب انہیں سے چلا۔

مسلک اہلحدیث کا آغاز

موجودہ اہلحدیث مذہب کب سے بنا اور تحریک ترک تقلید کب سے شروع ہوئی اس کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں۔ آپ ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ ہندوستان میں تقلید کے خلاف پہلی کتاب معیار الحق آپ نے لکھی جس کا جواب مدار الحق مولانا محمد شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا قطب الدین کے حکم سے لکھا۔ اس عہد میں غیر مقلدین ابھی یہ طے نہ کر پائے تھے کہ اس نوزائیدہ فرقہ کا نام کیا رکھیں۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ ـــــ شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب کے شاگرد اور ان کے طریقے کے پیرو مولانا محمد شاہجہانپوری اقرار کرتے ہیں کہ ان سے پہلے یہ فرقہ کسی نام سے موجود نہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں :-

> پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام

غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔[1]

ایک سوال

میاں نذیر حسین صاحب جب حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ (۱۲۶۲ھ) کے شاگرد تھے تو وہ شاہ محمد اسحٰقؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ محدثین دہلی کے طریقہ پر کیوں نہ چل سکے؟ انہیں اس نئے فرقہ کا شیخ الکل کیوں بنا دیا گیا؟ اور کنہوں نے بنایا؟

الجواب:۔ انہوں نے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے حدیث باقاعدہ نہ پڑھی تھی کہ ان اختلافی مسائل کو ان سے سمجھا ہوتا۔ نیز حکومت بدل چکی تھی انگریز آ چکے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ دہلی کی مسند حدیث (مدرسہ رحیمیہ) پر اب کوئی شیخ پچھلے طریقے کا نہ ہو کوئی ایسا ہو جسے انگریز حکومت شمس العلماء کا خطاب دے سکے۔

مولوی فضل حسین بہاری نے میاں نذیر حسین صاحب کے حالات پر الحیاۃ بعد الممات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ آپ میاں صاحب کی حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے شاگردی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

> آپ نے میاں صاحب کو صرف اطراف صحاح کی سند دی تھی۔ میاں صاحب نے استیعاباً نہ آپ سے صحاح ستہ پڑھیں نہ ان کی سند لی۔ میاں صاحب خود اس سند کو چٹراس کہتے تھے۔[2]

تحریک ترک تقلید کے دوسرے امام نواب صدیق حسن خاں تھے جو ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور (۱۳۰۷ھ) میں وفات پائی۔ آپ نے ملکہ بھوپال شاہجہاں بیگم سے شادی کی اور اسی راہ سے نواب بنے۔ انگریزی دور میں کیا آپ کسی نواب سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے اسلاف سے وابستہ رہنے دے گا۔

انگریز مسلمانوں میں فکری آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اس نوزائیدہ فرقے کو

---

[1] الارشاد الی سبیل الرشاد صفحہ ۱۳ [2] الحیاۃ صفحہ ۲۸

یہ حوصلہ دیا کہ انہیں مغل بادشاہوں نے یونہی فقہ حنفی میں جکڑ رکھا تھا۔ آیئے فتاوی عالمگیری کے خلاف اٹھو اور عوام میں مذہبی آزادی کی لہر دوڑا دو ــــ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھولے آدمی تھے ان کی باتوں میں آگئے اور یہ لکھ دیا۔

> جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب کو دی ہے[1]۔

مسلمانوں کو جو مذہبی آزادی ملی اس کے نتیجے میں سرسید احمد خاں اور مولوی چراغ علی جیسے لوگوں نے نیچری عقائد کی بنیاد رکھی مرزا غلام احمد نے جہاد کو حرام ٹھہرانے کی ذمہ داری لی۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے محدثین دہلی کے خلاف مہم تیار کی اور شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب اور نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ترک تقلید کی تحریک شروع کی اور آج ایک اچھا خاصا فرقہ اہلحدیث یا غیر مقلدین کے نام سے ہر قصبہ اور ہر شہر میں موجود ہوا ہے گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل صاحب نے اسی تحریک ترک تقلید کا نام تحریک آزادی فکر رکھا ہے اور اس نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔

ایک سوال

ہمارے ایک صاحب علم دوست نے سوال کیا کہ میاں صاحب اور نواب صاحب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ترک تقلید کے داعی ہونے کے باوجود یہ حضرات طبعاً نیک تھے ائمہ مجتہدین کے گستاخ نہ تھے نہ فقہ حنفی سے استہزاء کرتے تھے۔ یہ اس سازش میں کیسے گھر گئے کہ ایک نئے فرقہ کی بنیاد رکھ دی؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی اور ہاتھ تھا۔ ان لوگوں کا ہاتھ تھا جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ راقم نے اس کا جو جواب دیا اس کی ایک نقل یہ ہے۔

الجواب: آپ کا یہ گمان صحیح ہے تحریک ترک تقلید کے پیچھے واقعی وہ ہندو تھے جو مسلمان بن کر مسلمانوں کی صفوں میں آگھسے تھے ان کا کام مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے خلاف بھڑکانا اور ان

---

[1] ترجمان وہابیہ صـ۱۶

کے خرمن امن و اتحاد میں آگ لگانا تھا۔ ایک بنارس کا رہنے والا تھا اور دوسرا اعلیٰ پور چٹھہ کا رہنے والا ——— ایک نے اپنا نام عبدالحق (بنارسی) اور دوسرے نے ابوالحسن محی الدین رکھا۔ یہ خود ائمہ اسلام کے خلاف بھڑکے اور بڑے بڑے لوگوں کو بلطائف الحیل اپنے بزرگوں سے علیحدہ کر کے رکھ دیا ——— یہ عبدالحق بنارسی تھے اور ابوالحسن محی الدین تھے۔ ——— محی الدین نے الظفر المبین لکھی اور اسلافِ اسلام کے خلاف خوب آگ بھڑکائی۔ اس کا اصل نام ہری چند تھا۔ اس کا باپ دیوان چند قوم کھتری علی پور ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا۔ ضلع گوجرانوالہ میں تحریک ترکِ تقلید اس ہندو نے شروع کی تھی۔ جسے اب مولانا اسماعیل صاحب پروان چڑھا رہے ہیں۔ افسوس ان عوام پر ہے جو اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ان تحریکوں کے پیچھے کن کن خفیہ ہاتھوں نے کام لیا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

ہری چند کی کتاب الظفر المبین کا جواب مولانا منصور علی بن مولانا محمد حسن مراد آدی نے فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین کے نام سے لکھا ہے۔ فتح المبین واقعی ایک لاجواب کتاب ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحبؒ اور جناب نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ ہری چند اور دیوان چند کے مزاج و کردار کے نہ تھے۔ تحریک ترکِ تقلید ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور میاں صاحب یا نواب صاحب حضرات مقلدین کو فرقہ ناجیہ سے باہر نہ کرتے تھے جو بہتر فرقوں کے مقابلے میں حق پہ مانا جاتا ہے۔ وہ مقلدین کو اس میں شامل سمجھتے تھے ——— نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

> ایک منت خدا کی مجھ پر یہ ہے کہ میں فقط جماعت اہلسنت کو فرقہ ناجیہ جانتا ہوں حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی یا ظاہری یا اہلحدیث یا اہل سلوک ——— کسی کے حق میں ان میں سے گمان بد نہیں رکھتا ..... ائمہ سلف پر طعن مخالفتِ سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے [1]

---

[1] ابقاء المنن بالقاء المحن صـ

ان دو حضرات کے ساتھ تیسرے بزرگ مولانا عبداللہ غزنوی ہیں۔ جو غزنی سے آکر میاں نذیر حسین صاحب کے حلقے میں آشامل ہوئے۔ سرسید احمد خاں نے میاں نذیر حسین صاحب کو رفعیدین عندالرکوع پر لگایا۔ ورنہ آپ اس سے پہلے رفعیدین نہ کرتے تھے۔ مولانا عبداللہ غزنوی اہل سلوک میں سے تھے اور نقشبندی سلسلے میں بعیت لیتے تھے۔ مگر اس کا نام تقلید نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ مولانا اسماعیل صاحب نے اسے تقلید کا نام دیا ہے۔

ان حضرات کے بعد مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی اور مولانا محمد حسین بٹالوی اور حضرت مولانا حافظ محمد لکھوی کا دور آتا ہے۔ ان میں زیادہ فعال مولانا محمد حسین بٹالوی رہے۔ آپ مرزا غلام احمد قادیانی کے قریبی دوستوں میں تھے۔ مرزا غلام احمد کی آزاد روی پر انہیں تنبہ ہوا کہ ترک تقلید اس درجہ میں خطرناک ہے کہ کبھی ایمان سے ہی ہاتھ دھونا پڑتا ہے ــــــ اس سلسلہ میں آپ نے ایک بہت اہم بیان دیا :۔

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں[1]

ان سے اگلی صف میں حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا محمد اسماعیل غزنوی، مولانا داؤد غزنوی۔ مولانا عبدالقادر قصوری، قاضی عبدالاحد خانپوری، مولانا عبدالوہاب ملتانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اور حافظ عبداللہ روپڑی تحریک ترک تقلید کے علمبردار رہے۔

ان حضرات کے بعد اب اس جماعت کی قیادت پاکستان میں مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے اس دور کے علماء میں مولوی عبدالشکور، عبدالقادر حصاری، مولوی ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولوی عبدالشکور ناظم دارالعلوم اہلحدیث شکراوہ، مولوی محمد عبدالجبار رئیس

---

[1] اشاعۃ السنۃ جلد ۱ نمبر ۴ ۱۸۸۸ء

اہلحدیث راجپوتانہ. مولوی عبدالستار دہلوی (کراچوی) مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری مولوی محمد یونس دہلوی جانشین مسند میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولانا عطاء اللہ حنیف۔

ان حضرات کا تقلید کے بارے میں وہ نظریہ نہیں جو اس فرقے کے بانیوں میاں نذیر حسین صاحب. نواب صدیق حسن خاں صاحب اور حضرت مولانا عبداللہ غزنوی کا تھا. جناب نواب صاحب کا نظریہ اور مولانا محمد حسین بٹالوی کا نظریہ آپ اُوپر دیکھ آئے ہیں. اب ان متاخرین کا نظریہ تقلید بھی ملاحظہ فرمائیں. یہاں سے تاریخ انکار تقلید شروع ہوتی ہے۔

تاریخ انکار تقلید

کسی نظریہ کی تردید نہیں، طلبہ کو تاریخ ترکِ تقلید کا مطالعہ کرانے کے لیے ان واقعات کا تذکرہ ضروری تھا. اب غیر مقلد علماء کے فتوے مقلدین کے بارے میں ملاحظہ ہوں :۔

(۱) —— حق مذہب اہلحدیث ہے باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں.... مقلدین حنفیہ کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی بلاشبہ گمراہ ہیں.... سچا فرقہ اور ناجیہ اہلحدیث ہیں. باقی سب فی النار والسقر ہیں [۱]

(۲) —— افسوس فرقہ مقلدین احناف پر کہ وہ بوجہ تقلید شخصی کے جو ایک بدعت نوایجاد ہے.... چوٹی کی کتب فقہ حنفیہ ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں..... دیوبندی جماعت کی مثال ایک ہاتھی کی سی ہے جس کے دکھانے کے دانت اور اور کھانے کے اور ہیں [۲]

(۳) —— مولانا اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کی تقریظ ملاحظہ ہو :۔

ان حضرات پر قطعاً اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اس پہلو کو نتائج التقلید میں ذرا وضاحت سے کہنا چاہیئے تاکہ باہمی اعتماد ختم ہو جائے. آپس میں اختلاط سوچ سمجھ کر ہو.

---

[۱] سیاحۃ الجنان بمناکحہ اہل الایمان ص۴۲، ص۵، ص۷ [۲] تقریظ بر نتائج التقلید مولوی اشرف صاحب مولوی عبدالجبار صاحب از راجپوتانہ

(۴) ——— کراچی کے غرباء اہلحدیث کے مولوی عبدالستار صاحب اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں :۔

ماشاء اللہ آپ نے اس میں تقلید شخصی کی بہت اچھی بیخ کنی کی ہے اور تقلید کے زہریلے اور بدنتائج سے موحدین کو آگاہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں مقلدین احناف کی تقلید کے ڈھول کا پول ..... تارپیڈو سے پاش پاش کر دیا ہے۔[1]

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس دور کے اہلحدیث مقلدین حضرات سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو ——— تارپیڈو کی کسی بہتے جہاز سے ہوتی ہے۔ ڈھول کو تارپیڈو سے پاش پاش کرنا تو بآسانی سمجھ میں آتا ہے لیکن پول کو پاش پاش کرنا اور وہ بھی تارپیڈو سے کتنا اونچا کام ہے جو یہ حضرات کر رہے ہیں۔

تقلید کی اس شدت سے مخالفت امت کے بارہ سو سالہ اجماعی موقف سے تبرا ہے اور یہ کوئی چھوٹا جرم نہیں ——— اور حنفی طریقِ نماز کی مخالفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس جم غفیر کی مخالفت ہے جن سے حنفیہ کرام نے اپنے طریق نماز کے صریح خد و خال چنے ہیں۔ یہ پوری امت کا تخطئہ ہے۔ اور قرآن کریم کی آیت کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کی صریح مخالفت ہے۔ سو یہ بات صحیح ہے کہ اس دور کے غیر مقلدین اب اس فرقہ ناجیہ کے افراد نہیں رہے جس کی حضورؐ نے ما انا علیہ واصحابی کے الفاظ میں خبر دی تھی۔

یہ تہترواں فرقہ کہاں سے آگیا؟

بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے تھے جتنی انواع و اقسام کی برائیاں ان میں ابھری تھیں یہ غیر مقلدین ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ——— یہ تہترواں فرقہ کون سا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو فقہ کے خلاف ہوں گے اور فقہاء سے بغض رکھیں گے ایسا بے راہرو فرقہ پہلی امتوں میں بھی نہیں ہوا۔ نہ ان کے ہاں فقہ و اجتہاد تھا اور نہ فقہاء و مجتہدین

---

[1] تقریظ بر نتائج تقلید ص۴۳

کی مخالفت کبھی سامنے آئی تھی ـــــ یہ تحفہ اسی امت کی برات ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: بنواسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری امت تہتر میں بٹے گی۔ اس پر

سپین کے ممتاز عالم دین علامہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:۔

هٰذه الفرقة التی زادت فی فرق محمد صلی الله علیه وسلم هم قوم

یعادون العلماء ویبغضون الفقهاء ولم یکن ذلك قط فی الامم السالفة۔[1]

ترجمہ: یہ تہترواں فرقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے فرقوں میں زیادہ ہوا

یہ وہ ہیں جو علمائے راسخین سے دشمنی کریں گے اور فقہ والوں سے بغض رکھیں

گے۔ ایسے لوگ پہلی امتوں میں بھی نہیں ہوئے۔

علامہ قرطبیؒ نے یہ پیشگوئی دین کی معرفت رکھتے ہوئے علماء سے ساتویں صدی میں نقل کی ہے

اس وقت غیر مقلدین نام سے دنیا میں کوئی مذہبی گروہ موجود نہ تھا۔ علمائے حق کی یہ پیشگوئی تیرہویں

صدی کے آخر میں ظہور میں آئی۔ اور چودھویں صدی میں اس نے اپنا مصداق پایا۔ یہ تہترواں فرقہ غیر

مقلدین کا ہے جو نہ مجتہد ہیں نہ مقلد۔ مگر علماء کی بات نہ ماننے اور فقہ سے بغض رکھنے کا گہرا داغ

اس کے سر پر کھلا موجود ہے ـــــ پہلی امتوں میں نہ اجتہاد تھا اور نہ اس کی پیروی کی تعلیم ـــــ سو فقہ

کے انکار کا گناہ انہیں نہ چھوا تھا۔ احکام تورات ان کے ہاں پہلے ہی مفصل تھے۔

علامہ قرطبیؒ تورات کے بیان تفصیلاً لکل شیٔ پر لکھتے ہیں:۔

ای لکل شیٔ امروا به من الاحکام فانه لم یکن عندهم اجتهاد وانما خص

بذلك امة صلی الله علیه وسلم۔[2]

ترجمہ: ہر چیز جس میں وہ احکام کے مکلف کیے گئے اس کی انہیں پوری تفصیل دی

گئی کیونکہ ان کے ہاں اجتہاد کی مشروعیت نہ تھی۔ اجتہاد کی اہلیت حضورؐ کی امت

کا خاصہ ہے۔ سو یہ خصوصیت اسی امت کو دی گئی۔

---

[1] الجامع الاحکام القرآن جلد ۷ صفحہ ۱۴۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۱

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ مسلمانوں میں یہ تہترواں فرقہ کس دور میں پیدا ہوا ہے نہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غیر مقلدین بطور ایک دینی گروہ کے انگریزی دور سے پہلے کہیں نہ سُنے گئے تھے نہ دیکھے گئے تھے۔ یہاں ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کیا یہ گروہ غیر مقلدین اس فرقہ ناجیہ میں سے ہے، جس کی حضورؐ نے کلھم فی النار الا واحدہ کہہ کر خبر دی تھی ؛ یہ بات سوچنے کی ہے ؛

ھٰذا ما عندی و عند الناس ما عندھم واللہ علی ما اقول شہید۔

یہ تاریخ ترکِ تقلید کا ایک مختصر خاکہ ہم نے ہدیۂ قارئین کر دیا ہے۔ ہمارے اہل حدیث دوست اس عنوان سے بچ کر اپنا تعارف تاریخ اہل حدیث کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ لفظ ابتداء میں اہل علم اور محدثین کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس کا غیر مقلدین کے لیے اطلاق یہ اصطلاح بہت بعد کی ہے۔ ہم نے اشتباہ سے بچنے کے لیے اسے تاریخ ترک تقلید کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

بارہویں صدی میں محققین کا تقلید پر زور

ترکِ تقلید ایک تحریک کی صورت میں تیرہویں صدی کی پیداوار ہے۔ اس سے پہلے تقلید کی مخالفت میں داؤد ظاہری اور ابن حزم وغیرہ کے ہی نام سامنے آتے ہیں۔

حکمتِ الٰہی ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ جو فتنے آئندہ پھیلنے والے ہوں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اپنے بندوں کے دلوں میں پہلے سے ہی ایک جذبۂ دفاع پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہی حال ہم بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۸۶ھ) کی تحریرات میں دیکھتے ہیں آپ نے آنے والے حالات پر ایک فکری نظر کی اور اس اعتماد علی السلف کو آگے جاری رکھنے کے لیے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر بڑی بصیرت افروز بحث کی ہے اور تقلید کی ضرورت کو خوب نکھارا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر یہ کتابیں لکھیں اور فیوض الحرمین میں اس سلسلے میں اپنے مکاشفات کو بھی خوب اُبھارا ہے :-

(۱) عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید

(۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

تقریباً ایک صدی بعد یمن میں قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب نیل الاوطار تھے اور انہوں نے القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید لکھی۔ آپ اصلاً زیدی فرقے کے تھے اور اثناء عشریوں کے اس مسئلے سے خاصے متاثر تھے کہ فوت شدہ کی تقلید پر قائم رہنا درست نہیں۔ آپ کا یہ جذبہ آپ کو مطلق تقلید کے انکار پر بھی لے آیا۔

اس سے پہلے علامہ ابراہیم بن الوزیر بھی اسی نظریہ کے تھے۔ آپ نے کتاب القواعد میں تقلید اموات کو حرام قرار دیا ہے۔ علمائے حنابلہ پہ اللہ تعالیٰ رحمتیں برسائے۔ انہوں نے کھل کر اس نظریے کی تردید کی۔ علامہ سعید بن حجی الحنبلی (۱۲۲۹ھ) نے اس کے جواب میں ایک نہایت معتدر رسالہ لکھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بھی جزائے خیر دے۔ انہوں نے اس پر استقامت دکھائی اور ائمہ اربعہ کی تقلید کو عامۃ الناس کے لیے واجب فرمایا۔ آپ خود حنبلی المذہب تھے۔ سعودی مشائخ زیادہ تر اسی مسلک کے ہیں۔ پاک و ہند کے اہلحدیث (باصطلاح جدید) فرقے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ مولانا اسماعیل غزنوی نے مسئلہ تقلید پر کھل کر آلِ سعود کی مخالفت کی ہے۔ خانہ کعبہ میں اور حرم مدینہ میں تراویح کی نماز اب تک بیس رکعت ہی پڑھی جارہی ہے اور تاریخ اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں کوئی ایسا سال نہیں گزرا جس میں حرمین شریفین میں پورا رمضان کبھی آٹھ رکعت تراویح جماعت سے پڑھی گئی ہوں۔

ہندوستان میں ترکِ تقلید کا آغاز

برصغیر پاک و ہند میں ترکِ تقلید کا آغاز حضرت میاں نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) سے ہوا۔ آپ اس فرقہ کے شیخ الکل کہلاتے ہیں۔ کل سے مراد یہاں کل غیر مقلدین ہیں۔ ان سے پہلے اگر کوئی غیر مقلد (جو نہ مجتہد ہو نہ مقلد) ہوا ہوتا تو آپ اس کے شیخ کیسے ہو سکتے تھے یہ اس فرقے کا آغاز تھا

اس سے پہلے ہندوستان میں کوئی فرقہ یا فقہی مسلک اہلحدیث کے نام سے موجود نہ تھا البتہ بیرون ہند نیشاپور سمرقند اور سرخس میں شافعی حضرات کو اہلحدیث کہا جاتا تھا کیونکہ یہ بمقابلہ احناف ظاہر حدیث پر چلتے تھے ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے یہ واقعی ایک نئے فرقے کی پیدائش تھی۔ پہلے یہ صرف ترکِ تقلید کی ایک آواز تھی مگر دیکھتے دیکھتے یہ انکارِ تقلید کا ایک نعرہ بن گیا مشہور مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین ڈائریکٹر سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ اس نئے فرقے کی نشاندہی میں لکھتے ہیں:

ایک افسوسناک بات یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں جو تفرقے پہلے ہی سے تعداد کثیر میں بڑھے ہوئے تھے ان میں ایک فرقے کا اضافہ ہو گیا۔[1]

ابھی اس نوزائیدہ فرقے کو اہلحدیث کا نام نہ دیا گیا تھا نہ ابھی انگریزوں نے ان کے لیے یہ نام پاس کیا تھا۔ اس ابتدائی دور میں لوگ ان کو لامذہب کہہ کر پکارتے تھے مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ایک ساتھی مولانا کرامت اللہ جونپوری ایک جگہ ان غیر مقلدوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

لامذہب لوگ (غیر مقلدین) جو مولانا اسماعیل علیہ الرحمۃ کی اطاعت کا دعوے کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ کیونکہ مولانا کے قول و فعل سے وہ بات جو یہ جاہل لوگ کہتے ہیں اور کرتے ہیں ہرگز ثابت نہیں ہوتی ہے۔ پھر ان لوگوں کا دعویٰ مولانا کی اطاعت کا ایسا ہی ہے جیسا دعویٰ رافضیوں کا حضرات اہلبیت اور اور ائمہ اثنا عشرہ کی اطاعت کا ہے اور یہ جو بعضے ضدی جاہل لوگ کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسماعیل قدس سرہ نے چاروں مذہبوں کے سوا پانچواں ایک مذہب نکالا ہے ..... سو یہ بات ان جاہلوں کی محض غلط اور نرا بہتان ہے ..... مولانا رحمۃ اللہ علیہ پکے سنی اور سچے حنفی تھے اور کبھی کسی سے تقلید مذہب کی نہیں چھڑائی۔ اس لیے حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کے ساتھ جو ہزار ہا آدمی جہاد کو گئے تھے کوئی بھی تقلید چھوڑ کر لامذہب نہ بنا۔ باوجود یکہ رات دن ہمیشہ مولانا کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور ان کے وعظ سنتے تھے ..... اور یہ لامذہبوں کا فرقہ جو نیا نکلا ہے سو مولانا کی شہادت کے بعد نکلا ہے مولانا کے حین حیات ان لوگوں کا نشان بھی نہ تھا۔[2]

---

[1] علما میدانِ سیاست میں ص [2] مقامع المبتدعین ص۲۳ ذخیرہ کرامت حصہ دوم

ہندوستان میں وہابی کا لفظ کیسے آیا

وہابی دراصل شیخ محمد بن عبد الوہاب کے پیروؤں کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ مقلد ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ۔ یہ حضرت امام احمد بن حنبل کی فقہ کے پیرو ہیں۔ وسط عرب میں یہ مجاہد کے طور پر معروف تھے اور نجد اور حجاز کی سرحدوں پر ان کی شریف مکہ سے جھڑپیں ہوتی تھیں۔ انگریزوں کے شریف مکہ سے گہرے تعلقات تھے اور اس کے مشورے پر انگریز بھی وہابیوں کے سخت خلاف تھے اور انہیں دہشت گرد سمجھتے تھے۔ ادھر ہندوستان میں مجاہدین بالاکوٹ میں جمع ہو رہے تھے اور انگریزوں کو ان سے سخت خطرہ تھا۔ جنگی محاذ آرائی کی اس مناسبت سے ان مجاہدین پر وہابی کا لفظ اتار دیا گیا۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح مجاہدین بالاکوٹ پکے موحد تھے، شرک کی کوئی آلائش ان کے ہاں نہ پائی جاتی تھی۔ ان کے بعد یہ نیا پیدا ہونے والا فرقہ غیر مقلدین بھی شرک سے پوری طرح بچنے والا تھا۔ اس مناسبت سے انگریز عملداری میں یہ لفظ وہابی اب غیر مقلدین پر بھی آگیا جب بالاکوٹ کی مہم ناکام ہوئی اور قائدین جام شہادت نوش کر گئے تو اب یہ لفظ ان غیر مقلدین کے لیے خاص ہو گیا اور حضرت سید احمد اور شاہ اسماعیل کے پیروؤں نے صرف مجاہدین کے نام سے اپنا کیمپ لگایا۔ یہ کیمپ قیام پاکستان تک لگا رہا۔ اس وقت اُن کے سربراہ مولانا فضل الٰہی تھے۔ وہابی کا لفظ ان دنوں ان غیر مقلدین کے لیے خاص ہو کر رہ گیا تھا۔

مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۶۹ھ) جو حضرت سید احمد شہید کے خلفاء میں سے تھے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> حق یہ ہے کہ وہابی لوگوں کا مذہب قدیم میں نہ تھا اور نہ ان کے مذہب کی کوئی کتاب نظر پڑی جو ان کے مذہب کا حال معلوم ہوتا۔ مگر افواہًا لوگوں کی زبانی جو ان کا حال سُنا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ شرک سے خوب پاک ہیں۔ مگر اس قدر ضدی ہیں کہ اپنے گروہ کے سوا دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہی نہیں۔ سب کو مشرک کہتے ہیں اور سب کی طرف سے بدگمان ہیں۔[1]

---

[1] مکاشفات رحمت ص۱۷

اس عصری شہادت سے پتہ چلا کہ وہابی کا لفظ اب انہی لوگوں کے لیے خاص ہو کر رہ گیا تھا. اور یہ جو اپنے آپ کو مولانا اسماعیل شہید کا پیرو کہتے تھے غلط کہتے تھے اور مانسہرہ کے مجاہدین کے کیمپ سے ان سے کھلے طور پہ لاتعلقی کا اظہار کر دیا گیا تھا.

ہندوستان کے غیر مقلدین کی پریشان حالی

ہندوستان کے غیر مقلدین اپنے اوپر اس لفظ (وہابی) کا آنا پسند نہ کرتے تھے. وہ کسی طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب ہونے کو تیار نہ تھے. وہ برسرِ عام کہتے کہ شیخ مقلد تھے اور ہم غیر مقلد ہم ان کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں. ان کی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے اس ٹائٹل کو اپنے سے اُتارا جائے. وہ سمجھتے تھے کہ انہیں وہابی کہہ کر انگریزوں کے ہاں بدنام کیا جا رہا ہے. گویا ہم بھی انگریزوں کے خلاف لڑنے والوں میں سے ہیں. انگریزوں کی مخالفت کا اقرار انہیں کسی طرح گوارا نہ تھا.

اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے مولانا محمد حسین بٹالوی نے جہاد کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور حکومت برطانیہ کو یقین دلایا کہ ہم لوگ آپ کے خلاف نہیں ہیں. مولانا بٹالوی نے حکومت سے درخواست کی کہ لفظ وہابی ہم سے ہٹایا جائے اور ہمارے لیے اہلحدیث کا لفظ منظور کیا جائے ڈاکٹر اشتیاق حسین لکھتے ہیں:۔

> مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے فرقے کی طرف سے برطانوی حکومت کو یہ درخواست پیش کی کہ وہ وہابی کے لفظ کو اہل حدیث سے بدل دے جو اب اس فرقے کا مسلمہ نام ہے. ۱۸۸۸ء میں حکومت نے یہ درخواست منظور کر لی. اس حقیقت کا اظہار قرینِ انصاف ہے کہ اس فرقے نے کبھی اپنے آپ کو وہابی نہیں کہا تھا ابتدا میں ان کا دعوےٰ یہ تھا کہ وہ حنفی ہیں اور ان کا اختلاف حنفیوں سے صرف ان معاملات میں ہوتا ہے جس میں حدیث کی کوئی راست سند ان کے خیال کے

مطابق کسی حنفی فتوے یا معمول سے متصادم ہو۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ ہندوستان میں ۱۸۸۸ء سے پہلے لفظ وہابی صرف غیر مقلدین پر بولا جاتا تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ انہیں اہلحدیث ہونے کا نام مثل سرکارِ انگلشیہ نے دیا۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ یہ نوزائیدہ فرقہ پہلے حنفی فقہ سے اس قدر متنفر نہ تھا جتنا اب ہے۔

اس تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اب تحریک ترکِ تقلید کہیں نہیں رہی۔ اب غیر مقلدین تحریک انکارِ تقلید کے موڑ پر ہیں اور معلوم نہیں آئندہ یہ کس فرقے کی شکل میں اٹھیں گے اور تحریک آزادیٔ فکر انہیں کہاں سے کہاں تک لے جائے گی۔

جب تک یہ لوگ تحریک ترکِ تقلید کے حامی رہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ نے انہیں اپنے سے کوئی زیادہ فاصلے پر محسوس نہیں کیا، ترکِ تقلید کسی علمی تحقیق کے باعث بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ انکارِ تقلید پوری امت کے ایک اجماعی موقف کے خلاف ایک کھلا اعلانِ بغاوت ہے۔ فروعی اختلافات پر علیحدہ جماعت بندی اسلام کے پہلے تین ادوار میں کہیں نہیں دیکھی گئی۔ لیکن اب ان لوگوں نے اپنے چند فروعی امتیازات پر علیحدہ جماعت بندی کر رکھی ہے۔

علماء حق اس بدعت کے خلاف اُٹھے اور انہیں اس فکری بغاوت کے خطرناک نتائج سے ڈرایا اور علمی سطح پر اس موضوع پر علمی مواد پیش کیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ پر تحقیقی کتابیں لکھیں۔ مناظروں میں انہیں پے در پے شکستیں ہوئیں جنہوں نے بقول مولانا اسماعیل صاحب آف گوجرانوالہ جماعت اہلحدیث کو بہت قلاش کر دیا۔

اللہ رب العزت ان تمام علماء کو جزائے خیر دے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو جوڑ کر رکھنے کے لیے تقلید کے موضوع پر محنت کی اور جو لوگ تقلید آباءِ نسبی اور تقلید آباءِ علمی کے مابین فرق کو نظر انداز کر کے مطلق تقلید کے انکار کے درپے تھے۔ ان کی خوب عملی اور فکری تردید کی۔

یہاں تک کہ علامہ اقبال بھی کہہ اُٹھے ؎

---

[1] علماء میدانِ سیاست میں صفہ۲۱

اکبر الٰہ آبادی نے بھی کہا تھا ؎

آزاد سے دین کا گرفتار اچھا ۔ شرمندہ ہو جو دل سے وہ گنہ گار اچھا

حضرت امام اعظمؒ کے نام پر ہندوستان پاکستان میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النعمان کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی کتاب امام اعظم اور ان کی دوسری کتاب امام اعظم اور ان کے ناقدین بہت بلند پایہ کتابیں ہیں مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کی کتاب امام اعظم ابو حنیفہ اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صفدر کی کتاب مقام ابو حنیفہ اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی اور مولانا محمد علی کاندھلوی کی ضخیم کتاب امام اعظم اور علم حدیث اور مصر کے شیخ ابو زہرہ کی کتاب حیات امام ابو حنیفہ حضرت امام ابو حنیفہؒ پر لکھی گئی اس دور کی قابل قدر کتابیں ہیں۔

مسئلہ تقلید پر علماء کے علمی معرکے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

تاریخ تقلید آپ کے سامنے آچکی مسلمان اپنے علمی تقاضوں میں کن کن حالات سے دوچار ہوئے ہیں یہ اب آپ سے مخفی نہیں رہا تاہم یہ بات ضروری ہے کہ تقلید کوئی ایسی سطحی موضوع نہیں جسے عام ان پڑھ لوگوں کے کہنے پر گناہ سمجھ لیا جائے. یہ صحیح ہے کہ پہلے ادوار میں بھی تقلید کی کچھ مخالفت بھی رہی ہے لیکن اس مخالفت میں اور آج کل کے غیر مقلدین کی تحریک ترکِ تقلید میں زمین اور آسمان کا فرق ہے. پہلے دور میں تقلید کی مخالفت علم کے مقابلے میں تھی کہ لوگ مقلد نہ بنیں عالم اور مجتہد بنیں. یہ علم کی ایک ترغیب ہے لیکن آج تقلید کی مخالفت کا مطلب لوگوں کو غیر مقلد بنانا ہے اور جو عام لوگ اہلحدیث کہلاتے ہیں وہ بھی مقلد ہیں مگر وہ اپنے علماء کے مقلد ہیں مجتہدین کے نہیں. یہ شیعوں کا عقیدہ تھا کہ فوت شدہ کی تقلید جائز نہیں تقلید عہد حاضر کے علماء کی چاہیئے. افسوس کہ اس مسئلے میں غیر مقلدین شیعوں کے ساتھ ہو گئے ہیں.

ہندوستان میں تقلید کے خلاف جو پہلے ہوا چلی اس کے حامی تقلید کو گناہ نہیں، صرف خلاف اولیٰ سمجھتے تھے. ابو الخیر سید نور الحسن بھوپالی نے اس پر جو کتاب لکھی اس کے نام پر غور کیجئے. اس سے اس وقت کی پوری صورتحال آپ کے سامنے آجاتے گی.

الطریقۃ المثلیٰ فی الارشاد الی ترك التقلید واتباع ماھو الاولیٰ

یہ کتاب جامعہ ازہر کے کتب خانہ میں نمبر ۱۸۵۵ کے تحت موجود ہے. اس کے مطابق یہ اختلاف صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے. اس نے علم حاصل کرنے کو اولیٰ ٹھہرایا ہے تقلید کی مخالفت سب سے پہلے حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) نے کی اور اس پر کچھ رسالے بھی لکھے

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب الرد علی من اخلد الی الارض میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان پر انکار کیا ہے۔ ابن حزم ظاہری کا انکار تقلید سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ اجتہاد ہی کے قائل نہ تھے۔ جب ان کے ہاں مجتہد کا ہی تصور نہیں تو ظاہر ہے کہ مقلد کی بھی ان کے ہاں کوئی جگہ نہ ہوگی سو ابن حزم کے موقف کو غیر مقلدین اپنے لیے کوئی دلیل نہیں بنا سکتے۔

امام عمرو بن حارث انصاری (۱۴۸ھ) کتنے بڑے امام تھے۔ ابن وہب کہتے ہیں میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ ہم مصر میں ان کی اور امام لیث کی اقتداء کرتے تھے اگر یہ زندہ رہتے تو ہمیں امام مالک سے استفادہ کی حاجت نہ رہتی۔ (تذکرہ)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امت میں ان دنوں تقلید ائمہ جاری ہو چکی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام میں پہلے اشتغال فی العلم کا دور تھا۔ پھر جب ہمتیں کمزور ہوتی گئیں۔ علم میں وہ گہرائی اور سوچ نہ رہی یہاں تک کہ پوری امت پہلے مجتہدین کی تقلید پر جمع ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ افضل درجہ علم ہی کا ہے تقلید کا نہیں۔ گو اس دور میں احوط یہ ہے۔ تاہم علماء اعلام کی کوشش رہی کہ دورِ اول کی یاد پھر سے تازہ ہو۔ لیکن یہ صرف ایک تمنا اور آرزو ہی رہی اور پوری امت کا اجماع تقلید پر ہو گیا اور آئندہ دین کی سلامتی کی راہ یہی چل نکلی۔

حضرت امام شافعی کے شاگرد امام مزنی نے بھی تقلید کے خلاف ایک رسالہ لکھا تھا جس کا ذکر حافظ ابن عبدالبر کی کتاب العلم میں ملتا ہے۔ ان کا موقف یہ نہ تھا کہ تقلید کوئی گناہ ہے۔ بلکہ آپ علماء کو تقلید کی بجائے علمی تبحر اور مرتبہ اجتہاد پر لانا چاہتے تھے۔ آپ کے شاگرد امام قاسم بن محمد اندلسی (۲۷۰ھ) نے بھی کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین لکھی۔ مگر یہ بھی طلب علم کی ایک ترغیب تھی۔ غیر مقلدین کا گروہ پیدا کرنا ان کا منشاء نہ تھا۔ حافظ ذہبی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

> معرفت انتہائی تحقیق اور محنت سے حاصل کیا۔ اس میں اتنی بصیرت پیدا کی کہ تقلید کی بجائے اجتہاد اور اتباع دلیل کا مسلک اختیار کیا۔ البتہ ان کا رجحان امام شافعی کے مذہب کی طرف تھا۔[۱]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۵۲

حافظ شہاب الدین ابوالقاسم المعروف بابن ابی شامہ (۶۶۵ھ) نے اسی جذبہ سے المؤمل للرد الی الامر الاول لکھی۔ یہ نام بتلاتا ہے کہ الامر الثانی اس دور میں بھی تقلید ہی تھی اور اس پر پوری قوم جمع تھی۔ علامہ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) کی کتاب کتاب التسدید فی ذم التقلید بھی اسی پیرایہ میں ہے کہ علم کی راہ چھوڑ کر تقلید کی راہ اختیار کرنا اچھا موقف نہیں۔ یہاں تقلید کی مخالفت علم کی حمایت میں ہے غیر مقلدین بنانے کے لیے نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) خود مالکی ہیں۔ حافظ ابن قیم (ھ) خود حنبلی ہیں مگر دونوں نے تقلید کے مقابل راہِ علم کی ترغیب دی۔ غیر مقلدین کے نام سے انہوں نے کوئی گروہ نہیں بنایا۔

تقلید کی مخالفت کر کے لوگوں کو غیر مقلد بنانا یہ ان حضرات کا موقف نہ تھا۔ نہ ان دنوں غیر مقلدین کے نام سے کوئی گروہ یا جماعت دنیا میں پہچانی گئی۔ مجتہدین اور اونچے درجے کے علماء کے سوا کوئی مسلمان ترکِ تقلید کی جرأت نہ کرتا تھا۔

اب ہم ان چند تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جو تقلید کے جواز پر لکھی گئیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید کا لفظ ہمیشہ اجتہاد کے مقابل استعمال ہوا ہے ترکِ تقلید کے مقابل نہیں اور بلا علم ترکِ تقلید کی پوری امت میں کہیں حمایت نہیں کی گئی۔

(۱) الاقلید لادلۃ الاجتہاد والتقلید ـــ لابی النصر الطاہر علی حسن خاں۔ مکتبۂ ازہر میں اس کی فوٹو کاپی موجود ہے۔

(۲) القول السدید فی الاجتہاد والتقلید ـــ للشیخ محمد عبدالعظیم المکی الحنفی۔ مکتبہ ازہر میں یہ نمبر ۱۹۲۲ کے تحت موجود ہے۔

(۳) جواب الشیخ سعید بن حجی الحنبلی عن التقلید والانتقال من مذہب لاٰخر۔ ابھی حال میں ہی چھپی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے

(۴) تحفۃ الرای السدید الاحمد لضیاء التقلید والمجتہد ـــ للسید احمد بک۔ مکتبہ ازہر میں یہ نمبر ۹۲۳ کے تحت موجود ہے۔

⑤ ارشاد المهتدین فی نصرة المجتہدین ــــ للعلامۃ السیوطی الشافعی

⑥ قمع اہل الزیغ والالحاد عن الطعن فی تقلید ائمۃ الاجتہاد ــ لمحمد الخضر بن عبداللہ الشنقیطی

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا چراغ ابھی گل نہ ہوا تھا کہ اللہ رب العزت نے اس سرزمین سے اس نابغۂ روزگار ہستی کو پیدا کیا جس کی علمی سلطنت پوری دنیا میں پھیلی. تاریخ بارہویں صدی کے اس مجدد کو "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" کے نام سے یاد کرتی ہے. آپ نے آنے والے حالات پر ایک فکری نظر کی اور اسلام کے کام کو آگے جاری رکھنے کے لیے اتباعِ سلف اور تقلید اعلم کے مسئلہ کو خوب نکھارا اور اس پر بہت مفید کتابیں لکھیں.

ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی ایسا آسان مسئلہ نہیں جسے دو لفظوں میں اڑا دیا جائے جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن و حدیث کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت نہیں بس اور سب اختلافات ختم ہو گئے.

① عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

② الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کلاہما للمحدث الدہلوی

یمن میں ایک عالم قاضی محمد بن علی شوکانی (۱۲۵۵ھ) صاحب نیل الاوطار اُٹھے ــــ اور القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید کے نام سے اس موضوع پر قلم اُٹھایا. آپ اصلاً شیعوں کے زیدی فرقہ میں سے تھے اور اثنا عشریوں کے اس مسئلہ سے خاصے متاثر تھے کہ فوت شدہ کی تقلید پر قائم رہنا درست نہیں. سو اُن کی اس انکار کی جہت اور تھی.

علامہ ابراہیم بن الوزیر بھی اس نظریہ کے تھے. آپ نے کتاب القواعد میں تقلید اموات کو حرام قرار دیا ہے. علماء حنابلہ پر اللہ تعالیٰ رحمتیں فرمائے. انہوں نے کھُل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا. علامہ سعید بن حجی الحنبلی (۱۲۲۹ھ) نے اس پر ایک رسالہ لکھا جس کا ذکر ہم ۳۱ کے تحت کر آئے ہیں. اللہ رب العزت نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بھی جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس پر بڑی استقامت دکھائی اور تقلید کو عامۃ الناس کے لیے واجب کہا. آپ خود حنبلی المذہب تھے دیکھئے

سعودی عرب میں مشائخ نجد اب تک بیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں اور خانہ کعبہ اور حرم مدینہ میں اب تک بیس تراویح ہی پڑھی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں باقاعدگی سے جو عالم تقلید کے خلاف اُٹھے وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی کے شاگرد مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی تھے۔ آپ اپنے بعد آنے والے تمام غیر مقلد حضرات کے شیخ الکل سمجھے جاتے ہیں۔ یہ عنوان خود بتاتا ہے ان سے پہلے یہاں تقلید ہی تقلید تھی۔ باقاعدہ ترکِ تقلید کا آغاز حضرت شیخ الکل سے ہوا ہے اور کل سے مراد یہاں کل غیر مقلدین ہیں۔ اُن سے پہلے اگر کوئی غیر مقلد (جو نہ مجتہد ہو نہ معتمد) ہوا ہوتا تو آپ سب غیر مقلدین کے شیخ الکل کیسے ہو سکتے تھے۔ کسی صورت میں نہیں ۔۔۔ حضرت شیخ الکل نے اس مسئلہ پر ایک کتاب معیار الحق لکھی۔ جس کا جواب حضرت مولانا نواب قطب الدین خان (صاحب مظاہر حق شرح المشکوٰۃ) کے حکم سے حضرت مولانا محمد شاہ صاحب نے مدار الحق کے نام سے لکھا یہ کتاب اپنے موضوع میں انوکھی اور لاجواب کتاب ہے اور پاکستان میں پھر چھپ چکی ہے مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری نے بھی اس کا ایک عمدہ جواب انتصار الحق کے نام سے لکھا ہے۔

شیخ الکل کو بھی اس فکر کا بانی ہم صرف اس جہت سے کہتے ہیں کہ علماء میں پہلے آپ ہی ہیں جنہوں نے ہندوستان میں ترکِ تقلید کی تحریک چلائی۔ ورنہ اس تحریک کے اصل بانی دو ہندو تھے۔ فقہ کے خلاف جو پہلی کتاب ہندوستان میں لکھی گئی وہ الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین ہے جو ہری چند بن دیوان چند قوم کھتری سکنہ علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ نے لکھی اور لاہور میں چھپی۔ اس وقت سے تحریکِ ترکِ تقلید کا مرکز ضلع گوجرانوالہ سمجھا جاتا ہے۔ ہری چند نے مسلمانوں میں اپنا نام محی الدین رکھا ہوا تھا۔ مولانا منصور علی بن مولانا محمد حسن علی مراد آبادی نے فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین کے نام سے اس کا جواب لکھا جو بہت مفصل اور محققانہ ہے۔

مولانا منصور علی نے الظفر المبین کو ہری چند کی تصنیف بتایا ہے محی الدین کی نہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا منصور علی کی تحقیق کے مطابق وہ ہندو ہی تھا مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے

اس نے اپنا نام محی الدین رکھا ہوا تھا۔ اسی طرح عبدالحق بنارسی بھی اصلاً ہندو تھا۔ ان دونوں ہندوؤں نے مسلمانوں میں گھس کر سلفِ صالحین کی مخالفت کی ایسی چنگاری روشن کی ہے کہ یہ آگ اب تک بجھنے میں نہیں آئی یہ غیر مقلدین حضرات تقلید کو خلافِ اولیٰ نہیں گناہ سمجھتے ہیں۔

تاہم یہ صحیح ہے کہ علماء میں سے پہلے مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں جو ان ہندؤں کے پیچھے لگے لیکن مولانا نے رکوع کے وقت رفع الیدین ہری چند کے کہنے پر نہیں سرسید احمد خاں کے اکسانے پر شروع کیا تھا۔ سرسید کے انگریزوں کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور بدیشی حکومت چاہتی تھی کہ دہلی کی درسگاہِ حدیث شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی کے طریقے پر مقلدین کے پاس نہ رہے۔ مسلمانوں میں اتفاق اس بدیشی حکومت کو پسند نہ تھا۔

یہ وہ حالات ہیں جن کے باعث تقلید مجتہدین علمی دنیا کا ایک اچھا خاصا معرکۃُ الآراء موضوع بن گیا اور بڑے بڑے علماء نے اس پر لکھا اور حق یہ ہے کہ اب اس مسئلے میں کسی پہلو سے گرانباری نہیں رہی۔

(۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) نے کئی تحریرات میں اس مسئلے کو واضح کیا ہے۔ آپ کی تالیفات میں سبیل الرشاد خاص اسی موضوع پر ہے۔

(۲) پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے دوسرے خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادیؒ بانی جامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حقیقۃ الفقہ (۱۳۲۷ھ) دو جلدوں میں لکھی۔ جلد اوّل ۴۰۴ صفحات اور جلد دوم ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان گو اصالۃً حضرت امام اعظمؒ کی علمی حیثیت کا تذکرہ ہے اور فقہ حنفی کی عظیم تاریخ مگر ضمناً مسئلہ تقلید کے بھی بہت سے مسائل اس میں آ گئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۹۳ء میں لکھی گئی۔ اس کے ۲۵۸ صفحات ہیں۔

(۴) مولانا غلام دستگیر قصوری نے مباحثہ فرید کوٹ میں تقلید اور اس کے متعلقہ مسائل پر جو

محنت کی وہ مباحثہ فرید کوٹ کے نام سے شائع شدہ ہے۔

⑤ پھر شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ نے ایضاح الادلہ میں ان مسائل کی اصلی حیثیت کو نکھارا کہ اب تک غیر مقلدین سے اس کا جواب باصواب لکھا نہیں جا سکا۔

⑥ محدث نیموی صاحب آثار السنن نے اوشحۃ الجید فی مباحث التقلید لکھی۔

⑦ پھر حضرت حاجی صاحبؒ کے نامور خلیفہ حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) نے الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد اور الکلام الفرید فی التزام التقلید لکھیں۔

⑧ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دیوبند کی کتاب تنقیح التنقید آپ کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو کسی وقت العدل (گوجرانوالہ) میں چھپتے رہے ہیں۔ آپ کا یہ معرکۃ القلم زیادہ تر مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کے ساتھ رہا ہے۔

⑨ شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی خیر المدارس ملتان کی کتاب خیر التنقید فی سیر التقلید فنی نقطہ نظر سے اس فن کی آخری کتاب ہے۔

⑩ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے اجتہاد و تقلید کے نام سے ایک نہایت مفید رسالہ قلمبند فرمایا۔

⑪ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے فلسفہ تقلید و اجتہاد کے نام سے ایک علمی اور فکری کتاب لکھی۔

⑫ مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی (۱۳۹۵ھ) نے تقلید ائمہ کے نام سے ایک گراں قدر کتاب تحریر کی۔

⑬ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے تدوینِ فقہ پر اس اچھوتے انداز میں قلم اٹھایا ہے کہ تقلید کا مسئلہ بھی پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

⑭ مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری نے تقلید شرعی کی ضرورت کے نام سے ایک لاجواب کتاب لکھی جو مکتبہ رحیمیہ سورت سے شائع ہوئی ہے۔

⑮ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی کتاب تقلید کی شرعی حیثیت۔ اس موضوع کی لاجواب کتاب ہے

(۱۶) پھر حضرت مولانا محبوب احمد کی تالیف الکتاب المجید فی اثبات التقلید بھی اس موضوع پر ایک اچھی کوشش ہے۔

(۱۷) حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی السبک الفرید لسلک التقلید نہایت جامع اور علمی کتاب ہے۔

(۱۸) حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر کی کتاب الکلام المفید فی اثبات التقلید اس موضوع کی نہایت لاجواب کتاب ہے۔

(۱۹) مدرسہ فقیروالی ضلع بہاولنگر کے شیخ الحدیث مولانا بشیر احمد قادری کی کتاب ترکِ تقلید اور اس کے بھیانک نتائج تقلید کی ضرورت پر تاریخ امت کا نہایت دلفگار باب ہے۔

(۲۰) حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی مصنف امام اعظم اور علم حدیث نے بھی اس موضوع پر متعدد رسائل لکھے جن میں ان مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء

اللہ رب العزت ان تمام علماء کو جزائے خیر دے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو جوڑ کر رکھنے کے لیے تقلید کے موضوع پر محنت کی اور جو لوگ تقلید آبا رسمی اور تقلید آبا رعلمی کے بین فرق کو نظر انداز کر کے مطلق تقلید کے انکار کے درپے تھے۔ ان کی خوب علمی اور فکری تردید کی۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال نے بھی کہہ دیا ؎

راہ آبا رو کہ این جمعیت است　　　معنی تقلید ضبطِ ملت است

ہمارا مقصد اس بحث سے حدیث سے دوری نہیں۔ ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احادیث کتنی ہی کیوں نہ ہوں ان پر عملدر آمد کرنے کے لیے کسی مجتہد کے سائے میں چلنا ضروری ہے حضرت امام ابن وہب (۱۹۷ھ) کیسی اصولی بات فرما گئے ہیں۔

کل صاحب حدیث لیس له امام فی الفقه فهو ضال ولولا ان الله تعالیٰ انقذنا بمالك والليث لضللنا۔[1]

---

[1] کتاب الجامع لابن زید القیروانی ص۱۱۷ ترتیب المدارک للقاضی عیاض جلد ۲ ص۴۲۷ کتاب المجروحین لابن حبان جلد ۱ ص۴۲

ترجمہ: ہر وہ محدث جو کسی امام فقہ کی پیروی میں نہیں چلا وہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں امام مالک اور امام لیث مصری کے ذریعہ اس گمراہی سے نہ نکالا ہوتا تو ہم بھی گمراہ ہو جاتے۔

مجتہد کی نظر صرف الفاظ حدیث پر نہیں ہوتی۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ حدیث امت میں کہاں تک معمول بہ رہی ہے اور صحابہؓ کا عمل اس پر کیسے رہا ہے پھر کہیں جا کر وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں:۔

اما الائمۃ وفقہاء اہل الحدیث فانہم یتبعون الحدیث الصحیح حیث کان اذا کان معمولا بہ عند الصحابۃ ومن بعدہم او عند طائفۃ منہم فاما ما اتفق علی ترکہ فلا یجوز العمل بہ لانہم ماترکوہ الا علی علم انہ لا یعمل بہ قال عمر بن عبد العزیز خذوا من الرأی ما کان یوافق من کان قبلکم فانہم کانوا اعلم منکم۔[1]

ترجمہ۔ ائمہ کرام اور فقہاء حدیث صحیح حدیث کی اس وقت پیروی کرتے ہیں کہ وہ حدیث صحابہؓ اور ان کے بعد کے لوگوں میں معمول بہ رہی ہو اور جس کے ترک پر سب متفق ہوں اس پر عمل کرنا جائز نہیں رہتا۔ کیوں کہ صحابہؓ نے اس حدیث کو اس علم سے ترک کیا ہے کہ وہ لائق عمل نہ تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ اس رائے کو لو جو تم سے پہلے لوگوں کے موافق رہی ہو وہ بیشک تم لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

امام ترمذیؒ کو دیکھئے کس طرح ہر حدیث کے ساتھ تعامل امت پیش کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے کسی مسئلے میں اختلاف کیا اسے بھی بیان کرتے ہیں اور پھر فقہاء کی آراء بھی ذکر کرتے ہیں اور جن دو حدیثوں پر کسی کا عمل نہیں رہا انہیں کتاب العلل میں علیحدہ ذکر کیا ہے۔

---

[1] فضل علم السلف علی الخلف ص ۹

مجتہد کے علم کے سایہ میں اپنی علمی خطا معاف

محدث جلیل اور امام کبیر سفیان بن عیینہ (۱۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ نبوت کے بعد سب سے بڑا علمی مرتبہ فقہ کا ہے یہی وجہ ہے کہ محدثین کبار ہمیشہ نبوت اور فقہ کے سائے میں چلے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

لم يعط احد بعد النبوة افضل من العلم والفقه فى الدين۔[1]

ترجمہ۔ نبوت کے بعد علم اور فقہ سے بڑا مرتبہ کسی کو نہیں دیا گیا۔

فقہاء کی پیروی فقہ کی اسی عظمت کا اعتراف اور دین پہ چلنے کی ایک بے خوف راہ ہے جس میں مجتہد مخطی بھی ہو تو ایک اجر پاتا ہے۔ سو مجتہدین کے پیروؤں کو یہ خدشہ ذہن سے نکال دینا چاہیئے کہ اگر ہمارا امام اپنے فیصلے میں خطا پر ہوا تو انہیں ان مسائل پر عمل کرنے میں اجر نہ ملے گا ــــــ ہاں عام انسان اگر خود تحقیق کا مدعی ہو اور وہ غلطی کرے تو وہ اس عمل کے اجر سے ضرور بے نصیب ہوگا کیونکہ وہ مجتہد درجے کا صاحبِ علم نہ تھا اور شریعت کا یہ ایک اجر کا وعدہ مجتہد مخطئ سے ہے نہ کہ عامی سے ــــــ اور عامی کا یہ حق بھی نہیں کہ کسی حدیث کے ظاہر کو دیکھ کر وہ اپنے امام کے فیصلے کو غلط سمجھ لے۔ علم حدیث ایک پورا فن ہے اسے معلوم نہیں کہ اس حدیث کے مقابل دوسری کون سی حدیث ہے اور یہ عامی فنِ حدیث کے ناسخ و منسوخ اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے یکسر بے خبر اور جاہل ہے۔ اسے کیسے یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی ظاہر حدیث کو دیکھ کر اس پر عمل کرلے۔ مقلد کی یہ دانائی ہے کہ اس نے اپنے عمل کا سارا بوجھ اپنے امام پر رکھ دیا ہے اور اپنے اوپر نہیں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

[1] شرح کتاب النیل وشفاء العلیل للشیخ محمد بن یوسف جلد ۱ ص۱۸ طبع جدہ

من افتی بغیر علم کان اثمہ علیٰ من افتاہ رواہ ابوداؤد[1]

ترجمہ: جس علم نہ رکھنے والے کو جس مفتی نے کوئی فتوے دیا تو (اگر وہ فتوے غلط تھا) اس کا گناہ اس فتوے دینے والے پر آئے گا (اس پیروی کرنے والے پر نہیں)

اس میں مناط کلام اس عامی کو گناہ سے نکالنا ہے فتوے دینے والے پر گناہ کا لفظ بر سبیل مشاکلت آیا ہے اس میں ہر گنہگار وہ عالم ہوگا جو مجتہد کے درجے میں نہیں. جو مجتہد کے درجے میں ہو وہ اپنی خطاء پر بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے. اس میں وہ مستوجب سزا نہ ہوگا حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا ؛

اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاخطاء فلہ اجر واحد[2]

ترجمہ: جب حکم لگانیوالے نے کسی بات پر حکم لگایا اور اس نے اجتہاد کیا تو اگر وہ صحیح بات کو جا پہنچا تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس نے خطا کی تو وہ صرف ایک اجر کا مستحق ٹھہرے گا.

سو اس ارشادِ نبوت کی روشنی میں اگر کوئی خطرے سے باہر ہے تو وہ صرف مقلد ہے غیر مقلدین حضرات نے جو اپنے اعمال کا سارا بوجھ اپنے سر لے رکھا ہے اور وہ علم میں پختہ نہیں ہیں تو قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ٹھہریں گے. کسی مجتہد کے علم کے سایہ میں ان کی غلطیاں معاف نہ ہو سکیں گی بخلاف مقلد کے کہ انہیں خطا پر بھی ایک ہی اجر کا مستحق ٹھہرایا ہے اور یہ اللہ رب العزت کا اس امام پر اور اس کی پیروی کرنے والے عوام پر ایک انعام ہے سو ضروری ہے کہ تقلید کو اپنے حق میں ایک نعمت سمجھا جائے. بشرطیکہ وہ اس مجتہد کی ہو جس کے مجتہد ہونے پر پوری امت کا اتفاق چلا آیا ہو کسی ایسے غیرے کی پیروی نہ ہو. ایسا ہو تو اُسے تقلید مجتہد نہ کہا جا سکے گا. واللہ اعلم بالصواب.

---

[1] مشکوٰۃ صد ۳۵ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صد ۱۵۸

فاما من لم یکن محلاً للاجتہاد فہو متکلف ولا یعذر بالخطاء بل یخاف علیہ الوزر[1]

ترجمہ: جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو گا وہ تکلف سے محقق بنا بیٹھا ہے اسے معذور نہ سمجھا جائے گا۔ اجر کی بجائے اس پر گناہ لوٹنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

جو مسئلہ کہ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہؓ کے وقت میں ایسا واقع نہ ہوا جو اس پر حکم ٹھہراکر وہ اجماع کرتے تو ایسی بات پر مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے۔ پھر وہ مجتہد بھی ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد امت کے اکثر عالموں نے قبول کیا ہے جیسے امام اعظمؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور قیاس بھی فاسد نہ ہو۔[2]

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جو امام ابو حنیفہؒ کو امام اعظمؒ لکھا ہے اُسے بُرا نہ سمجھیں، علامہ ذہبیؒ نے بھی تو تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو امام اعظم کے لقب سے ذکر کیا ہے اور حق بھی یہ ہے کہ آپ امت کے دائرہ اجتہاد کا ہمیشہ سے مرکز رہے ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے قیاس کو حجت ٹھہرایا ہے۔ قیاس صحیح کے حجت ہونے میں کسی صاحب علم کا کوئی اختلاف نہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیفؔ لکھتے ہیں۔

جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص نہیں ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جا سکتا ہے کہ قیاس و رائے کی تگ و تاز ان میں مسلّم ہے۔[3]

مولانا نے ثابت کیا ہے کہ ضرورت کے موقع پر اہل الرای ہونا ایک علمی شرف ہے یہ کوئی نفرت کا موضوع نہیں۔ جیسا کہ بعض نادان اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے سمجھ رکھا ہے۔

جمہور از صحابہ و تابعین و فقہاء و متکلمین بآں رفتہ کہ قیاس اصلی از اصول شریعت است۔[4]

---

[1] قوت المغتذی بشرح الترمذی صہ [2] تذکیر الاخوان صہ ۱۸۴ [3] مسئلہ اجتہاد صہ ۱۰۶ [4] افادۃ الشیوخ صہ ۱۲۲

قیاس کے اصولِ دین میں ہونے کا انکار داؤد بن علی بن خلف اصفہانی کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ بعد میں آنے والے تمام ظاہری اسی کے پیچھے چلے ہیں۔ ہاں یہ بات بے شک درست ہے کہ عقائد میں قیاس نہیں چلتا۔ اس کی تگ و تاز صرف احکام میں ہے۔ اس پر تمام اہل الفقہ والحدیث (جن کا قدیم میں صرف اہل سنت نام تھا) کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:-

لا خلاف بین فقہاء الامصار وسائر اھل السنۃ وھم اھل الفقہ والحدیث فی نفی القیاس فی التوحید واثباتہ فی الاحکام الا داؤد بن علی بن خلف الاصفھانی۔[1]

مشہور فقہاء عظام اور اہل السنۃ والجماعۃ جن سے مراد اہل الفقہ والحدیث ہیں۔ ان کا آپس میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قیاس کا عقائد میں اعتبار نہیں اور احکام میں قیاس بے شک ایک اصل ہے (جس پر قیامت تک کے پیش آمدہ نئے مسائل استنباط ہوتے رہیں گے) سوائے داؤد ظاہری کے کسی معتدر عالم نے قیاس کے اصل شرعی ہونے سے انکار نہیں کیا۔

غیر مقلدین کے معتدر عالم نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے جن واضح الفاظ میں قیاس کے اصل شرعی ہونے کا اقرار کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کی روشنی میں اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) حضرات کو کبھی اسے طعن و تمسخر کے پیرایہ میں ذکر نہ کرنا چاہیئے۔ یہ حقیقت میں شریعت سے ایک تمسخر ہوگا۔ مگر افسوس کہ عہدِ حاضر کی تحریک ترکِ تقلید اسی پر مبنی ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم صـ۷۶

برصغیر پاک و ہند میں غیر مقلد جہلاء نہایت بُرے انداز میں قیاس سے تمسخر کرتے ہیں انہیں اپنے بڑوں کے اس اقرار سے سبق حاصل کرنا چاہیئے. جب قیاس مسائل غیر منصوصہ کی دریافت میں ایک شرعی حیثیت رکھتا ہے تو اس سے مذاق کرنا کیا خود شریعت سے مذاق نہ ہوگا؟ اور کیا شریعت سے مذاق کرلے والا مسلمان رہ جاتا ہے؟

افسوس کہ غیر مقلدین آزادیٔ رائے کی حمایت میں جو چاہیں کہتے جائیں. ان کے علماء انہیں اس پہ ذرا نہیں ٹوکتے. وہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ حنفیوں کی تو گت بن رہی ہے اور یہ نہیں سوچتے کہ خود ان جہلاء کا بھی دین و ایمان ضائع ہو رہا ہے.

امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کے ہاں ضعیف حدیث کا درجہ قیاس سے بھی اوپر ہے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں ضعیف حدیث کا بھی ایک درجہ ہے اور یہ حدیث موضوع روایت کے درجہ میں نہیں جس سے یہ آوارہ فکر لوگ تمسخر کا پیرایہ اختیار کریں. امام ابوحنیفہ اور امام احمد دونوں مجتہد ہیں. مجتہدین کا یہ موقف کہ حدیث ضعیف کا درجہ قیاس سے اونچا ہے بتلاتا ہے کہ جس طرح قیاس سے تمسخر شریعت سے تمسخر ہے اسی طرح ضعیف حدیث کی توہین بھی خود شریعت کی توہین ہے. ضعیف حدیث جب سامنے آئے تو قرآن بجائے اس کے انکار کے اس کے تبیّن کا حکم دیتا ہے. قرائن اس کی تائید کردیں تو وہ بات قابلِ قبول ہو جائے گی.

سو یاد رکھیئے کہ ضعیف حدیث ہو یا قیاس شرعی ان سے تمسخر اور مذاق انسان کو اتخذوا ایات الله هزوا کے تاریک گڑھے میں گرا دیتا ہے. جہاں گرتے تو سینکڑوں لوگ دیکھے گئے لیکن سلامتی سے واپس آنے والا شاید ہی کہیں دیکھا گیا ہو.

محدثین کے ہاں ائمہ فقہ سے نسبتیں

محدثین جب کسی امام کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو وہ کثرت موافقت کے باعث اسکی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ امام طحاوی اور بیہقی یہ حضرات اسی طرز کے حنفی اور شافعی تھے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

وکان صاحب الحدیث قد ینسب الی احدی المذاهب لکثرۃ موافقته کالنسائی والبیهقی ینسبان الی الشافعی۔[1]

امام ابوداؤد اس پیرایہ میں امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ امام طحاوی اور ابویعلی موصلی صاحب المسند اسی پیرایہ میں حنفی تسلیم کئے گئے ہیں ان علماء محققین کا اپنے اپنے امام سے بعض مسائل میں اختلاف کرنا بتلاتا ہے کہ یہ حضرات اپنے ائمہ کو شارع نہ سمجھتے تھے صرف مجتہد سمجھتے ہیں مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی فتاوی نذیریہ میں اسی نقطہ نظر سے فقہ حنفی کی طرف رجوع کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اس وقت ترک تقلید انکار حدیث کے درجہ میں نہ تھا۔ آپ حضرت امام ابوحنیفہ کو معیار الحق ص۲ پر ان لفظوں میں ذکر کرتے ہیں :-

امامنا وسیدنا ابو حنیفة النعمان۔ ہمارے امام اور ہمارے سردار

اس دور کے غیر مقلدین صرف مقلدین کے خلاف نہیں خود اپنے پیشروؤں کے بھی خلاف ہیں میاں نذیر حسین صاحب نواب صدیق حسن خاں مولانا عبدالجبار غزنوی مولانا محمد حسین بٹالوی مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور حافظ عبداللہ روپڑی اس انداز کے غیر مقلد نہ تھے جو انداز فکر مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ کے ہاں ملتا ہے۔

اہلحدیث صرف احناف کے مقابل نہیں

غیر مقلدین صرف حنفیوں کے خلاف نہیں جملہ مقلدین کے خلاف ہیں۔ وہ حنفی ہوں یا مالکی شافعی ہوں یا حنبلی ــــ سب حضرات مقلدین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کسی عالم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بات کو بایں طور تسلیم کر لینا کہ کتاب و سنت کے مطابق ہوگی اور اس سے دلیل طلب نہ کرنا جائز ہے اور اس اعتماد سے ہی امت کا شیرازہ اب تک ایک جگہ جمع رہا ہے۔

سو غیر مقلدین صرف امام طحاوی ؒ کے خلاف نہیں امام بیہقی ؒ کے بھی خلاف ہیں کہ وہ امام

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۵۲

شافعیؒ کے مقلد کیوں رہے ـــــ صرف علامہ عینیؒ کے خلاف نہیں حافظ ابن حجرؒ کے بھی خلاف ہیں کہ وہ امام شافعیؒ کی کیوں تقلید کرتے رہے ـــــ وہ جس طرح محدث زیلعیؒ کو تقلید میں غلط کار سمجھتے ہیں حافظ ابن کثیرؒ شافعی کو بھی مقلد ہونے میں غلطی پر سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ علم کا بحر ذخار ہے مگر غیر مقلدین کے ہاں وہ امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید کرتے میں خطاکار رہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی بھی یہ لوگ تردید کرتے ہیں ـــ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ مقلد کیوں تھے۔ حضرت شیخؒ نے مذاہب اربعہ میں کسی ایک کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے مترجم رسالہ مولانا اسماعیل غزنویؒ نے اس پر یہ اختلافی نوٹ دیا کہ ہمیں اس پر کتاب و سنت سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ گویا مشائخ نجد قرآن و سنت کی رہنمائی کے بغیر ہی تقلید مجتہدین امت کے لیے واجب کر رہے ہیں اور جس علم کو یہ غیر مقلد پہنچے ہیں اس تک مشائخ نجد کی رسائی نہیں ہو سکی۔

اسے اس پہلو سے دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ جدید فرقہ صرف حنفیوں کے مقابل نہیں نظر و فکر میں کل اہلسنت کے خلاف ہے گو وہ کسی اور امام کے مقلد ہی کیوں نہ ہوں ـــــ اہلحدیث اور اہلسنت دو مختلف نظریات کے علمی حلقے ہیں۔ ایک حدیث کو صرف اس وقت لائق عمل سمجھتا ہے کہ وہ سنت کے طور پر معروف ہو چکی ہو اور دوسرا حلقہ اسے ہر طرح سے حجت سمجھتا ہے گو وہ کسی دور اور کسی لمبے عرصے میں ناپید کیوں نہ رہی ہو۔

اس علمی اختلاف کو واضح کرنے کے لیے غیر مقلدین نے ترک تقلید پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی کی معیار الحق۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی کی العذاب المہین۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی اہلحدیث کا مذہب اور تقلید شخصی و سلفی۔ ملا اسماعیل (گوجرانوالہ) کی تحریک آزادی فکر اور مولانا شاہ بدیع الدین آف پیر جھنڈا کی کتاب تقلید فرقہ اہلحدیث کے فکر و نظر کی ترجمان ہیں۔

ان کتابوں کے تقابلی مطالعہ سے جو ترک تقلید پر لکھی گئی ہیں یہ بات کھل جائے گی کہ اسلام میں مسئلہ نہ جاننے کی صورت میں علماء پر اعتماد کیا سکتا ہے اور ان سے دلیل پوچھنا قرآن و حدیث

کی روشنی میں ہرگز ضروری نہیں ہے دلیل مل جائے تو سر آنکھوں پر ـــــ ورنہ اہل علم پر اعتماد کرنا یہ شرعاً کسی جہت سے ممنوع نہیں ہے اور علم ہوتے ہوئے بھی تقلید اعلم کی اجازت ہے۔

تحریک ترک تقلید اسلام کے پہلے اور وسطی دور میں اور کہیں نہ تھی۔ تاریخ اسلام پر پہلا ہزار سال گزرنے کے بعد یہ بات عوام میں لائی گئی اور ان میں بطور فرقہ یہ تحریک شروع ہوئی۔ اس تاریخی پس منظر میں اسے ایک جدید فرقہ یا پانچواں فتنہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

پہلے ادوار میں ترک تقلید صرف ایک علمی پسند تھی

یہ صحیح ہے کہ پہلے ادوار میں بھی کچھ ایسے عالم ہوئے جنہوں نے اپنے علمی مقام کو تقلید سے بالا جانا لیکن یہ بات بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے عوام میں کوئی غیر مقلدین پیدا نہ کیے تھے نہ اپنے ہاں اہلحدیث کے نام سے عوام کا کوئی اور فرقہ بنایا۔ عامۃ الناس برابر چار مذاہب کے پیرو رہے ہیں۔

ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) نے ابطال تقلید پر تین رسالے لکھے۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں وہ ان کی نظر سے گزرے ہیں۔ بایں ہمہ وہ علامہ سیوطیؒ کو امام شافعیؒ کی تقلید سے نہ نکال سکے۔ آپ نے اس موضوع پر ارشاد المہتدین فی نصرۃ المجتہدین لکھی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کی کتاب العلم سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ (جو امام طحاویؒ کے ماموں تھے) نے بھی اس پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) نے کتاب التسدید فی ذم التقلید لکھی۔ مکہ مکرمہ کے شیخ محمد بن عبدالعظیم نے جو حنفی المذہب تھے نے القول السدید فی الاجتہاد والتقلید میں نے اس کے جملہ وجوہ کی تردید فرمائی ہے۔ مکتبہ ازہر میں نمبر ۱۹۲۶ کے تحت اس کا قلمی نسخہ دیکھا جا سکتا ہے ہم ان کتابوں کو پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ عصر حاضر میں علامہ شنقیطی مالکی نے قمع اہل الزیغ والالحاد عن الطعن فی تقلید ائمۃ الاجتہاد میں عامۃ الناس میں ترک تقلید کو تحریک بنانے کی سختی سے مخالفت کی ہے۔

ترک تقلید عدم جواز تقلید کی آواز کبھی نہیں رہی

جن اعلام نے تقلید کی ضرورت نہ سمجھی اور علمی مرتبہ کے احساس سے وہ تقلید میں نہ رہے۔ وہ ہرگز عدم جواز تقلید کے قائل نہ تھے۔ ان کے ہاں یہ صرف اولیٰ اور خلاف اولیٰ کی بحث تھی۔ علامہ ابوالخیر نورالحسن خاں کی کتاب کے نام پہ غور کیجئے۔ ہم کتاب کا ذکر پہلے کر آئے ہیں۔

الطریقۃ المثلیٰ فی الارشاد الی ترك التقلید واتباع ما ھوالاولیٰ۔

شیخ شہاب الدین ابوالقاسم المعروف بابن ابی شامہ (۶۶۵ھ) کی کتاب المؤمّل للرد الی الامر الاول بھی اسی موضوع پر ہے۔ امراول علم واجتہاد کی راہ ہے اور امر ثانی تقلید و اتباع کی۔

جس طرح ہندوستان کی انگریزی عملداری میں تحریک ترک تقلید کو فروغ حاصل ہوا۔ امریکی نظروفکر کے عالمی غلبے اور یورپین قوموں کے عمل و دخل سے مسلمانوں میں مقام اجتہاد کو اب ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے، مسلمانوں کو آزاد فکری سے مذہب سے آزادی کی طرف بلایا جارہا ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حوادثِ نو میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ اجتہاد پہلے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کی روشنی میں عمل آنا چاہیئے، نئے پیش آمدہ مسائل تو بے شک نئے مسائل ہیں۔ لیکن اسلام کے اصولِ اجتہاد عہد صحابہؓ سے چلے آرہے ہیں اور کتب اصول فقہ میں وہ حاشیہ در حاشیہ میں آکر بہت محقق اور منقح ہوچکے ہیں۔ اب نئے اجتہاد پرانے اجتہادات کے سائے میں عمل میں لائے جائیں تو اس سے مذہب سے نکلنے کی تحریک آزادی کو راہ نہیں مل سکتی۔

فاضل بن عاشور کا مقالہ الاجتہاد ماضیہ وحاضرہ جو علماء اسلام کی مؤتمر اول منعقدہ ۱۹۶۴ء میں پڑھا گیا۔ اس میں دورِ اوّل کے اجتہاد کو اس کا مقام واقعی دیا گیا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ڈاکٹر سید محمد موسیٰ افغانی کا رسالہ الاجتہاد ومدی حاجتنا الیہ فی ھذا العصر میں بھی اجتہاد کے جدید نظریوں پہ مضبوط گرفت موجود ہے۔ تاہم ایک مربوط علمی زندگی کے لیے اس بات سے

چارہ نہیں کہ ہم پہلے ائمہ علم کی روشنی میں چلیں اور ہمارے بعد آنے والے اسلاف کے ذخائر علمیہ کے ساتھ ہمارے اس دور کے تراث علمی کے بھی وارث بنیں، واجعلنا للمتقین اماما کی قرآنی آواز یہی ہے۔

ممکن ہے ہمارے قارئین ان تمام کتابوں تک جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے رسائی مشکل جانیں، سو نامناسب نہ ہو گا کہ اگر ہم اپنے موقف کو خلاصہ کے طور پر یہاں نہایت سلیس انداز میں ذکر کر دیں۔ یہ تحریر برصغیر پاک وہند کے مایۂ ناز مفتی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ (۱۳۷۲ھ) کی ہے۔ حضرت نے جس حسن اعتدال سے مسئلہ تقلید کو حل کیا ہے یہ اپنی مثال آپ ہے۔

کس نیت سے ائمہ مجتہدین کی پیروی ہو؟

اسے جواب ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

واضح ہو کہ ہم لوگ حضرت سراج الامت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ کے پیرو اور مقلد ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کتاب اللہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل السلام وازکی التحیۃ کے اعلیٰ درجے کے عالم اور علوم دینیہ کے اوّل درجے کے ماہر تھے۔ انہوں نے قرآن پاک اور احادیث سے جو احکام فقہیہ نکال کر فقہ کو مدون کیا ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن پاک اور احادیث کا عطر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے لازوال خزانوں سے فقہ فی الدین کا بیش قدر ذخیرہ انہیں عطا فرمایا تھا۔ اور تفقہ فی الدین میں ان کی رفعت شان نہ صرف احناف بلکہ علمائے مذاہب اربعہ کے نزدیک مسلّم ہے۔ اس لیے ان کے بتائے ہوئے اور نکالے ہوئے احکام پر عمل کرنا بعینہٖ قرآن و حدیث پر عمل کرنا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، ہمارا یہ خیال و عقیدہ ہرگز نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو منصب تشریع احکام حاصل ہے۔ یعنی احکام شرعیہ محض اپنے قیاس و رائے سے وہ بنا سکتے ہیں یا

بتاتے تھے یا ان کے احکام بہرصورت واجب التعمیل ہیں۔ خواہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے۔ صحابہ کرامؓ کے برابر نہیں سمجھتے پھر نعوذ باللہ رسولؐ کے برابر سمجھنا تو کجا۔ وہ صرف ایک امتی تھے۔ بشر تھے لوازم بشریت، خطا و نسیان سے بھی مبرا و منزہ نہ تھے۔ مگر ہاں عالم تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ فقیہ تھے اور کامل فقیہ تھے۔ مجتہد تھے اور مسلم مجتہد تھے مبدأ فیاض نے زیورِ علم و تفقہ۔ تقوے و پرہیزگاری سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی انہیں شرف تابعیت بھی عطا فرمایا تھا۔ اور خیر القرون میں ہونے کی بزرگی عطا فرمائی تھی۔ باوجود اس علم و اعتقاد کے وہ ایک انسان تھے۔ اور ان سے غلطی اور خطا ممکن۔ ہمارا یہ اعتقاد بھی ہے کہ ہر کس و ناکس کو یہ مرتبہ اور حق حاصل نہیں کہ ان کے اقوال میں سے کسی قول کو بے اصل یا بے دلیل بتائے یا ان کے کسی قول کو خلاف حدیث ہونے کا الزام لگا کر چھوڑ دے۔ ہمارے مبلغ علم ہی کیا ہیں کہ ہم احادیث کے ناسخ و منسوخ، مقدم و مؤخر، مأول و مفسر اور محکم کو معلوم کر سکیں اور حدیث کی چند کتابیں یا چند رسالے پڑھ کر ایک ایسے مسلم مجتہد کے اقوال کی تغلیط اور اس کے تخلیہ پر آمادہ ہو جائیں۔

بزرگان سلف میں سے جو لوگ کہ علم دینیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور قدرت نے انہیں خزانۂ علوم سے پورا حصہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے امام اعظمؒ کے اقوال اور مسائل کو نظر تدقیق و تحقیق سے دیکھا اور جانچا۔ مخالفین کے اعتراضات کی جانچ پڑتال کی اور امام صاحب کے اقوال کے ماخذ نکال کر دکھائے اور ان کے اقوال کو مدلل کر دکھایا۔ ہاں معدودے چند بعض مسائل ایسے بھی ملے کہ ان میں امام صاحب کے قول کے ماخذ پر انہیں بھی پوری اطلاع نہ ملی اور امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کو انہوں نے اس مسئلے میں اپنے علم اور خیال کے موافق راجح

بتایا تو متاخرین حنفیہ نے بلا تردد ایسے مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر
ان علماء اعلام کے قول کے موافق امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہما کے
اقوال کو معمول بہا بنا لیا۔ فقہ حنفی میں بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ ان میں امام
صاحب کے قول پر فتوے نہیں ہے۔ بلکہ صاحبین وغیرہما کے اقوال مفتی بہا ہیں
اور یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ ہم خدانخواستہ امام ابو حنیفہؒ کو بالذات واجب
الاطاعت نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کا اتباع اور تقلید صرف اسی حیثیت سے کرتے ہیں
کہ وہ ہم کو کتاب اللہ تعالیٰ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراط مستقیم
پر چلانے والے ہیں اور شاہراہِ سنت پر ہمارے رہبر ہیں۔ اگر کسی موقع پر علمائے
متبحرین کاملین کے ارشاد سے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں ہوتا
اور صاحبین وغیرہما کا قول بظاہر زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ ہوتا ہے تو ہم
وہاں امام صاحب کے قول پر اصرار نہیں کرتے۔ بلکہ صاحبین وغیرہما کے قول
پر عمل کر لیتے ہیں کیونکہ مقصود اصلی اتباع خدا اور رسول ہے

مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو مسائل امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام
مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں مختلف فیہا تھے اور اس میں امام صاحب
کی قوتِ اجتہادیہ نے ایک طرح پر فیصلہ کیا اور امام شافعی کی قوتِ اجتہادیہ
نے دوسری طرح فیصلہ کیا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ امام شافعی نے جن احادیث کی
بنا پر یہ حکم دیا ہے وہ حدیثیں امام صاحب کو پہنچیں۔ مگر پھر بھی امام صاحب نے
ان کا وہ مطلب نہیں سمجھا اور نہ ان کے نزدیک وہ اس حکم کے اثبات کے
لیے کافی ہوئیں جو حکم امام شافعیؒ نے ان کے بموجب دیا ہے تو ایسے مسائل میں
ہمارے یعنی حنفیہ کے ذمے لازم ہے کہ اپنے امام پر اعتماد کریں اور اسی کی بات کو
اوفق بالکتاب والسنۃ سمجھیں اور اسی پر عمل کریں۔

حضرت حکیم الامت، مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں :-
ایک غیر مقلد عالم سے میری گفتگو ہوئی . میں نے کہا کہ اتباع کا مدار عام دلائل نہیں
حسنِ ظن ہے . چنانچہ آپ کو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ پر اعتماد ہے ۔ حسنِ ظن
ہے . یہ سمجھتے ہو کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے ہی کہتے ہیں قرآن و حدیث
کا حوالہ اگر ساتھ نہ ہو اس لیے ان کے اقوال کے بعد دلائل کا بھی انتظار نہیں کرتے
حالانکہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ وہ دھڑا دھڑ فتوے لگاتے چلے جاتے ہیں .
لکھتے چلے جاتے ہیں اور دور تک کہیں آیت و حدیث کا پتہ نہیں نہ کوئی
دلیل ہے . اپنے دعوے کے اثبات میں اور اس سے بڑھ کر تماشا یہ ہے
کہ بعض جگہ خصم کے دلائل نقل کرتے ہیں اور بدوں ان دلائل کے جواب دیئے
ہوئے اس میں اختلاف کرتے ہیں . خود اپنے دعوے کی دلیل بیان نہیں
کرتے . سو اس طرح ہم کو امام ابو حنیفہؒ پر اعتماد اور حسنِ ظن ہے . ہم بھی
یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں . اس لیے دلائل
تفصیلیہ کا انتظار نہیں کرتے . اب بتلایئے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے
کہنے لگے کہ بالکل صحیح ہے [1]

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے اس بیان میں جو اعتدالِ فکر پایا جاتا
ہے اور غیر مقلدین کے نزاعی مسائل میں جو گہرائی اور تحقیق حنفیہ کے دلائل میں ملتی ہے اس کا تقاضا ہے
کہ حنفی طلبہ ان مسائل میں اچھی مہارت پیدا کریں . ان مسائل کو نظر انداز کرنے کی پالیسی ترک کریں .
اور جہاں کہیں غیر مقلد اور طلبہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان پر معترض ہوں حضرات ان احادیث
کے تحقیقی بیان سے ان کا ناطقہ بند کر دیں .

جو مسائل ائمہ اربعہ میں اختلافی ہیں انہیں مقام دعوت پر نہ لایا جاتے . یہ منتقف طریق عمل

---

[1] الاضافات الیومیہ جلد ۷ صد ۵۳

ہیں لڑنے کے میدان نہیں ہیں صحابہ کرامؓ میں بھی مختلف طریق عمل تھے اور وہ کبھی ایک دوسرے پر نکیر نہ کرتے تھے. ان فروعی مسائل کو مقام دعوت میں لانا جیسا کہ عام غیر مقلد کرتے ہیں صحابہ کا طریق نہ تھا. فروعی مسائل پر جماعت بندی کرنا بدعت ہے اور ہر وہ بات جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے.

لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ اگر غیر مقلدین ان مسائل کو چھیڑیں تو ان سے ان پر مناظرہ نہ کیا جائے: تاریخ بتاتی ہے کہ غیر مقلدین ان مسائل میں ابتداء تو اس طرح کرتے ہیں گویا جانب مخالف میں کوئی دوسری روایت یا حدیث سرے سے موجود نہیں اور جب علماء احناف وہ دوسری روایات سامنے لے آتے ہیں تو پھر انہیں بھاگنے میں کوئی دیر نہیں لگتی. مقلدین اور غیر مقلدین میں جب کبھی مناظرے ہوئے شکست ہمیشہ انہی کا مقدر بنی ہے. مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) نے کسے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے. آپ علماء دیوبند کی علمی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:-

ان کی علمی خدمات نے اتنا ہی اونچا کیا ہے جتنا مناظرات نے ہم کو نیچا دکھایا ہے اور ہم کو قلاش کر دیا. [1]

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مولانا اسماعیل کا اشارہ اہلحدیث کی کن شکستوں کی طرف ہے اس کی تصریح حکیم محمود احمد برکاتی اس طرح کرتے ہیں:-

۱۹۱۲ء میں (مولانا معین الدین اجمیری) ایک اہلحدیث عالم مولوی عبدالحکیم نصیر آبادی سے مناظرے کے لیے مال پورہ ریاست جے پور مدعو کیے گئے. مگر مولوی عبدالحکیم مولانا کی آمد کی اطلاع سن کر مال پورہ سے چل دیئے. اس لیے مناظرہ نہ ہو سکا. انہی مولوی عبدالحکیم کی سرگرمیوں کی وجہ سے کیکڑی ضلع (اجمیر) میں ایک مقدمہ عرصے سے چل رہا تھا. آخر میں احناف کی طرف سے مولانا معین الدین اجمیری اور مانعین تقلید

---

[1] نتائج التقلید ص ق

کی طرف سے مولانا ثناء اللہ امرتسری شہادت کے لیے بلائے گئے مولانا معین الدین کی تقریر نے سب جج کو متاثر کیا اور اس نے مولانا امرتسری کے دلائل کا رد کرتے ہوئے احناف کے حق میں فیصلہ دیا۔[1]

پھر گوجرانوالہ کا وہ معرکۃ الآراء مناظرہ مولانا اسماعیل کو یاد ہوگا جو تحریری طور پر محدث شہیر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مابین اس موضوع پر ہوا کہ حدیث نبوی واذا قرأ فانصتوا (جب امام پڑھے تو تم چپ رہو) صحیح مسلم میں ہے یا نہیں اور فریقین نے بالاتفاق حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی کو ثالث ٹھہرایا۔ موصوف نے بڑی جرح و قدح کے بعد فیصلہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خلاف دیا۔ یہ فیصلہ مطبوعہ موجود ہے اور اس میں مولانا ثناء اللہ صاحب کی درماندگی اور کمزوری اچھی طرح نمایاں ہے۔

اہلحدیث کی یہ وہ پے در پے شکستیں ہیں جنہوں نے مولانا اسماعیل کو بہت بے دل کر دیا تھا۔ موصوف کا اپنے بیان میں اشارہ جماعت اہلحدیث کی انہی شکستوں کی طرف ہے۔

غیر مقلدین کے اختلاف کے باعث نئے ابھرے مسائل

مذاہب اربعہ کے آپس کے اختلافات تو اپنی جگہ ہیں۔ غیر مقلدین کے اختلاف کے باعث جو مسائل برصغیر پاک و ہند میں نئے سرے سے ابھرے ہیں ان میں یہ پانچ مسئلے زیادہ اہم ہیں اور یہ نئے اختلاف ہیں جو پہلے ائمہ اربعہ میں نہ تھے:۔

(۱) ——— مسئلہ تقلید؟

(۲) ——— ایک مجلس میں دی گئی طلاق ثلثہ ایک شمار ہوگی یا تین؟

(۳) ——— تراویح کی جماعت مسجد میں کیا کبھی بیس رکعت سے کم بھی پڑھی گئی ہے؟

(۴) ——— فروعی اختلافات کو حق و باطل کا اختلاف کہنا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] مولانا حکیم سید برکات احمد ص۲۲۳ مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی طبع برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

(۵) — جو مسائل قرآن وحدیث میں منصوص نہیں ان میں انسان بالکل آزاد و مختار ہے یا اس پر سبیل مومنین کی پابندی لازم ہے ؟

غیر مقلّدین کے زیرِ نزاع مسائل

(۱) فاتحہ خلف الامام
(۲) رفع الیدین عند الرکوع
(۳) وضع الیدین تحت السرہ
(۴) الاخفاء بالتامین
(۵) اقامت کے بعد فجر کی سنّتیں
(۶) گاؤں میں جمعہ کی فرضیت

حضرت مولانا محمد حسن صاحب محدث فیض پوری (نزد شرقپور) کی یہ کتابیں ان موضوعات پر مفید کتابیں ہیں :-

(۱) الدلیل المبین علیٰ ترک القرآۃ للمقتدین
(۲) تنویر الحاسہ فی مناقب الائمہ الثلٰثہ
(۳) تنویر العینین فی مسئلہ رفع الیدین
(۴) ستہ ضروریہ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی تالیفات

(۱) ہدایۃ المعتدی فی ترک القرآۃ للمقتدی
(۲) الرای النجیح فی مسئلۃ التراویح
(۳) اوثق العریٰ فی عدم جواز الجمعہ فی القریٰ

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی تالیفات

(۱) امام الکلام
(۲) الآثار المرفوعہ
(۳) غیث الغمام
(۴) السعی والتکمیل فی الجرح والتعدیل

حضرت مولانا مفتی محمد عابد سندھیؒ (م ھ) کی کشف الرین فی ترک رفع یدین

پھر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تالیفات

(۱) ایضاح الادلہ
(۲) احسن القریٰ فی شرح اوثق العریٰ

ان کے بعد عمدۃ المحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی گراں قدر کتابیں

(۱) فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب (عربی)

(۲) خاتمۃ الکتاب فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب (فارسی)

(۳) نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین مع بسط الیدین

(۴) کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب توثیق الکلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ہدایۃ المعتدی حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی امام الکلام اور غیث الغمام مولانا محمد حسن فیض پوری کی الدلیل المبین، حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی تدقیق الکلام (دو جلد) شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی احسن الکلام (دو جلد) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق شیخ الحدیث سراج العلوم سرگودھا کی نامۃ الخصام فی مسئلہ خلف الامام اور ایقاظ النیام فی مسئلہ القرأۃ خلف الامام اور راقم الحروف کی مصباح الظلام اس موضوع کی اہم کتابیں ہیں۔

مسئلہ رفع الیدین پر مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب جلاء العینین فی مسئلہ رفع الیدین شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح اور وتر کے باب میں نفحۃ العطر فی ابحاث الوتر اپنے موضوع میں لاجواب کتابیں ہیں۔

طلاق ثلٰثہ کے موضوع پر مولانا فقیر محمد جہلمیؒ کی لاجواب کتاب سے کون واقف نہیں، محدث دیوبند مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی کتاب الاعلام المرفوعہ اور الازہار المربوعہ، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صفدر کی عمدۃ الاثاث فی حکم الطلقات الثلث۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب کی آئینہ طلاق ثلٰثہ۔

الاخفاء بالتامین کے موضوع پر شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی کتاب اظہار التحسین فی اخفاء التامین اپنے وقت کی لاجواب کتاب ہے۔

تراویح کے موضوع پر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی رکعات تراویح حضرت مولانا حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی خیر المصابیح۔ مولانا محمد شریف کوٹلوی کی کتاب التراویح مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کی لمعات المصابیح فی رکعات التراویح۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی مسئلہ تراویح۔ اہم کتابیں ہیں، ان کتابوں کے تنقیدی مطالعہ اور حوالجات کی اصل کتابوں سے مراجعت کے بعد انسان اس مسئلہ پر پہنچتا ہے کہ عمل بالحدیث کی جو گہرائی فقہ حنفی میں ملتی ہے وہ اور کہیں نہیں ملتی اور شیرازۂ امت کو یکجا رکھنے کے لیے تقلید ائمہ سے بہتر اور کوئی راہ عمل نہیں۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیبؒ کے عہد کے مرتب فقہی ذخیرہ فتاوےٰ عالمگیری پر ہم سب جمع ہو جائیں تو اس سے بہتر نظام اسلامی کے نفاذ کی اور کوئی راہ نہ ملے گی جس طرح سعودی عرب میں احکام کا نفاذ حنبلی فقہ سے ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں احکام اسلام کا نفاذ فقہ حنفی سے ہونا چاہیئے اور جو لوگ اس فقہ سے متفق نہ ہوں انہیں پرسنل لاء کے تحت اپنی اپنی فقہ پر عمل پیرا ہونے کا موقعہ دیا جائے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے کیا اچھا فرمایا ہے:۔

> فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے احکام پر بھی علل احکام پر بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات کو الہام ہوتا تھا جس سے ایسی دین کی خدمت کی ہے۔ حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اگر فقہاء کی ذات دنیا میں نہ ہوتی تو عالم میں ایک اندھیر ہوتا۔ دین کے ہر مسئلہ کو روشن اور واضح کر دیا۔ اگر فہم سلیم اور عقل کامل ہو تو کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔[1]

محدثین نے ہمیشہ فقہاء کی برتری تسلیم کی ہے اور یہی اہل علم کا وہ طبقہ ہے جن کے اعتماد پہ عامی کو بلا جھجک عمل کر لے کی اجازت ہے۔ اور انہی کے مختلف مدارج ہیں جن میں عالم اپنا اجتہاد ترک کرکے اعلم کی پیروی کر سکتا ہے۔ اجتہادی امور میں اپنے اجتہاد کی پیروی ضروری نہیں صحابہؓ ایسے مواقع پر تقلید اعلم سے بھی کام لے لیتے تھے۔ ولکل بھم قدوۃ وقیادۃ۔

---

[1] الافاضات جلد ۷، صـ۸۴

سلف فروعی مسائل پر جماعت بندی نہ کرتے تھے

ائمہ اربعہ کے اختلاف کو امت نے بشرح صدر قبول کیا اور ان کے پیرو اپنے فروعی اختلافات کو مقامِ دعوت پر نہیں لائے۔ بارہویں صدی ہجری تک ایک واقعہ نہیں ملتا کہ کسی حنفی یا شافعی عالم نے کسی اختلافی مسئلے پر کھلے بندوں تقریریں کی ہوں اور ان مسائل کے اختلاف کو حق و باطل کا فاصلہ ٹھہرایا ہو۔ جو اختلافات صحابہؓ کے دور سے چلے آ رہے ہوں ان میں حق و باطل کا فاصلہ کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

برصغیر پاک و ہند میں یہ غیر مقلدوں کی آمد تھی جس نے اُن کی فروعی مسائل پہ جماعت بندی کر ڈالی۔ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ میں یہ پہلا شگاف تھا۔ مذکورہ بالا کتابیں صرف اس فتنہ کی روک تھام کے لیے لکھی گئیں۔ ورنہ سلف ان فروعی مسائل پر کبھی مقامِ دعوت نہ لاتے تھے اور نہ فروعی اختلافات پر ان میں کوئی جماعت بندی تھی۔

فروعی مسائل پر جماعت بندی اس نوزائیدہ فرقے سے شروع ہوئی اور اہل حدیث (باصطلاح جدید) وجود میں آئے۔ ہمارے نزدیک ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں۔ مگر پروفیسر غلام احمد حریری حیات ابی حنیفہ لابی زہرہ کے ترجمہ میں ایک ذیلی نوٹ میں لکھتے ہیں کہ ان کا آغاز مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ سے ہوا :-

> مولانا اسماعیل شہید نے توحید خالص اور فقہیات کی حد تک مسلک اہلحدیث کی مستقل داغ بیل ڈالی چنانچہ جب سے اب تک جماعتِ اہلحدیث ترقی پذیر ہے۔[1]

حافظ غلام احمد حریری اس نوزائیدہ فرقے کا آغاز مولانا شاہ اسماعیل شہید سے کرتے ہیں۔ حافظ صاحب کے اس گمان کی وجہ مولانا اسماعیل شہید کا رفع الیدین عند الرکوع پہ ایک رسالہ ہے اور اس سے آپ کا غیر مقلد ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کوئی بلند پایہ عالم کسی مسئلے میں اپنے امام کے قول کو

---

[1] حیاتِ ابی حنیفہ لابی زہرہ ص۲۶

چھوڑ دے اور قوتِ دلائل کی بناء پر کوئی اور عمل اختیار کرے تو اسے ترکِ تقلید نہیں کہا جاتا۔ اسے تفرد کہتے ہیں۔ حنفیوں میں اس کی ایک اور مثال ملتی ہے۔ عصام بن یوسف کس پائے کے حنفی فقیہ تھے یہ اہل علم سے چھپی بات نہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ میں لکھتے ہیں:

وکان یرفع یدیه عند الرکوع وعند رفع الرأس منه واخوه ابراهیم کان لا یرفع .... ویعلم ایضًا ان الحنفی لو ترك فی مسألة مذهب امامه لقوة دلیل خلافه لا یخرج به عن ربقة التقلید بل هو عین التقلید فی صورة ترك التقلید الا تری ان عصام بن یوسف ترك مذهب ابی حنیفة فی عدم الرفع ومع ذلك هو معدود فی الحنفیة [1]

ترجمہ: آپ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے رفع یدین کرتے تھے اور آپ کے بھائی ابراہیم یہ رفع یدین نہ کرتے تھے معلوم رہے کہ حنفی اگر کسی مسئلہ میں اپنے امام کا مذہب قوی دلیل پانے کے باعث ترک کردے تو وہ تقلید سے نہیں نکلتا۔ یہ خود تقلید ہے گو بظاہر یہ ترکِ تقلید ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عصام بن یوسف (۲۱۰ھ) نے عدم رفع میں امام ابو حنیفہؒ کی بات ترک کی اور اس کے باوجود ان کا فقہائے حنفیہ میں شمار رہا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس عالم کے نزدیک اگر کوئی بات صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے اور ذخیرہ احادیث میں اس کا کوئی تعارض نہ ہو اور وہ عالم قوتِ دلائل کے احساس سے اپنے امام کی بات چھوڑ دے تو وہ تقلید سے نہیں نکلتا۔ ترکِ تقلید میں اور کسی مسئلے میں تفرد اختیار کرنے میں بہت فرق ہے۔ حافظ غلام احمد حریری اس بات کو نہیں سمجھ سکے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین ڈائریکٹر سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ لکھتے ہیں:

شاہ اسمٰعیل شہید نے نماز کے بعض ارکان شافعی فقہ کے مطابق اختیار کرلیے

---

[1] الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ ص

مثلاً رفع الیدین — شاہ اسماعیل اپنے آپ کو اس شرط کے ساتھ حنفی کہتے تھے کہ
جو نتائج ذاتی تحقیقات سے اخذ کئے جائیں وہ مستثنیٰ ہوں گے۔ یہ تجاوز ترک تقلید
سے اتنا قریب تھا کہ ایک عام آدمی اس اختلاف کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ درحقیقت
اسی اختلاف کو ذرا آگے بڑھایا تو غیر مقلدوں یا اہلحدیث کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا
سید احمد ان معاملات میں معتدل تھے اور انہوں نے شاہ اسماعیل کو کامیابی
کے ساتھ اس پر آمادہ کیا کہ وہ مروجہ معمولات سے مطابقت قائم رکھیں۔[1]

اس سے دو باتوں کا پتہ چلا ایک تو یہ کہ مولانا اسماعیل شہید ترک رفعیدین کے موقف پر پھر لوٹ آئے تھے اور اب ان کا عمل عام حنفیوں جیسا تھا۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان میں ان دنوں ایک نیا فرقہ پیدا ہو اجو اپنے آپ کو اہلحدیث کہتا تھا اور لوگ انہیں غیر مقلد کہتے تھے۔

غیر مقلدین کی تاریخ کی دوسری منزل

ابتداء میں بے شک یہی صورت تھی لیکن پھر یہ لوگ بالکل لامذہب بن گئے راساً تقلید کے منکر ہوئے اور جس مسئلہ پر (تقلید پر) صدیوں سے اجماع چلا آرہا تھا اس کا انکار کر دیا مولانا کرامت اللہ جونپوری ایک مقام پر انہیں لامذہب کے نام سے ذکر کرتے ہیں:۔

لامذہب لوگوں کے عالم انبیاء کے وارث نہیں۔ کیونکہ علم احکام کا جو فقہ ہے۔
سو اس سے ان لوگوں کو انکار ہے اور علانیہ کھلم کھلا لوگوں کو فقہ پر عمل کرنے
سے منع کرتے ہیں اور ہر جاہل کو حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اسی کو عمل
بالحدیث کہتے ہیں اور جس مقام میں فقہ کے انکار کا موقع نہیں پاتے وہاں جب
کوئی پوچھتا ہے کہ تم فقہ پر عمل کرتے ہو تب کہتے ہیں کہ ہم فقہ پر کس واسطے عمل
نہ کریں گے جو فقہ قرآن و حدیث کے موافق ہے اس کو ہم مانتے ہیں اور یہ ان

---

[1] علماء میدان سیاست میں ص ۱۷۹

کا بڑا اکید (حکم) ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے موافق غیر موافق ہونا مجتہد کے سوا کون معلوم کر سکتا ہے تو یہ ایسا کید ہے کہ ان کو [illegible] منکر رہے گا۔[1]

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ محدثین [illegible] منصب پر نہیں رہے۔ انبیاء کی وراثت بطریق سنت چلتی ہے اور جو لوگ [illegible] سنتِ قائمہ سے نہیں پہنچتے وہ اپنا عمل براہِ راست حدیث سے لیتے ہیں۔ اہل سنت اور اہل حدیث میں یہی جوہری فرق ہے مولانا جونپوری ایک واسطہ سے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں اور ان کا یہ بیان اس دور کے بہت قریب کا ہے جب یہ فرقہ اہل حدیث باضابطہ [illegible] ہو رہا تھا۔ آپ آگے جا کر لکھتے ہیں:-

> ساتویں طبقے کے فقہاء اور علماء کو سوائے ان لوگوں (ائمہ مجتہدین) کی تقلید کے چارہ نہیں اور اس مسئلے میں ان لوگوں کو از سر نو بحث اور تقریر مدلل گفتگو کرنا محض لغو اور بے فائدہ اور واجب کا ترک کرنا اور حرام میں گرفتار ہونا ہے ـــــ اور عوام کا تو کیا ذکر ہے خصوصاً اس ملک کے عوام دیکھ کر اس ملک کے عوام تو صبح صادق کو نہیں پہچانتے جس کے پہچاننے پر روزے کا مدار ہے تو یہ لوگ دینی مسائل کیا پہچانیں گے۔[2]

اقبال نے آج سے اسی سال پہلے ترک تقلید کو واجب کا ترک کرنا اور اسے حرام بتلایا آج ہمارے عوام میں بے دینی اور دین سے بے پرواہی اس سے بھی بڑھ گئی ہے۔ سو ان حالات کا تقاضا ہے کہ ہم آزادی کے نام سے آنے والی ترک تقلید کی اس صدا کو امت مسلمہ کے لیے اور بھی زیادہ خطرناک سمجھیں۔ ملت کا شیرازہ اپنے بزرگوں سے وابستگی میں بندھا ہے خود آرائی سے نہیں یہ تو انتشار ہی انتشار ہے۔

---

[1] حجت قاطعہ ص۹۷ [2] ایضاً ص۱۰۲

ے راہ آباد رو کہ ایں جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است

ترجمہ: اپنے پیشرؤوں (ائمہ دین) کے طریقے پر چلو۔ یہ پوری قوم کو ایک شیرازہ میں رکھنا ہے۔ تقلید کا مطلب پوری ملتِ اسلامی کو ایک قوم بنا کر رکھنا ہے۔

اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی فقہی مسلک یا فرقہ اہلحدیث کے نام سے پہلے سے نہ تھا۔ انگریزی دور میں یہ فرقہ پیدا ہوا اور اس میں لوگ حنفیوں سے ہی گئے پہلے سے اہلحدیث (باصطلاح جدید) برصغیر پاک و ہند میں کہیں نہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اہلحدیث کو ایک نیا فرقہ ہی قرار دیتے ہیں:-

ایک افسوسناک بات یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں جو تفرقے پہلے ہی سے تعداد کثیر میں پڑے ہوئے تھے اس میں ایک فرقے کا اضافہ ہو گیا۔[1]

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ ترکِ تقلید سے جو تحریک ہندوستان میں چلی یہ ایک نئی تحریک تھی اور یہ ایک نئے فرقے کی پیدائش تھی۔ مولانا اسماعیل شہید کا ان سے کوئی رشتہ نہیں مولانا اسمٰعیل شہید کے ہمعصر ایک اور عالم ہیں۔ وہ اس نئے فرقے کے شیخ الکل مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اس نئے فرقے کی داغ بیل ڈالی۔ مگر خود کو وہ بھی (ان شرطوں کے ساتھ جو ہم لکھ آئے ہیں) حنفی ہی کہتے رہے وہ مولانا نذیر حسین دہلوی تھے۔ ان کے بعد مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس نئے پودے کی آبیاری کی اور انگریزوں سے اپنے لیے اہلحدیث کا نام منظور کرایا ــــ تاہم وہ بھی اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنے آپ کو حنفی اہلحدیث لکھنے لگے تھے۔ آپ نے اپنے دوست مرزا غلام احمد قادیانی کے انجام کے انجام کو دیکھتے ہوئے اپنی جماعت کو ترکِ تقلید کے خطرناک انجام کا الارم دے دیا تھا۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی بھی امام ابو حنیفہؒ کا بڑا احترام کرتے تھے اور حنفی فقہ کی کتاب ہدایہ کی بہت تعریف کرتے تھے مولانا محمد داؤد غزنوی کی حضرت رائے پوری سے بیعت بھی اسی لیے تھی کہ یہ حضرات فقہ حنفی سے کلیۃً دور نہ

---

[1] علماء میدان سیاست میں ص ۲۱۲

رہنا چاہتے تھے۔ مولانا داؤد غزنوی فرمایا کرتے تھے کہ اہلحدیث کو امام ابوحنیفہ کی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے جس کو دیکھو امام صاحب کی شان میں بے ادبی کر رہا ہے۔

ان اکابر کی اس پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہلسنت اور اہلحدیث میں اختلاف کی جو شدت پہلے تھی وہ کم ہو گئی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب لکھتے ہیں :-

ملت اسلامیہ میں جو تفرقے پہلے ہی سے تعداد کثیر میں پڑے ہوئے تھے ان میں ایک فرقے کا اضافہ اور ہو گیا۔ ابتدائی ایام میں تصادم بھی ہوئے اور مقدمہ بازی کی نوبت بھی آ گئی جس سے اہلحدیث اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے۔ مگر اب خوش قسمتی سے نارواداری بہت کم ہو گئی ہے۔[1]

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی نے ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو صحابہؓ کے اختلاف کا ہی درجہ دیا ہے :-

صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کج روی بداعتقادی اتباع ہوی اور بدمذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمۃ کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہ و تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔[2]

ہم سمجھتے ہیں کہ اب بھی اگر یہ لوگ تقلید کو حرام نہ کہیں اور احناف کے طریق نماز کو اس طرح برداشت کریں جس طرح صحابہؓ ایک دوسرے کے اختلاف عمل کو برداشت کرتے تھے اور ان مختلف پیرایۂ عمل کو دائرہ شریعت کے اندر سمجھیں تو اب بھی یہ لوگ اہل سنت سے کچھ فاصلے پر نہیں رہتے۔ اور ملی یکجہتی میں ان کے لیے جگہ بن جاتی ہے۔

ے
نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

---

[1] علماء میدان سیاست میں ص۲۱۴ [2] تاریخ اہل حدیث ص۱۳۷

اُن کا مجتہد ہونا اور متبع سنت ہونا اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے
اُن کے فضائل میں۔[1]

اب آپ ہی سوچیں جب شیخ الکل نے آپ کو مجتہد مان لیا اور مجتہد وہ ہوتا ہے جس کی کم از کم تین لاکھ حدیث پر نظر ہو تو کیا اب بھی آپ کے علم حدیث میں کسی کو کوئی شک ہو سکتا ہے آپ کا مجتہد ہونا پوری امت میں مجمع علیہ ہے۔ سو اس میں کسی صاحب علم کو کسی تردد کا حق نہیں۔

میاں صاحب خود بھی ان مسائل میں جن میں انہیں کھلے طور پر حدیث نہ ملے فقہ حنفی پر فتویٰ دیتے تھے اور انہیں حضرت امام سے ہرگز کوئی بغض نہ تھا آجکل کے اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات میں اور ان کے دور اوّل کے اکابر میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے پیر بھائی حضرت مولانا کرامت اللہ جونپوری (۱۲۶۹ھ) کی ایک اور شہادت پیش کر دیں کہ غیر مقلدین کا فرقہ ایک نوزائیدہ فرقہ ہے جو پہلے سے نہ تھا۔

یہ لوگ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب پر نہیں ہوتے اس لیے انہیں لامذہب کہا جاتا ہے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ یہ تقلید اور بیعت کرنا دونوں کو ناجائز کہتے ہیں مولانا کرامت اللہ صاحب حضرت مولانا احمد اللہ الصدیقی کے واسطہ سے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے اور مجدد مائۃ سیزدہم حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ ـــــ آپ اپنی کتاب مکاشفات رحمت میں اس نوزائیدہ فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> لامذہبوں میں سے ایک گروہ سید صاحب کو بد کہتے ہیں اور تقلید کرنے اور مرید ہونے کو نادرست کہتے ہیں اور ایک گروہ فریب کی راہ سے لوگوں کو دھوکہ دینے کے واسطے اپنے تئیں سید صاحب کے گروہ میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ سید صاحب نے ایسے لوگوں کو اپنے قافلے سے نکلوا دیا اور

[1] معیار الحق ص۵

سید صاحب کے گروہ کی کتاب تقویۃ الایمان اور نظام الاسلام اور
ماتہ مسائل وغیرہ میں ان لا مذہبوں کا رد بخوبی موجود ہے۔ سو یہ (غیر مقلدین
کے) دونوں قسم کے مفسد لا مذہب لوگ باوجود یکہ اتباع سنت کا دعوے
کرتے ہیں مگر جب بسبب جہالت کے بہت سی سنتوں کو بلکہ واجبوں کو بدعت
کہنے لگے، تب حضرت مجدد کے گروہ والوں نے ان کو اپنے گروہ سے
صاف نکال دیا۔[1]

غیر مقلدین چونکہ ایک نیا نیا فرقہ تھا اس لیے ابھی یہ ایک نام پہ جمے نہ تھے یہ محمدی بھی کہلاتے
تھے وہابی بھی اور غیر مقلدین بھی اور اہلحدیث بھی —— لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک نوزائیدہ
فرقہ ہے جو انگریزی عملداری میں وجود میں آیا مولانا کرامت اللہ جونپوری پہلے لکھ آئے ہیں:-

حق یہ ہے کہ وہابی لوگوں کا مذہب قدیم میں نہ تھا اور نہ ان کی کوئی کتاب نظر
پڑی جو اُن کے مذہب کا حال معلوم ہوتا۔ مگر افواہاً لوگوں کی زبانی جو اُن کا
حال سُنا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ شرک سے خوب پاک ہیں مگر اس قدر ضدی
ہیں کہ اپنے سوا دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہی نہیں سب کو مشرک کہتے ہیں۔[2]

اہلحدیث حضرات کا یہ کہنا کہ ہمارا فرقہ مولانا اسماعیل شہیدؒ سے چلا ہے صحیح نہیں ہے
غیر مقلدین کا یہ استدلال کہ مولانا شہیدؒ نے مسئلہ رفع الیدین پہ کتاب تنویر العینین لکھی تھی بھی صحیح
نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم میاں نذیر حسین محدث دہلوی تو شروع سے رفع یدین عند الرکوع
کرتے ہوتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا سرسید احمد خاں کے
کہنے پر شروع کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان میں ایک شخص بھی رکوع
کے وقت رفع یدین کرنے والا نہ تھا۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے تنویر العینین اس لیے لکھی تھی کہ لوگ رفع یدین کو بُرا نہ

---

[1] مکاشفات رحمت صفحہ ۱۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۷

سمجھیں۔ یہ بھی ایک سنت ہے۔ اس لیے نہیں کہ مولانا شہیدؒ رفع یدین نہ کرنے کو سنت نہیں سمجھتے تھے۔ نہ یہ کہ وہ رفع الیدین عند الرکوع کو سنت دائمہ سمجھتے تھے۔ پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ مولانا شہیدؒ نے اس کتاب سے رجوع کر لیا تھا اور اب یہ کتاب بھی اپنی پہلی صورت میں نہیں رہی۔ بہت سے اس میں اضافے ہو چکے ہیں جن کی کوئی ذمہ داری مولانا شہیدؒ پر نہیں آتی مولانا شہیدؒ کے ساتھی اور پیر بھائی مولانا کرامت اللہ جونپوری لکھتے ہیں:-

> تنویر العینین جو کتاب ہے سو اس میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے لکھے ہوئے چند ورق رفع یدین کی ترجیح میں ہیں اور بعد اس کے مولانا مرحوم نے اپنے مرشد حضرت سید احمد قدس سرہٗ کے سمجھانے سے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا یعنی رفع یدین کو چھوڑ دیا اور لا مذہب لوگوں نے تنویر العینین میں اپنی طرف سے بہت سی باتیں زیادہ کر کے لکھیں۔[۱]

سوہم پروفیسر غلام احمد حریری کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ یہ نیا فرقہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے شروع ہوا ہے۔ ایسا نہیں۔ اس فرقہ جدیدہ کے شیخ الکل جناب میاں نذیر حسین دہلوی ہوئے ہیں اور انہوں نے ہی انگریزی عملداری میں اس فرقے کا آغاز کیا۔ ہندوستان میں تاریخ ترک تقلید

البتہ غزنی سے جو حضرات ہندوستان آئے وہ باوجود ترکِ تقلید کے تقلید کو گناہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کے اختلاط سے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی میں بھی کچھ اعتدال آ گیا تھا۔ ہاں مولوی غلام علی قصوری جیسے حضرات ہری چند ولد دیوان چند کے طریق پر ہی رہے۔ مولوی غلام علی قصوری نے اپنے معتقدات پر ۱۲۹۸ھ میں ایک رسالہ لکھا۔ مولوی عبد الجبار غزنوی نے اثبات البیعہ والالہام کے نام سے اس کا جواب دیا۔ یہ رسالہ افغانی فارسی میں تھا۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی محمد حسن مرحوم رئیس لدھیانہ نے کیا۔ مولانا غزنوی مولوی غلام علی کی بات کو مغالطہ قصوری کے

---

[۱] مقامع المبتدعین صفحہ ۲۲۴

عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور اپنا جواب ہدایت کے نام سے دیتے ہیں۔ ایک مغالطہ اور ہدایت ذیل میں ملاحظہ کیجئے:-

مغالطہ قصوری

یہ چار مذہب حنفی شافعی مالکی حنبلی کیسے ہیں اور کب سے بنے ہیں؟

ہدایت

مذاہبِ اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرامؓ میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض وعداوت نہیں رکھتے اور باہم سب وشتم نہیں کرتے مثل خوارج و روافض کے۔ صلحاء اور ائمہ دین کی محبت جزو ایمان ہے۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ سب اہلحدیث ایک نہج پہ نہیں جو مذاہبِ اربعہ کو حق سمجھتے ہیں۔ بے شک وہ بدعتی نہیں۔ بایں ہمہ یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ یہ فرقہ غیر مقلدین ایک فرقہ نواحداث ہے جو پہلے دور میں نہ تھا۔ ان ادوار کے لوگ یا مجتہد تھے یا مقلد۔ تیسری جنس ان دنوں کہیں نہ پائی جاتی تھی۔ یہ آجکل کی پیداوار ہے باصطلاح جدید انہیں اہلحدیث کہتے ہیں۔

صورتِ حال جو بھی ہو یہ قدرِ مشترک ہے کہ یہ فرقہ اہلحدیث انگریزوں کے دور میں بنا اور اسی وقت اس کی داغ بیل پڑی۔ اس وقت سے لے کر اب تک یہ فرقہ اپنے فرقہ وارانہ مسائل میں برابر کوشاں ہے۔ ہر شہر میں ان کی اپنی مسجدیں ہیں اور ان شہروں اور قصبوں میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جہاں ان کی مسجدیں ہیں وہ ان علاقوں کی قدیم مساجد سے زماناً متاخر ہیں اور جس طرح یہ نیا فرقہ تیرہویں صدی کا ایک نوزائیدہ فرقہ ہے۔ ان کی مسجدیں اور درسگاہیں بھی دوسرے مسلمانوں سے عملاً علیحدہ ہیں اور وہ آٹھ رکعت تراویح اور تین طلاق کو ایک قرار دینے سے پہچانی جاتی ہیں۔ اب ہم تاریخ ترکِ تقلید کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

---

[1] اشاعت الالہام والبیعہ طبع دوم صـ۶

مسئلہ تلفیق

تقلید کے بعد تلفیق

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :۔

تقلید وہ نقطہ اعتدال ہے جو عامی کو علماء کے اعتماد میں رکھتا ہے اور اسے دینی آوارگی سے بچاتا ہے. طلبہ کو جس طرح تمام فضائل اخلاق میں ان کے افراط وتفریط کا علم ہوتا ہے انہیں تقلید کے افراط وتفریط سے بھی آگاہ ہونا چاہیئے. جو لوگ تقلید کا مطلقاً انکار کرتے ہیں وہ تفریط کا شکار ہیں اور جو نفس کی سہولت کے لیے تقلید سے بے جا فائدہ اٹھائیں کہ کبھی کسی امام کی پیروی کر لی اور کبھی کسی کی وہ اس کے پہلوئے افراط میں گھرے ہیں.

تقلید

پہلوئے تفریط — پہلوئے افراط

غیر مقلدیت — وسط — تلفیق
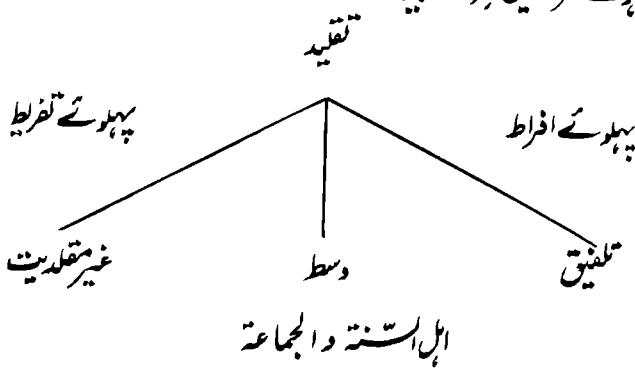
اہل السنۃ والجماعۃ

جس طرح اس امت میں روافض و خوارج میں مقام وسط اہل السنۃ والجماعۃ کو حاصل ہے ملفقین اور غیر مقلدین میں مقام وسط مقلدین کو حاصل ہے. انسان تلفیق کا شکار تقلید کے بعد ہوتا ہے پہلے ایک امام کی تقلید پر تھا اب حسبِ ضرورت، وہ مختلف ائمہ سے سہولتیں لینے لگا. فقہاء جو دین کے امین ہوتے ہیں اس صورتِ عمل پر چونکے اور انہوں نے تلفیق کو غلط قرار دیا جب ایک امام پر اعتماد اسی پہلو سے تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مرادات کو بیان کر رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولِ برحق کی مرادات میں تعدد کا قائل ہو جائے. مصیب اللہ کے ہاں ایک ہی مجتہد ہے دوسرے صرف اس لیے برحق جانے گئے ہیں کہ وہ اپنی خطا پر بھی ماجور ہیں تلفیق میں جانے والا اس عقیدے سے ائمہ مجتہدین کی پیروی نہیں کرتا وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہے اپنی

سہولت کے لیے جو راہ بھی میں اختیار کروں وہی مرادِ الٰہی ہے۔ (استغفر اللہ العظیم)

تقلید کا موضوع مسائل غیر منصوصہ ہیں یا وہ مسائل منصوصہ جنہیں روایات متعارض ملتی ہیں اور ان میں تقدیم وتاخیر واضح طور پر معلوم نہیں ہوتی۔ ان میں یہ گمان کہ فلاں مجتہد اللہ اور اس کے رسول کی بات کو صحیح طور پر پاگیا ہے۔ کسی ایک امام کے بارے میں ہی دل میں جمے گی۔ ہر ایک کے بارے میں یہ گمان دل میں آئے یہ عادۃً نہیں ہو سکتا۔

جب آپ مسائل غیر منصوصہ متعارضہ میں کسی ایک امام کی تقلید پر جمع ہو گئے تو اب کسی نفسانی خواہش اور حصولِ سہولت کے لیے اس امام کی بات کو چھوڑنا اور کسی کسی دوسرے امام کی بات پر آجانا یہ کوئی مزید تحقیق نہیں، دین سے کھیلنے کی ایک نازیبا حرکت ہے اسے تلفیق کہتے ہیں ــــ ہمارا مذاہب اربعہ کے پیروؤں کو تلفیق سے روکنا دوسرے ائمہ پر اعتماد نہ کرنے کی دعوت نہیں دین کو تمسخر بنانے کی ایک بے جا راہ سے روکنا ہے۔

تقلید تو ایک مجبوری تھی جو لوگ ان مسائل سے دوچار ہوں جن میں انہیں کتاب وسنت میں کوئی واضح راہنمائی نہ ملے اور وہ مجتہد بھی نہ ہوں ان کے لیے تقلید ہی ایک راہِ عمل ہے اس میں اگر وہ اپنی سہولت تلاش کریں کہ حسب پسند کبھی کسی امام کی اور کبھی امام کی تقلید کرلیں تو یہ اتباع شریعت نہ ہوگی اپنی خواہشات کی اتباع ہوگی۔ پہلے انہوں نے تقلید اتباعِ شریعت کے ایک تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کی تھی جس میں صرف رضائے مولا درکار تھی۔ جس طرح مقلدین منصوص مسائل کو دین سمجھ کر قبول کرتے ہیں وہ غیر منصوص مسائل میں اپنے مجتہد کے فیصلوں کو بھی دین سمجھ کر ہی قبول کرتے ہیں جب وہاں انہیں کسی اور طرف دیکھنے کی اجازت نہیں تو یہاں بھی انہیں ایک امام پر ہی اکتفا کرنی چاہیئے۔

ائمہ میں کوئی امام مامور من اللہ نہیں کہ کسی مسئلہ غیر منصوصہ میں اس کی ہی اتباع ضروری ہو لیکن اگر کسی نے اپنے حسنِ ظن سے اسے راجح اور افضل مان لیا اور اس کی تقلید شروع کر دی تو اب اسے جائز نہیں کہ رضائے مولیٰ کے سوا کسی اور وجہ سے کسی دوسرے امام کی طرف دیکھے۔ اپنے امام سے

روگردانی کو تلفیق کہتے ہیں تقلید کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ تلفیق کو سمجھنا اور اس کے خطرناک نتائج کو جاننا طلبہ کے لیے ضروری ہے۔

تلفیق کے لفظی معنی

تلفیق کا لفظ لفق سے نکلا ہے لفق کا معنی ایک کنارہ سے دوسرے کنارے سے ملانا ہے۔ اصطلاحًا یہ ایک امام کی پیروی کو دوسرے امام سے جوڑنا ہے۔ ایک عمل میں مختلف مذاہب کو جمع کر دیا جائے اور وہ مجموعی عمل کسی امام کے نزدیک بھی درست نہ رہے تو یہ تلفیق ہے جو جائز نہ ہوگی۔

تلفیق کی ایک مثال

ایک شخص نے وضو کیا اس کے بعد اسے کانٹا چبھا اور خون بہہ نکلا اس نے پھر سے وضو نہ کیا پھر کسی عورت سے اس کا ہاتھ چھو گیا۔ اب اس نے اسی وضو سے نماز پڑھی تو یہ نماز کسی امام کے نزدیک بھی درست نہ ہوئی حنفیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ خون بہنے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا اور شافعیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ عورت کو چھونے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا اور اب اس کے لیے اس وضو سے نماز پڑھنا درست نہ تھا یہاں مسئلے کا حکم ایک ہے لیکن اس مسئلے کی جہات دونوں مذاہب کی اپنی اپنی ہیں۔

جب اس کا خون بہہ نکلا تھا اسے اسی وقت نماز توڑ دینی چاہیئے تھی اور نیا وضو کرنا چاہیئے تھا یہاں وہ اندر ہی اندر شافعی ہو گا اور پھر جب یہاں عورت کو چھونے سے اس کا وضو گیا تو وہ جھٹ حنفی ہو گیا کہ حنفیوں کے ہاں اس صورت عمل سے وضو نہیں جاتا۔ اب اس کا ایک عمل میں مختلف اماموں کے مذہب پر آنا جانا یہ عمل تلفیق ہے جو ایک نہایت نازیبا عمل ہے۔ ائمہ اربعہ کے حق پر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں ہر ایک ایک ایک مسئلے میں راہِ صواب پائے ہوئے ہے۔

تلفیق خواہشاتِ نفسانی کی اتباع میں رخصتوں کو تلاش کرنے کا نام ہے اور اس میں ہر مذہب

کی آسان باتوں کو لینا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کی صورت مراد یہی تھی بلکہ اس لیے کہ اس صورتِ عمل میں ہمیں اپنی سہولت مل رہی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :۔

ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً۔[1]

ترجمہ: بیشک اس طرح کا ملا عمل بالاتفاق ناجائز ہے ایک مذہب کو تقلیداً اختیار کرکے اس سے نکلنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

ہاں کسی مذہب سے تحقیقاً نکلنا یہ کوئی امر ناجائز نہیں۔ امام طحاوی (۳۲۱ھ) امام شافعی کے مقلد تھے۔ لیکن جب تحقیق مزید پائی تو شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب کو اختیار فرمایا یہ تلفیق نہیں تحقیق ہے اور اہل علم اسے منع نہیں کرتے۔

تلفیق کی ایک دوسری مثال

ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں ریلوے سٹیشن پر نماز نہ پڑھے گا اگر پڑھے تو اس کی فلاں بیوی کو طلاق ہو گی اس نے وہاں نماز پڑھی اور پھر پچھتانے لگا کہ ہائے طلاق تو واقع ہو گئی۔

ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے کہا کہ تو گھبرا کیوں رہا ہے تُو نے وضو میں مسح کتنے سر کا کیا تھا؟ اس نے کہا۔ ربع رأس (سر کے چوتھے حصے کا) مولوی صاحب نے کہا مالکی مذہب میں پورے سر کا مسح ضروری ہے۔ اس مذہب کی رو سے تمہارا وضو ہی درست نہ تھا۔ سو جو نماز تُو نے اس ریلوے سٹیشن پر پڑھی وہ نماز ہی نہ تھی تم مالکی مذہب کی پیروی کی نیت کر لو اور اس نماز کو نماز نہ جانو تو اس صورت میں تمہاری اس بیوی پر طلاق واقع نہ ہوئی۔ اس طلاق سے نہ گھبراؤ۔ اسلام میں بہت وسعت ہے۔ اس سے تلفیق کا پورا مضمون کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص۷۵

ھو تتبع الرخص عن ھوی[1]

ترجمہ: یہ نفسانی تقاضوں سے شریعت کی رخصتوں کو تلاش کرتا ہے۔

تحری میں کسی سمت کا انتخاب ایک اجتہاد ہے

ایک مسافر کو جانب قبلہ معلوم نہ تھی۔ اس نے تحری سے ایک سمت کا انتخاب کیا۔ اور اُدھر رُخ کیے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پھر اس کو خیال آیا کہ جدھر اس نے جوتے رکھے تھے وہ سمت تو اب سامنے نہیں کوئی چور انہیں اٹھا نہ لے جائے۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اُدھر بھی تو سمت قبلہ ہو سکتی ہے۔ میں نے ادھر رخ اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اب کیا ضروری ہے کہ یہی تحری صحیح ہو۔ اس طرف بھی تو جانب قبلہ ہو سکتی ہے —— چلو ادھر منہ کر لو۔ اس طرح اپنے جوتوں کی حفاظت بھی ہو سکے گی۔ یہ خیال کرتے ہی وہ پلٹا اور اب اس دوسری طرف منہ کیے وہ نماز پڑھنے لگا

ظاہر ہے کہ اب اس کا اس دوسری سمت پر آنا رضائے الٰہی کے لیے ہرگز نہ تھا صرف اپنے جوتوں کی حفاظت کے لیے تھا۔ یہ تلفیق ہے اور یہ بالاتفاق جائز نہیں۔

جب اس نے تحری سے ایک سمت کا انتخاب کیا تو اب اس کے ضروری ہو گیا کہ اب وہ اپنی پوری نماز میں صرف اسی سمت رُخ کرے۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی ابتداءً اس پر واجب نہ تھی لیکن اب جب اس نے کسی امام کی تقلید اختیار کر لی تو اب اس پر واجب ہو گیا کہ کسی سہولت نفس کے لیے وہ اس تقلید سے نہ نکلے —— یہ کیا دین ہوا کہ کسی طرف ذرا نرمی دیکھی اور اُدھر لپک پڑا۔ یہ شریعت کی پیروی نہیں اپنے نفس کی پیروی ہے۔

بنگال کے ایک جلیل القدر عالم مولانا کرامت علی جونپوری حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کے پاس ایک اسی قسم کا سوال آیا اور آپ نے اس کا جواب لکھا۔ اسے ہم یہاں مختصراً نقل کرتے ہیں:۔

---

[1] قواعد الفقہ صفحہ ۲۳۶

ایک ہی مذہب کے موافق عمل کرنا بڑی مشکل ہے. آسانی اس میں ہے کہ کبھی امام ابوحنیفہ کبھی امام مالک کبھی امام شافعی کبھی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق عمل کریں سواس وسواس کا رد مختصر یہ ہے کہ جب چاروں امام کے مذہب کے موافق عمل کرے گا اور چاروں کے حکم کو برابر جانے گا تو ضرور ہوگا کہ ایک ہی وقت میں ضب کو جس کو فارسی میں سوسمار کہتے ہیں، امام شافعی کے مذہب بموجب حلال اور امام ابوحنیفہ کے مذہب بموجب حرام جانے گا تو یہ ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز میں اجتماع ضدین لازم آئے گا اور شرح عقائد میں نسفی میں اس بات کو معتزلہ کا مذہب لکھا ہے اور اس کا رد کیا ہے اور ایسا کرتے میں مکلف یعنی عاقل بالغ خود مختار بن جائے گا اور شریعت کا مقرر کرنا بے فائدہ ٹھہرے گا اور جو شخص جس مذہب کی تقلید چاہے تب اس مذہب کی تقلید کرے. اس بات کو جامع الرموز میں معتزلہ کا مذہب لکھا ہے اور ایک ہی امام کو مقرر کر کے اس کی تقلید کو اہل السنۃ والجماعت کے مذہب کے بموجب واجب لکھا ہے. اور فی الحقیقت یہ مسئلہ تحری کے مسئلہ کے طور پر ہے. جیسا کہ تحری کے خلاف عمل کرنا درست نہیں اور تحری کے خلاف کرنے میں نجات نہیں ہے ویسا ہے جیسے اپنے باپ یا اُستاد مرشد قاضی مفتی بادشاہ اور کسی ایک ملک کے سارے خواص وعوام کو کسی ایک مذہب پر دیکھا تب ان کے مذہب کے راجح اور افضل ہونے کی تحری دل میں جم گئی تو اب اس کے خلاف کرنا درست نہیں اور اس تحری کے خلاف میں نجات نہیں ہے۔

عوام کو اس بات کی خبر کہاں کہ اللہ اور رسول کے کلام کے معنی کا نام فقہ ہے اور اللہ اور رسول نے عامی کو یعنی سوائے مجتہد کے سب کو حدیث اور قرآن سے مسئلہ نکالنے سے منع کیا ہے اور اس بات کا حکم صرف مجتہد کو دیا ہے اور مجتہد کے سوا

حدیث اور قرآن سے دلیل لانے اور اس سے مسئلہ نکالنے کو حرام کیا ہے اور
مجتہد کے سوا جو عالم لوگ ہیں ان کو بھی یہی حکم ہے کہ جو شخص جو مسئلہ بیان کرے
اور جو دعوٰے کرے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کی معتبر کتابوں سے اپنے
اس دعوٰے کی دلیل لائے۔[1]

علماء متداول کتابوں سے دین پیش کریں

متداول کتابیں علماء کی نظر سے بار بار گزری ہوتی ہیں اور ان پر شروح اور حاشیے بھی ملتے ہیں جو عالم
ان کو دیکھ کر مسئلہ بتائے اور اسی امام کی فقہ پر چلے جس کی فقہ ان علاقوں میں متداول ہو تو یہاں غلطی کا
امکان بہت کم رہ جاتا ہے اور اگر وہ عالم اپنے اجتہادات اپنے ان جوابات میں داخل کرتا رہے
تو ظاہر ہے کہ ہر عالم تو اس درجے میں نہیں ہوتا کہ حضورؐ کی پوری امت کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے
تو جو علماء مقلد ہیں اور علم میں وہ مقلد کے درجے میں پہنچے ہوئے نہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ
متداول کتابوں میں مسئلہ کو دیکھیں اور عوام کو ان کے امام کے فیصلے کی روشنی میں مسئلہ بتائیں ان میں
اگر مقلدین تلفیق کی راہ اختیار کریں تو یہ جائز نہ ہوگا۔

مقلد محض اور عالم مقلد میں فرق

وہ عالم جو مجتہد کے درجہ پر پہنچے ہوئے نہیں مگر اتنی علمی استعداد ہے کہ وہ اپنے امام کے
اصولوں کی روشنی میں کتاب و سنت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں وہ مجتہد فی المذہب ہوں یا مجتہد فی المسائل
میں سے ہوں اگر وہ کسی ایک مسئلے میں یا چند مسائل میں اصل دلائل سے متاثر ہو کر اپنے امام کے فیصلے
کو چھوڑ دیں تو اس کام میں تفرد ہوگا تلفیق نہ ہوگا اور یہ جائز ہے
امام طحاوی بے شک حنفی تھے مگر وہ ایک بلند پایہ محقق بھی تھے۔ سو انہوں نے جہاں جہاں

---

[1] القول الامین از ذخیرہ کرامات جلد ۲ صد ۲۸۳ طبع مطبع قیومی کانپور صد ۲۸۵ ۱۳۴۴ھ

اپنے امام سے یا حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کسی ذاتی ضرورت یا سہولت کے لیے نہیں کیا۔ آپ نے عوام کے مسائل میں صرف شرعی دلائل پر نظر کی اور اپنے امام کے اصولوں کی روشنی میں خود اپنے امام کی جزئیات میں ان سے اختلاف کیا۔۔۔ ظاہر ہے کہ اس میں ہوائے نفس کا کوئی دخل نہیں محض صحیح بات کو پالینے کی ایک مؤثر کوشش ہے۔ فقہاء حنفیہ اور ائمہ اصول نے کبھی اپنے پیروؤں پر مزید تحقیق کے دروازے بند نہیں کیے۔

علامہ شامی کا فتویٰ کہ مفقود الخبر کے بارے میں ہم امام مالک کا قول اختیار کرتے ہیں اپنی ذاتی سہولت اور آرام کے لیے نہیں مصلحت امت کے لیے ایک علمی اور فکری کوشش ہے اور یہ کوشش بھی ان کا کوئی انفرادی فیصلہ نہیں دیگر اس اونچے درجے کے علماء بھی ان کے ساتھ ہیں۔

(نوٹ) فقہائے احناف ایسے اہم اقدامات اپنی انفرادی رائے سے نہیں کرتے وہ ایسے مسائل کا فیصلہ امت کے دوسرے علماء اعلام کے ساتھ مل کر کرتے ہیں۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی اپریل اور مئی ۱۹۹۵ء کی اشاعتوں میں محقق اور مفتی مجتہد کے عنوان سے ایک جامع مضمون شائع ہوا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ایک اقتباس بھی نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ احناف نے اپنے علمی حلقوں میں کسی پر تحقیق مزید کا دروازہ بند نہیں کیا یہ اقتباس ان عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔

"مقلد محقق کا تفرد"

کسی مسئلہ میں اپنے امام کا کوئی قول صراحت کے ساتھ موجود ہو مگر عالم محقق کو اپنے امام کے مخالف کوئی حدیث نظر آجائے یا اپنے امام کے مختلف اقوال میں سے کسی قول مرجوح کی دلیل مضبوط نظر آئے یا دوسرے امام کے قول کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہو اور وہ اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرے یا قول مرجوح پر عمل کرے یا دوسرے امام کے قول کو چھوڑ کر جانب مخالف کو اختیار کر لیتا ہے

تو اس کو اصطلاح میں مقلد محقق کا تفرد کہا جاتا ہے اور عالم محقق کو اس طرح کا تفرد اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے. مگر یہ حق محقق کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں اور اس طرح تفرد اختیار کر لینے کی وجہ سے اس کو امام کے مذہب سے خارج بھی نہیں سمجھا جائے گا.

ولا یخفی ان ذالک لمن کان اھلاً للنظر فی النصوص ومعرفة محکمھا من منسوخھا.[1]

ترجمہ. اور یہ بات کوئی چھپی نہیں کہ یہ اجازت صرف اسی کو ہے جو اس درجے کا عالم ہو کہ نصوص پر غور کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور ان کے محکم اور منسوخ کو پہچانتا ہو.

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ تمام علماء اعلام اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اجتہادی امور میں مجتہد مصیب ایک ہی ہے سب نہیں. ورنہ کسی محقق کو بھی اپنے امام کے قول سے نکلنا جائز نہ ہوتا.

اب آگے ہم اس مسئلے پر ذرا تفصیل سے بات کریں گے.

ایک ہی مجتہد مصیب ہے

حق عنداللہ کے اعتبار سے ایک ہی مجتہد مُصیب ہے

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد :

یہ واقعی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں فروعِ اعمال میں مختلف طریقوں کی وسعت بخشی۔ لیکن یہ سب باعتبارِ عمل ہے کہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مجاز ہے مگر اس پر اسے اجر ملے گا (ایک یا دو) سو عملاً سب حق پر ہیں اور اجر میں ان کا حق بنتا ہے گو ان کا اجتہاد اپنی پوری کوشش کے باوجود ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا ہو۔

حق عنداللہ کے اعتبار سے ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے اسے دو اجر ملتے ہیں اور وہی اصل میں شریعت کی آواز ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ۱۳۴۲ھ میں اس عنوان پر کہ حق عنداللہ کے اعتبار سے ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے ایک نہایت بلند پایہ مضمون لکھا تھا ہم افادۂ عام کے لیے اس کے چند مضامین یہاں ہدیۂ قارئین کیے دیتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :-

خوب محفوظ رکھنا چاہیے کہ باوجودیکہ حق عنداللہ کے اعتبار سے ہر ایک مسئلہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے لیکن عملاً سب حق پر ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وسعت دی ہے کہ یہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اُوپر عمل کرے اگرچہ اس کا اجتہاد باوجود پوری کوشش کے ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا۔

تمثیلاً یوں سمجھو کہ کعبہ نفس الامر میں ایک معین مکان کا نام ہے اور اس کا استقبال شریعت نے نماز میں ضروری قرار دیا ہے۔ فولّ وجھک شطر المسجد الحرام لیکن جس وقت سمتِ کعبہ ٹھیک معلوم نہ ہو تو بعد تحری کے جو سمت معین ہو اس کا استقبال قبول صلوٰۃ کے لیے کافی سمجھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہماری تحری

جس طرف ہو ضروری نہیں کہ نفس الامر میں خانہ کعبہ بھی اسی طرف منتقل ہو جائے پس یہ خدا کی رحمت اور انعام ہے کہ اگرچہ واقع میں مستقبل قبلہ وہی شخص ہے جس کا رُخ ٹھیک کعبہ کی طرف ہو. مگر تاہم دوسری طرف منہ کرنے والوں کو بھی توسعاً اور حکماً مستقبل کعبہ تسلیم کیا گیا ہے تو باعتبار کعبہ نفس الامری اور حکم اولیٰ کے تو فقط ایک ہی شخص مصیب ہے. اور سب مخطی لیکن باعتبار قبول صلوٰۃ اور امتثال امر ثانی کے سب مصیب ہیں. یہی مطلب ہے حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کا اگر وہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے اور نیز حضرت الشیخ الاجل محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عبارت کا جو سبیل الرشاد صـ۳۲ میں ہے.

"پس ہر چند کہ عند اللہ محل اختلاف میں حق واحد ہوتا ہے مگر عمل میں سب حق ہوتے ہیں،، اور یہی محمل ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس اشارہ کل مجتہد مصیب والحق عند اللہ واحد. اور امام ابو یوسفؒ کے اس کلام کا کل مجتہد مصیب وان کا الحق فی واحد فمن اصابه فقد اصاب الحق ومن اخطأه فقد اخطأه[1]

حضرت امام صاحبؒ و امام ابو یوسفؒ کی ان نصوص کو ہمیشہ یاد رکھیئے جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب اور دیگر ائمہ اہل سنت سے جو بعض شاذ اقوال ہر مجتہد کے تصویب کی نسبت ان کے مشہور و معروف مذہب المجتہد یخطی ویصیب کے خلاف منقول ہیں. وہ فی الحقیقت ان کے اصل مذہب کے خلاف نہیں ہیں. تعجب ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی میزان کبریٰ میں بیشتر اس قسم کے اقوال کی سطح سے مدد لی ہے. اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند نقول مستند کتابوں کی آپ کے سامنے پیش کر دوں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اصل مذہب جمہور اہلسنت والجماعۃ اور ائمہ اربعہ کا یہی ہے کہ اجتہادیات میں حق عند اللہ واحد ہے اور اسی بنا پر یہ ہر مجتہد مصیب بھی ہو

---

[1] التقریر والتحبیر جلد ۳ صـ۳۰۸ مصری

سکتا ہے اور مخطی بھی. چنانچہ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

والمختار ان حکم الواقعة المجتهد فیها حکم معین اوجب طلبه فمن اصابه فهو المصیب ومن لا یصیبه فهو المخطئ ونقل هذا عن الائمة الاربعة ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد وذکر السبکی ان هذا هو الصحیح عندهم بل نقل الکرخی عن اصحابنا جمیعا ولم یذکر القرافی عن مالك غیره وذکر السبکی انه الذی حرره اصحاب الشافعی عنه وقال ابن السمعانی ومن قال عنه غیره فقد اخطأ [1]

ترجمہ. مذہب مختار یہ ہے کہ ہر واقعہ مجتہد فیہا میں ایک حکم معین ہوتا ہے جس کی تلاش خدا کی طرف سے لازم کی گئی ہے. بس جس مجتہد نے اس حکم کو پا لیا وہ مصیب ہے اور جو نہ پا سکا وہ مخطی ہے. چنانچہ یہی خیال چاروں اماموں (ابوحنیفہ، مالک شافعی، احمد رضی اللہ عنہم) کا ہے اور سبکی نے لکھا ہے کہ یہی رائے ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے. بلکہ کرخی نے تو ہمارے تمام اصحاب (حنفیہ) سے یہی خیال نقل کیا ہے اور قرافی نے اس کے سوا امام مالک سے کوئی قول نقل نہیں کیا اور سبکی نے ذکر کیا ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کو امام شافعی کے اصحاب نے امام شافعی سے منقح کر کے لکھا ہے اور ابن السمعانی نے فرمایا کہ جس کسی نے امام شافعی سے اس کے سوا دوسرا قول نقل کیا اُس نے خطا کی.

شیخ شمس الدین ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں :

وقد صرح الائمة الاربعة بان الحق فی واحد من الاقوال المختلفة ولیست کلها صوابا . [2]

ترجمہ اور ائمہ نے تصریح کی ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک ہی قول حق ہوتا ہے

---

[1] شرح تحریر الاصول جلد ۳ صد ۳۰۶ [2] اعلام الموقعین جلد ۳ صد ۳۱۱

یہ نہیں کہ سب کے سب قول درست ہوں۔

حافظ ابن تیمیہؒ فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔

(المقام الاول) هل لله فی کل حادثة تنزل حکم فی نفس الامر بمنزلة ما لله قبلة معینة هی الکعبة وهی مطلوب المجتهدین عند الاشتباه فالذی علیه السلف وجمهور الفقهاء واکثر المتکلمین او کثیر منهم ان لله فی کل حادثة حکما معینا قد سمیناه عفوا. لکن اکثر اصحاب ابی حنیفة وبعض المعتزلة یسمون هذا الاشبه ولا یسمونه حکما وهم یقولون ما حکم الله به لکن لو حکم لما حکم الا به فهو عندهم فی نفس الامر حکم بالقوة وحدث بعد المائة الثالثة فرقة من اهل الکلام زعموا ان لیس عند الله حق معین هو مطلوب المستدلین الا فیما فیه دلیل قطعی یتمکن المجتهد فی معرفته فاما ما فیه دلیل قطعی لا یتمکن من معرفته اولیس فیه الا ادلة ظنیة فحکم الله علی کل مجتهد ما ظنه وترتیب الحکم علی الظن لترتب اللذة علی الشهوة فکما ان کل عبد یلتذ بدرك ما یشتهیه وتختلف اللذات باختلاف الشهوات کذلك کل مجتهد حکمه ما ظنه وتختلف الاحکام ظاهراً او باطناً باختلاف الظنون وزعموا ان لیس علی الظنون ادلة کادلة العلوم وانما تختلف باختلاف احوال الناس وعاداتهم وطباعهم وهذا قول خبیث یکاد فساده یعلم بالاضطرار عقلا وشرعا وقوله صلی الله علیه وسلم فلا تنزلهم علی حکم الله فانك لا تدری ما حکم الله فیهم وقوله لسعد لقد حکمت فیهم بحکم الله من فوق سبعة ارقعة وقول سلیمان اللهم انی اسئلك حکما یوافق حکمك کله

یدل علی فساد ھٰذا القول مع کثرۃ الادلۃ السمعیۃ والعقلیہ علی فسادہ[1]

ترجمہ: پہلی بحث یہ ہے کہ ہر ایک حادثہ جو پیش آتے خدا کی طرف سے کوئی ایک حکم معین ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو ایک معین قبلہ بنا دیا ہے جس کو اشتباہ کے وقت مجتہدین معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تو سلف صالحین اور جمہور فقہاء اور اکثر متکلمین یا یُوں کہہ لو کہ بہت سے متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ حادثہ میں خدا کا حکم معین ہے جس کا نام ہم نے عندر کھا ہے اور اکثر حنفیہ اور بعض معتزلہ اس کو اشبہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کو وہ حکم نہیں کہتے بلکہ یُوں کہتے ہیں کہ گو خداوند تعالیٰ نے اس حادثہ میں صاف حکم نہیں فرمایا لیکن اگر وہ حکم دیتے تھے تو اس کے سوا حکم نہ دیتے۔ تو ان لوگوں کے نزدیک نفس الامر میں حکم معین ہے۔ مگر بالقوۃ پھر تیسری صدی کے بعد ایک جماعت متکلمین کی ایسی پیدا ہوئی جس کا یہ خیال ہے کہ بجز ان مسائل کے جن کے واسطے کوئی ایسی دلیل قطعی پہلے سے موجود ہو جس کی معرفت پر مجتہد پُوری طرح قادر ہے۔ باقی تمام مسائل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم معین نہیں تو جن مسائل میں کوئی دلیل قطعی پہلے سے موجود تھی۔ مگر مجتہد اس کی معرفت پر قادر نہ تھا یا سرے سے بجز ادلہ ظنیہ کے کوئی دلیل قطعی موجود ہی نہ تھی تو ایسی صورت جس میں مجتہد نے جو رائے اپنے اجتہاد سے قائم کی بس خدا کے نزدیک بھی مسئلہ کا حکم وہی ہے اور اس تقدیر پر مجتہد کی رائے پر حکم کا ترتب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لذت کا ترتب شہوت پر ہوتا ہے تو جیسا کہ ہر آدمی کی جو خواہش ہو اُسی کے حاصل ہونے سے اس کو لذت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کی

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صـ۱۶۷

خواہشات کے اختلاف سے لذات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک کسی مجتہد نے جو خیال کسی مسئلہ میں کر لیا خدا کا حکم بھی اس کے لیے وہی ہے اور مجتہدین کے خیالات کے اختلاف سے احکامِ خداوندی بھی ظاہراً و باطناً مختلف ہوں گے اور اُن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مسائل ظنیہ میں دلائل کا حال وہ نہیں جو مسائل یقینیہ میں ہوتا ہے۔ اور ظنیات لوگوں کے حالات و عادات اور طبائع کے اختلاف سے مختلف رہتے ہیں (حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں) کہ اس جماعت کا خیال ایک گندہ خیال ہے جس کا فساد اور بطلان از روئے عقل بھی اور از رُوئے شریعت بھی بے ساختہ طور پر معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان کو اللہ کے حکم پر مت اُتارو کیونکہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اللہ کا حکم ان کے بارے میں کیا ہے اور نیز آپ کا وہ ارشاد جو حضرت سعدؓ کو فرمایا کہ بلاشبہ تُو نے اُن کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جو حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اُوپر سے کیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال کہ اے اللہ! میں تیرے سے ایسے حکم کا خواستگار ہوں جو تیرے حکم کے مطابق ہو۔ یہ سب باتیں بہت سی ادلۂ عقلیہ اور سمعیہ کی معیت میں اس خیال کے بطلان کی رہنمائی کرتی ہیں۔

شیخ محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں۔

وقد اختلف العلماء فی ان کل مجتہد مصیب ام المصیب واحد وھو من وافق الحکم الذی عند اللہ تعالیٰ والاٰخر مخطیٔ لا اثم علیہ لعذرہ والاصح عند الشافعی واصحابہ ان المصیب واحد[1]

ترجمہ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا (مسائل مختلف فیہا میں) ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا فقط وہی ایک اور وہ وہی جس کی رائے اس حکم کے موافق پڑ جائے جو اللہ

---

[1] نووی جلد ۲ ص ۱۲۹ شرح مسلم

کے نزدیک پہلے سے متعین ہے دوسرا مخطی ہوگا لیکن گناہگار نہ ہوگا کیونکہ وہ معذور تھا تو امام شافعی اور ان کے پیروؤں کا صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ مصیب کوئی ایک ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ انما انا بشر وانه یاتینی الخصم لعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض لحدیث کے تحت میں لکھتے ہیں:-

وفیه ان المجتهد قد یخطی ویرد به علی من زعم ان کل مجتهد مصیب وفیه ان المجتهد اذا اخطأ لا یلحقه اثم بل یوجر کما سیاتی۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجتہد سے کبھی کبھی خطا بھی ہوتی ہے تو یہ حدیث صحیح ان لوگوں کی رد میں پیش کی جائے گی جو کہتے ہیں کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد اگر خطا بھی کرتا رہے تب بھی گنہگار نہیں ہوتا بلکہ ماجور رہتا ہے جیسا کہ اس کا باب آگے آتا ہے۔

اور باب ما یذکر من ذم الرائے میں تحریر فرماتے ہیں:-

والی هذا یومی قول الشافعی فیما اخرجه البیهقی بسند صحیح الی احمد بن حنبل سمعت الشافعی یقول القیاس عند الضرورة ومع ذالک فلیس العامل برائه علی ثقة من الله وقع علی المراد من الحکم فی نفس الامر وانما علیه بذل الواسع فی الاجتهاد لیوجر ولو اخطأ وبالله التوفیق[2]

ترجمہ۔ اور اسی کی طرف اس قول میں اشارہ موجود ہے جو بیہقی نے بسند صحیح بحوالہ امام احمد بن حنبل نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ قیاس ضرورت کے وقت جائز ہے مگر ساتھ ہی قیاس اور رائے پر عمل کرنیوالے کو یہ وثوق نہیں ہو سکتا کہ اس کی رائے ٹھیک اس حکم پر جا پہنچی ہو جس کا فی الواقع

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۳۲ [2] ایضاً ص ۲۴۵

حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے بس اس کا کام تو اتنا ہی ہے کہ اجتہاد میں اپنی پوری طاقت صرف کر کے ثواب حاصل کرے خواہ وہ اس اجتہاد میں وہ کیوں مخطی نہ ہو۔

پھر باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ میں اذا حکم الحاکم فاجتہد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد ثم اخطأ فلہ اجر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ای ظن ان الحق فی جہۃ فصادف ان الذی فی نفس الامر بخلاف ذٰلک فالاول لہ اجران اجر الاجتہاد واجر الاصابۃ والآخر لہ اجر الاجتہاد فقط وقد تقدمت الاشارۃ الیٰ وقوع الخطأ فی الاجتہاد فی حدیث ام سلمۃ انکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض [1]

ترجمہ : یعنی مجتہد نے خیال کیا کہ حق اس طرف ہے اور اتفاق ایسا ہوا کہ نفس الامر میں حق اس کے جانب مخالف میں تھا تو پہلے مجتہد کو فقط اجتہاد کا ثواب ملے گا۔ باقی یہ کہ اجتہاد میں خطا بھی واقع ہوتی ہے اس کی طرف ام سلمہؓ کی حدیث انکم تختصمون الی الخ کے تحت میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

پھر ابوبکر ابن العربی کا یہ قول نقل فرمایا ہے :-

تعلق بہذا الحدیث من قال ان الحق فی جہۃ واحدۃ للتصریح بتخطئۃ واحد لا بعینہ [2]

ترجمہ : اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حق کسی ایک ہی طرف ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں لا علی التعین کسی ایک کے تخطیہ کی تصریح موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول علامہ مازری کا نقل کیا ہے۔ جس کو میں ذیل میں درج کروں گا۔

---

[1] فتح الباری جلد ۳ ص ۳۶۸ [2] ایضاً ص ۳۶۹

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ جو لوگ حق عند اللہ واحد مانتے ہیں اور المجتہد یخطی و یصیب کے قائل ہیں وہ جیسا کہ اس مسئلہ معینہ کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص مسئلہ میں حق عند اللہ ایک جانب ہے۔ اسی طرح مجموعہ مسائل اجتہادیہ کے لحاظ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق عند اللہ فریقین کے اندر منحصر ہے یعنی دونوں سے باہر نہیں۔ اگر بعض مسائل میں ایک مجتہد مصیب اور دوسرا مخطی ہے تو دوسرے بعض مسائل میں اس کا عکس ہوگا۔ اس اعتبار سے حق جانبین میں رہے گا۔ بلکہ خاص ایک معین مسئلہ کے اعتبار سے بھی اگر الحق فی الطرفین کا اطلاق کر دیں تو اس معنی سے صادق ہو سکتا ہے کہ حق ان دونوں سے خارج نہیں بلکہ انہیں دونوں میں منحصر اور دائر ہے۔ اگرچہ تعین مخطی اور مصیب کا بشخصہ نہ کیا جا سکے۔ پس علامہ مازری کے سیاق عبارات میں تامل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مذہب کی انہوں نے الحق فی الطرفین کے عنوان سے نقل کیا ہے وہ یہی مذہب ہے جو مجتہد کو مخطی اور مصیب دونوں تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے مقابل میں وہ دوسری جماعت قائم کر رہے ہیں جس کا مسلک کل مجتہد مصیب ہے اور اسی ترتیب سے پھر دلائل بیان کیے ہیں، چنانچہ حافظ لکھتے ہیں :۔

قال المازری تمسک به رای بالحدیث اذا حکم الحاکم فاجتهد) کل من الطائفتین من قال ان الحق فی الطرفین ومن قال ان کل مجتهد مصیب۔ اما الاولی فلانه لو کان کل مصیبًا لم یطلق علی احدهما الخطاء لاستحالة النقیضین فی حالة واحدة واما المصوبة فاحتجوا بانه صلی الله علیه وسلم جعل له اجرا فلو کان لا لم یصب لم یوجر واجابوا عن اطلاق الخطاء فی الخبر علی من ذهل عن النص او اجتهد فیما لا یسوغ الاجتها دفیه من القطعیات فیما خالف الاجماع فان مثل هذا ان اتفق له الخطاء فنیه نسخ حکمه وفتواه ولو اجتهد بالاجماع وهوالذی صح علیه اطلاق الخطأ واما من اجتهد فی قضیة

ليس فيها نص ولا اجماع فلا يطلق عليه الخطاء واطال المازري في تقرير ذلك والانتصار له وختم كلامه بان قال ان من قال ان الحق في الطرفين هو قال اكثر اهل التحقيق من الفقهاء والمتكلمين وهو مروي عن الائمة الاربعة وان حكي عن كل منهم اختلاف فيه۔[1] اھ

ترجمہ: علامہ مازری نے فرمایا کہ اس حدیث (اذا حکم الحاکم فاجتہد الخ) سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں وہ بھی جو یہ کہتا ہے کہ حق دونوں طرف دائر ہے (کسی مسئلہ میں اس طرف ہوتا ہے اور کسی مسئلہ میں اس طرف) اور وہ بھی جس کے نزدیک ہر مجتہد مصیب ہے (یعنی حق ہر ایک مسئلہ میں اس طرف بھی ہے اور اس طرف بھی) پہلا فریق کہتا ہے کہ اگر ہر مجتہد مصیب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پر خطأ کا اطلاق کیوں فرماتے حالانکہ وہ نقیضین (خطأ اور صواب) ایک حالت میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور دوسرا فریق جو ہر ایک مجتہد کی تصویب کرتا ہے اس کا ماخذ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کے واسطے بھی ایک ثواب مقرر فرمایا ہے اور اگر وہ مصیب نہ ہوتا تو ثواب بھی نہ ملتا۔ باقی حدیث میں جو لفظ خطأ کا اطلاق واقع ہوا ہے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ ان صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن میں کوئی نص موجود تھی اور مجتہد کو اس سے ذہول ہوا۔ یا اس نے کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کیا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ تھی۔ مثلاً وہ قطعیات جن کے انکار سے اجماع کی مخالفت ہوتی ہو، پس اگر اس قسم کی غلطی مجتہد سے اتفاقاً ہو جائے تو اس کا حکم اور فتوے بالاجماع ناقابل عمل ہے۔ اگرچہ اس نے پوری ہمت سے اجتہاد کیا ہو۔ اور

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صـ ۲۶۹

اسی قسم کی غلطی پر خطا کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔ باقی جس مجتہد نے کسی ایسے معاملے میں قیاس کیا جو نہ منصوص ہے اور نہ مجمع علیہ ہے۔ اس پر خطا کا اطلاق صحیح نہیں۔ اس کے بعد مازری نے اس مسلک کی تقریر اور حمایت میں طویل کلام کرنے کے بعد ان الفاظ پر اپنے بیان کو ختم کیا ہے کہ فقہاء اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا یہی قول ہے کہ حق طرفین میں دائر ہے اور یہی مذہب ائمہ اربعہ سے منقول ہے اگرچہ اُن سے اس بارہ میں کچھ اختلاف بھی نقل کیا گیا ہے۔

پس اس عبارت میں الحق فی الطرفین کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ نہ پیدا ہونا چاہیئے کہ علامہ مازری سب مصنفین کے خلاف اور فقہاء و متکلمین اور ائمہ اربعہ سے تعدد حق کا قول نقل کر رہے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے گذارش کیا، وحدت حق کے ماننے والوں سے بھی اپنے مذہب کے بیان کرنے میں اس عنوان (الحق فی الطرفین) کا اختیار کر لینا چنداں مستبعد نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ سیاق و سیاق سے اس کی کافی تشریح ہو سکتی ہو اور بالفرض اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کو شبہ گذرتا ہے تو یہ نقل تمام مصنفین کی نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی:

الغرض ہمارے اوپر کے بیان سے جمہور اہل سنّت کا مسلک آپ کو معلوم ہو گیا کہ باعتبار حکم نفس الامری اور حق عند اللہ کے مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی۔ بالخصوص جب کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مسائل منصوصہ میں حق عند اللہ واحد ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان الحکم الا للہ کے اقتضاء کے موافق قیاس مظہر حکم ہے مثبت علم نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجتہد فیہ مسائل میں جو کہ عند التامل شارع ہی کی طرف منسوب ہیں وحدت حق کا انکار کیا جاوے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ عقد الجید میں جس کے ابتدائی صفحات ہماری معروضات کے خلاف شبہات پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

واذا تحقق عندك ما بيناه علمت ان كل حكم يتكلم فيه المجتهد باجتهاده منسوب الى صاحب الشرع عليه الصلوٰة والسلام اما الى لفظه

اوالی علۃ ماخوذۃ من لفظه واذا کان الامر علی ذلك ففی کل اجتهاد مقامات احدهما ان صاحب الشرع هل اراد بکلامه هذا المعنی او غیره وهل نصب هذه العلة مدارا فی نفسه حین ما تکلم بالحکم المنصوص علیه اولا فان کان التصویب بالنظر الی هذا المقام فاحد المجتهدین لا بعینه مصیب دون الاخر. وثانیهما ان من جملة احکام الشرع انه صلی الله علیه وسلم عهد الی امته صریحا او دلالة انه متی اختلف علیهم نصوصه او اختلف علیهم معانی نص من نصوصه فهم مامورون بالاجتهاد واستفراغ الطاقة فی معرفته ما هو الحق من فاذا تعین عند مجتهد شیء من ذلك وجب علیه اتباعه کما عهد الیهم انه متی اشتبه علیهم القبلة فی اللیلة الظلماء یجب ان یتحروا او یصلوا الی جهة وقع تحریهم علیها فهذا حکم الشرع بوجود التحری کما علق وجوب الصلٰوة بالوقت وکما علق تکلیف الصبی ببلوغه فان کان البحث بالنظر الی هذا المقام نظر فان کانت المسئلة مما ینقض فیه اجتهاد المجتهد فاجتهاده باطل قطعا وان کان فیها حدیث صحیح وقد حکم بخلافه فاجتهاده باطل ظنا وان کان المجتهد ان جمیعا قد سلکا ما ینبغی لهما ان یسلکاه ولم یخالفا حدیثا صحیحا ولا امرا ینقض اجتهاد القاضی والمفتی فی خلافه فهما جمیعا علی الحق رای بالنظر الی المقام الثانی لما صرح فیما تقدم ان المصیب واحد لا بعینه بالنظر الی المقام الاول)[1]

ترجمہ۔ اور جب کہ وہ باتیں جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں تمہارے نزدیک محقق ہوگئیں

---

[1] عقد الجید ص ۳۳

تو تم نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ ہر ایک ایسا حکم جس پر مجتہد اپنے اجتہاد کی قوت سے کلام کرتا ہے وہ منسوب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف ہوگا یا تو شارع کی صریح الفاظ کی طرف اس کی نسبت ہوگی اور یا کسی ایسی علت کی طرف جو شارع کے الفاظ سے نکالی گئی ہو۔ اور جب قصہ یوں ہے (کہ مجتہد کے بتائے ہوئے کل احکام شارع علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں یعنی یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ خود شارع نے تنقیحاً یا تعلیلاً یہ احکام دیئے ہیں) تو اب یہاں دو درجہ ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت شارع نے اپنے کلام سے اسی معنی کا ارادہ کیا تھا جو مجتہد نے سمجھے ہیں یا اس کے سوا کوئی اور معنی مراد تھے اور آیا حکم منصوص کا جب شارع نے تکلم فرمایا تو اپنے دل میں اسی علت کو اس نے حکم کا مدار ٹھہرایا تھا جس کو مجتہد نے قرار دیا ہے یا اور کچھ تو اس درجہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہو سکتا ہے (یعنی جس کا اجتہاد شارع کی مراد اور مقصود کے موافق رہا ہو) دوسرا درجہ یہ ہے کہ منجملہ احکام شریعت کے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً یا دلالۃً اپنی امت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب ان کو اپنے نبی کے نصوص مختلف معلوم ہوں یا ایک ہی نص کے معانی میں اختلاف پیش آئے تو وہ مامور ہیں کہ نبی کے دریافت کرنے میں اجتہاد سے کام لیں اور اپنی پوری پوری طاقت اس میں صرف کریں۔ اس کے بعد جب ایک مجتہد کے نزدیک کوئی ایک بات متعین ہو جائے تو اس پر اسی کا اتباع واجب ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب اندھیری رات میں (مثلاً) قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اوّل خوب تحری کریں پھر جس طرف تحری سے قبلہ متعین ہو اسی طرف کو نماز پڑھ لیں تو یہ ایک ایسا حکم ہے جس کو شریعت نے تحری پر معلق رکھا ہے جس طرح نماز کی فرضیت وقت کے آنے پر معلق ہے اور کسی لڑکے کا مکلف ہونا

اس کے بالغ ہونے پر مکلف ہے پس (اگر مجتہد کے مخطی اور مصیب ہونے کی بحث) اس درجہ میں آکر ہو تو دیکھا جائے گا کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں تو نہیں جن میں مجتہد کا اجتہاد ٹوٹ جاتا ہے اگر ایسا ہو تو اس کا اجتہاد قطعاً باطل ہوگا اور اگر اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح تھی اور مجتہد کا حکم اس کے خلاف ہوا تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا اجتہاد باطل ہے اور اگر دونوں مجتہد اس مسلک پر چلے جس پر اُن کو چلنا چاہیئے تھا اور کسی حدیث صحیح کی انہوں نے مخالفت بھی نہیں کی اور نہ کسی ایسے امر کا خلاف کیا جس کے خلاف میں قاضی اور مفتی کا اجتہاد قائم نہیں رہ سکتا تو اس صورت میں دونوں مجتہد حق پر ہوں گے (یعنی باعتبار درجہ ثانیہ کے کیونکہ درجہ اولیٰ کے اعتبار سے تو کسی ایک مجتہد کے مصیب ہونے کی تصریح پہلے ہو چکی ہے)۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر ان الحاکم المجتہد المخطی له اجر و المصیب له اجران ولو کان کل منهما اصاب حکم اللہ باطناً و ظاهراً لکان سواء ولم ینقض حکم الحاکم والمفتی اذا تبین ان النص بخلافه و ان کان لم یبلغه من غیر قصور ولا تقصیر ولما قال النبی صلی اللہ علیه وسلم فانک لا تدری ما حکم اللہ فیهم ولما قال لسعد لقد حکمت فیهم بحکم الملک ان کان کل مجتهد یحکم بحکم اللہ تعالیٰ وارتفاع اللوم بحدیث المختلفین فی صلوٰۃ العصر فی بنی قریظة وحدیث الحاکم[1]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ حاکم مجتہد جب مخطی ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور مصیب ہو تو دو اجر ہیں اور اگر دونوں مجتہدوں میں سے ہر

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳ صد ۱۷۹

ایک کی رسائی ظاہراً و باطناً ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ کے حکم تک ہو جاتی تو پھر دونوں کا اجر بھی مساوی ہوتا اور حاکم اور مفتی کا قول اس صورت میں نہ ٹوٹ سکتا جب کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نص صریح اس کے مخالف ہے مگر مجتہد کو وہ نہیں پہنچی باوجودیکہ اس کی طرف سے کسی قصور اور کوتاہی کا اظہار نہیں ہوا اور اگر ہر مجتہد کا حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارشاد نہ فرماتے کہ تو نہیں جانتا کہ اللہ کا حکم ان کے بارے میں کیا ہے اور حضرت سعدؓ سے یوں خطاب نہ فرماتے کہ تو نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا جو بادشاہ کا فیصلہ تھا (باقی جب کہ دو مجتہدوں میں سے کوئی ایک خطا پر ہوا تو مخطی پر کچھ ملامت کیوں نہیں ہو سکتی) اس کا جواب اس حدیث میں ہے کہ جس کے اندر عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھنے نہ پڑھنے کی بابت صحابہ کرامؓ کا اختلاف بیان ہوا ہے۔

اور شیخ ابن ہمامؒ تحریر الاصول میں لکھتے ہیں:۔

بل الدليل اطلاق الصحابة الخطأ في الاجتهاد شائعاً متكرراً بلا نكير كعلي وزيد بن ثابت وغيرهما من مخطئة ابن عباس في ترك العول وهوا ى ابن عباس خطأ هو في القول به وقول ابي بكر في الكلالة اقول برأى فان يكن صواباً فمن الله وان يكن خطأ فمني ومن الشيطان۔ وعن ابن مسعودؓ مثل قول ابي بكر ففي سنن ابي داؤد عنه فان يك صواباً فمن الله وان يك خطأ فمني ومن الشيطان والله ورسوله بريئان وقول عمر في المجهضة ان كان قد اجتهد فقد اخطأ عثمان وعبد الرحمن بن عوف ام مع حذف وزيادة۔[1]

ترجمہ: بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہؓ صراحتہً خطأ فی الاجتہاد کا

---

[1] تحریر الاصول جلد ۳ صہ ۳۰۹

اطلاق کرتے تھے اور باوجودیکہ یہ بات ان میں عام تھی لیکن کسی صحابی کا اس پر انکار کرنا مسموع نہیں ہوا۔ دیکھو ترکِ عول کے مسئلہ میں حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خطا پر بتلایا اور ابن عباسؓ عول کے قائل ہونے پر ان حضرات کا تخطیہ کرتے تھے اور کلالہ کے مسئلہ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں اور اگر وہ درست ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور درست نہ ہو تو میری طرف سے اور شیطان کے دخل سے ہے اور اس طرح کا قول ابن مسعودؓ کا سنن ابی داؤد میں موجود ہے کہ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو حق تعالیٰ کی ہدایت سے ہے ورنہ اس کو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔ کیونکہ اللہ اور اس کا رسول ایک غلط بات سے بری ہے اور فاروق اعظمؓ نے محصنہ کے مسئلہ میں فرمایا کہ اگر عثمانؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ نے اجتہاد کیا ہے تو ان سے اس اجتہاد میں غلطی ہوئی۔

آخر میں یہ بتلانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ باوجودیکہ چاروں امام وحدتِ حق کے قائل ہیں اور المجتہد یخطی و یصیب کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کا جھٹ پٹ مخطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلافِ احتیاط سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں جو تفصیل و تفتیش حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہے اس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے

قال الامام احمد من روایۃ محمد بن الحکم وقد سألہ عن الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلفت فاخذ الرجل باحد الحدیثین فقال اذا اخذ الرجل بحدیث صحیح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخذ اخر بحدیث ضدہ صحیح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الحق عند اللہ واحد وعلی الرجل ان یجتہد و یاخذ احد

الحدیثین ولا یقول لمن خالفہ انہ مخطی اذا اخذ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الحق فیما اخذت بہ انا وھذا باطل ولکن اذا کانت الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیحۃ فاخذ بھا رجل واخذ اٰخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحتج بالشیٔ الضعیف کان الحق فیما اخذ بہ الذے احتج بالحدیث الصحیح وقد اخطأ الاٰخر فی التاویل مثل لا یقتل مومن بکافر واحتج بحدیث السلمانی قال فھذا عندے مخطی والحق مع من ذھب الیٰ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقتل مومن بکافر واذا اروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث واحتج رجل وحاکم عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد اخطأ التاویل وان حکم بہ حاکم ثم رفع الیٰ حاکم اٰخر رد الی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا اختلف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم واخذ اٰخر عن رجل اٰخر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالحق عند اللہ واحد وعلی الرجل ان یجتھد وھو لا یدری اصاب الحق ام اخطأ وھکذا قال عمر واللہ ما یدری عمر اخطأ ام اصاب ولکن انما کان رایا منہ قال احمد واذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخذ اٰخر بقول التابعین کان الحق فی قول اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن قال بقول التابعین کان تاویلہ خطأ والحق عند اللہ واحد۔[1]

ترجمہ۔ محمد بن الحکم نے امام احمدؒ سے استفسار کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف ہوں اور کوئی آدمی ایک حدیث کو پکڑ لے تو اس

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۷

صورت میں آپ کی کیا راتے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ایک مجتہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے استدلال کرے اور دوسرا بھی اس کے مقابلہ پر دوسری صحیح حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اگرچہ حق عند اللہ کسی ایک جانب میں ہے لیکن آدمی کا کام یہ ہے کہ پورے اجتہاد کے بعد ایک حدیث کو لے لے اور اپنے مخالف کی نسبت یہ نہ کہے کہ اس نے خطا کی اور حق یہی ہے کہ جو میں کہتا ہوں اور باقی سب باطل ہے۔ کیونکہ اس کا مخالف بھی آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہی اخذ کر رہا ہے۔ ہاں اگر ایک حدیث صحیح ہو اور دوسری ضعیف تو بے کھٹکے کہا جائے گا کہ حق اس کی طرف ہے جو حدیث صحیح سے استدلال کرتا ہے اور حدیث ضعیف سے استدلال کرنے والا مخطی ہے مثلاً لا یقتل مومن بکافر حدیث صحیح ہے تو اس کے مقابلہ میں سلمان کی حدیث سے استدلال کرے گا وہ مخطی ہوگا اور اگر ایک مجتہد یا حاکم تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کر رہا ہے اور دوسرا کسی صحابی کا قول پیش کرتا ہے تو اس دوسرے نے خطا کی اور اگر کسی حاکم نے اس دوسرے کے موافق فیصلہ کر دیا پھر اس کا مرافعہ کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں کیا گیا ہے۔ تو یہ دوسرا حاکم پہلے کے فیصلہ کو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف لوٹا وے گا اور اگر ایک شخص ایک صحابی کے قول کی سند پکڑتا ہے اور دوسرا دوسرے صحابی کے قول سے۔ تو خدا کے نزدیک حق پر کوئی ایک ہے۔ لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کام میں لائے اور اس وقت اس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب پر ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی فرمایا۔ کہ عمرؓ نہیں جانتا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب پر۔ البتہ ایک رائے اس کی تھی

(جو بیان کردی گئی) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص تو صحابہؓ کے اقوال سے استدلال کرتا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں تابعین کے اقوال سے تو حق صحابہؓ کے اقوال کی طرف ہوگا اور اس وقت تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا غلطی ہوگا اور بہر حال حق اللہ کے نزدیک کسی ایک طرف ہے۔

امام احمد کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلۃ ائمہ یہ یقین رکھنے کے باوجود ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہو سکتا ہے، پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے۔ چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک بزرگوار وں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسن تادب کا نتیجہ ہے۔

برّد اللہ مضاجعہم ونوّر اللہ قبورہم افاض علینا شآبیب برکاتہم آمین۔

وقد بقی خبایا فی الزوایا ترکنا ابرازہا مخافۃ التطویل واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ فقط

اسلام کی وسعتِ عمل
مذاہبِ فقہ میں

وسعتِ مذاہب الفقہ

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے اصول وعقائد میں ہمیشہ ایک ہی بات کہی۔ اپنی بات کبھی نہ بدلی لیکن فروع واعمال میں آپ نے کبھی مراحل کی راہ اختیار کی اور کہیں وسعت عمل کے دروازے کھولے شراب کی حرمت کئی مرحلوں سے گزری عورتوں کے لیے پردے کا حکم بعد میں ہوا۔ نماز میں انسانوں سے بات چیت بھی کچھ دیر بعد ممنوع ہوئی ـــــ اور نماز میں بھی نے آپ نے کہیں کہیں مختلف پیرائے اختیار فرمائے۔ جن محدثین نے آپ کے سنن واعمال کو جمع کیا انہوں نے فروع واعمال میں آپ کو ایک ایک عمل کی شہادت دی ہے اور اس موضوع پر آپ کے ایک ایک ارشاد کو نقل کیا ہے۔ محدثین اس راہ میں پوری دیانت سے چلے ہیں اور اسلام میں فروع واعمال کے مختلف پیرائے نے کبھی باہمی تضاد اور فرقہ وارانہ خلاف کی صورت اختیار نہیں کی۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کے مختلف طریقوں کو اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی تطبیق سے اپنایا ـــ اس موضوع کو ہم وسعت مذاہب الفقہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو نماز پڑھتے مختلف پیرایوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک پیرائے کی ایک یاد ہوتی ہے اور مختلف پیرایوں کی متعدد ـــــ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ آپ کے عملوں کی زیادہ سے زیادہ شہرت ہو اور آپ کے اس امت میں زیادہ سے زیادہ تذکرے ہوں۔ اس لیے اس نے آپ کو فروع واعمال میں وسعت کی لائن پر ڈالا اور محدثین نے آپ کی سنن پر مختلف احادیث لاکر اس وسعت کی تائید فرمادی۔ امام بخاری حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم سے نقل کرتے ہیں :-

قال القاسم رأینا اناساً منذ ادرکنا یوترون بثلٰث وان کلًا لواسع وارجوا ان لا یکون بشیء منه بأس [1]

ترجمہ۔ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا لوگوں کو تین وتر ہی پڑھتے پایا اور اس میں ہر طریقے کی وسعت ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ان میں سے کوئی طریق ماخوذ نہ ہوگا۔

امام ترمذی اس بحث میں کہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں ناف کے اوپر یا نیچے، لکھتے ہیں۔

وکل ذالک واسع عندھم [2] صحابہؓ کے ہاں اس میں وسعت ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ

امام نسائی رکوع کے وقت رفعیدین کرنے کی روایت آگے لکھتے ہیں۔ ترك ذلك[1] (یعنی آپ نے اسے پھر چھوڑ دیا تھا) فقہ شافعی میں حضور کے پہلے عمل کو اختیار کیا گیا ہے اور فقہ حنفی میں اس آخری عمل کو اور دونوں مکتب فکر میں اس مسئلے میں کوئی لڑائی نہیں۔ دعا قنوت وتروں میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں اس میں بھی وسعت ہے :۔

ان شاء قنت قبل الركوع وان شاء بعده كل ذلك واسع والاكثر عن مالك القنوت قبل الركوع[2]

اعدائے اسلام کا یہ پروپیگنڈہ آج کل عام ہے کہ ائمہ امت کے فقہی مسالک امت میں انتشار کا موجب ہیں۔ لیکن یاد رکھیئے کہ امت میں یہ انتشار مختلف فقہی مسالک سے ہرگز نہیں پڑا۔ امت میں انتشار شیعہ، خوارج، معتزلہ، قدریہ، مرجئہ اور کرامیہ کی راہ سے آیا ہے یہ فرقے اعتقادی الحاد پر قائم ہوئے ہیں نہ کہ فقہی اختلاف پر، اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ امت کا انتشار ائمہ اربعہ کے فقہی مسالک کی وجہ سے ہوا ہے وہ تاریخ اور علم حدیث سے خالی اور بالکل فارغ ہے۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے الرد علی الجھمیہ۔ حضرت امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) نے فی رد الارجاء جیسے باب تو باندھے ہیں لیکن باب الرد علی الائمہ کہیں کسی نے نہیں باندھا۔ نہ کہیں الرد علی المسالک الاربعہ کی تعبیر اختیار کی ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے باب جاء فی ترک الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فوراً بعد من رای الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا باب باندھا۔ اسی طرح باب رفع الیدین عند الرکوع میں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے، دونوں طرح کی احادیث لائے ہیں۔ رفع یدین کرنے کی احادیث روایت کر کے لکھتے ہیں :۔

وبهذا يقول بعض اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.....

ومن التابعين۔

اور رفع یدین نہ کرنے کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ ص۱۱۱ [2] نیل الاوطار جلد ۱ ص۱۰۷

اس وقت ہم یہاں روایت کی بحث نہیں کر رہے. بتانا یہ ہے کہ سلف میں (جس میں صحابہؓ اور تابعینؒ آتے ہیں) رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کے دونوں عمل جاری تھے لیکن اس اختلافِ عمل سے ان میں کوئی انتشار پیدا نہ ہوا. مختلف علاقوں میں مختلف عمل رائج رہے لیکن اس سے امت میں انتشار کہیں نہ ہوتا تھا.

اس طرح مختلف مسائل میں صحابہؓ کے اپنے اپنے مسلک تھے.

دیکھیے صحیح مسلم شریف جلد ۲ صـ۳۲ کی شرح میں مذہب معاذ بن جبلؓ و معاویہؓ کے الفاظ مختلف مذاہب کا پتہ دیتے ہیں یا کسی انتشار کا؟ تابعین میں بھی یہ مسلکی امتیاز ملتا ہے. مگر اس اختلافِ مسلک پر کوئی لڑائی نہیں ملتی.

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

وھٰذا مذھب عمر بن عبد العزیز والاوزاعی وقال الحسن والنخعی و قتادہ ومالک وابو حنیفہ والشافعی وجماھیر العلماء یصلی علیہ۔[1]

اس میں صریح طور پر سر کچھ اہلِ علم کا مذہب اور بتایا گیا ہے اور کچھ اہلِ علم کا اور. لیکن اس اختلافِ مذاہب کو کہیں انتشار کا موجب نہیں ٹھہرایا گیا.

حضرت امام ترمذیؒ احادیث روایت کرنے پر اس پر عمل کرنے والے صحابہؓ. تابعینؒ. ائمہؒ اور کئی دفعہ علاقوں کے اپنے اپنے مسلک نقل کرتے ہیں تو کیا وہ انتشارِ امت کا سامان پیدا کر رہے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں. فروعی اختلافات اور ان میں اپنے اپنے مذہب کی پابندی کو محدثین نے کبھی نفرت کی نظر سے نہیں دیکھا. سو یہ مختلف فقہی مسالک امت میں ہرگز انتشار کا موجب نہیں ہیں. وہ شخص علم حدیث سے ناواقف ہے. جو ان اختلافات کو فسادِ امت کا سبب ٹھہراتا ہے.

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

فان السلف فعلوا ھٰذا وھٰذا وکان کلا الفعلین مشھوراً بینھم کانوا

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ا صـ۳۱۴

يصلون على الجنازة بقرأة وبغير قرأة كما كانوا يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين فى المواطن الثلثة وتارة بغير رفع وتارة يسلمون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرؤن خلف الامام بالسر وتارة لا يقرؤن وتارة يكبرون على الجنازة سبعًا وتارة خمسا وتارة اربعًا. كان فيهم من يفعل هٰذا وفيهم من يفعل هٰذا كل هٰذا ثابت عن الصحابة.[1]

ترجمہ: سلف صالحین نے دونوں طرح عمل کیا ہے اور دونوں فعل ان میں مشہور و معروف رہے ہیں۔ بعض سلف نمازِ جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں جیسے کبھی بسم اللہ نماز میں اونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی آہستہ۔ کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے تھے اور کبھی نہیں۔ کبھی رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع یدین کر لیا اور کبھی تینوں موقعوں پر نہ کیا۔ نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیر لیتے کبھی ایک طرف۔ کبھی امام کے پیچھے قرأت (فاتحہ اور سورت) کر لیتے اور کبھی نہ کرتے۔ نمازِ جنازہ پر کبھی سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ کبھی چار۔ سلف میں ان میں سے ہر طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسامِ عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں۔

سو اس قسم کے فروعی اختلافات اور اپنے اپنے مسلک پر عمل کرنا امت میں اگر کہیں انتشار کا موجب ہوتا تو سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) یہ ہرگز نہ کہتے:۔

ماسرنی لوان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلفوا لانهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة.[2]

ترجمہ: مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کسی اختلاف میں نہ پڑتے

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ بحوالہ الانصاف لرفع الاختلاف ص۸ از مولانا عبدالحق سیالکوٹی [2] نقلہ السیوطی

حافظ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ سلف میں ان تمام طریقوں پر عمل تھا جو بعد میں ائمہ اربعہ کے ہاں پائے گئے کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے تاہم حافظ ابن قیم کی بھی ایک شہادت سن لیجئے۔

فاذا جهر به الامام احياناً ليعلم المامومين فلا بأس بذلك فقد جهر عمر بالافتتاح ليعلم المامومين وجهر ابن عباس بقراءة الفاتحة في صلوٰة الجنازة ليعلمهم انها سنة ومن هٰذا ايضًا جهر الامام بالتامين وهٰذا من الاختلاف المباح الذي لا يعنف فيه من فعله ولا من تركه وهٰذا كرفع اليدين في الصلوٰة وتركه وكالخلاف في الانواع التشهدات و انواع الاذان والاقامت وانواع النسك من الافراد والقران والتمتع۔[1]

ترجمہ: سو امام کبھی قنوت اونچی آواز سے پڑھے تاکہ مقتدیوں کو وہ سکھلا سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ثنا بھی تعلیماً جہری پڑھی تھی حضرت ابن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ جہراً پڑھی تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے یہ اسی طرح ہے جیسے نماز میں امام کا بلند آواز سے آمین کہنا (یعنی یہ بھی تعلیماً ہے نہ کہ اسے حکم سمجھا جائے) یہ اختلاف مباح ہے جس میں آمین بلند کہنے والے اور بلند نہ کہنے والے میں سے کسی کو ملامت نہ کیا جاتے (یہ مسئلے کا اختلاف نہیں صرف مصلحت کا اختلاف ہے) اسی طرح نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا ہے (یہ بھی اختلاف مباح ہے نہ کہ اختلاف عمل ثواب) یہ اسی طرح ہے جس طرح حدیث میں کئی طرح کے التحیات مروی ہیں اور (اذان اور) اقامت میں مختلف روایات ہیں اور حج کے مختلف طریقوں میں کونسا بہتر ہے۔ اس میں افراد قران اور تمتع تینوں جائز ہیں۔

مقام احتیاط: سو ان مختلف فیہ مسائل میں کسی ایک عمل کے درپے اثبات ہونا حدیث کے ایک بڑے

---

[1] زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۷

ذخیرہ کو مختلف ٹھہرانا ہے اس سے نقد حدیث کی وہ رو چلے گی کہ آہستہ آہستہ کل ذخیرہ حدیث ہی مخدوش ہو جائے گی۔ سو احتیاط اسی میں ہے کہ جن مسائل میں صحابہ کرامؓ میں کوئی اختلاف رہا ہو ان میں سے ہر ایک عمل کو جائز جانے۔ اگر رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کو سنت سمجھتا ہے تو نہ کرنے کو بھی سنت سمجھے۔ آمین بالجہر کو سنت سمجھتا ہے نہ آمین بالاخفاء کو بھی سنت سمجھے اور کسی پر عمل زیادہ ثواب کی نیت سے نہ کرے اسے صرف اختلاف مباح سمجھے تاکہ اپنے آپ کو کسی صحابی سے برتر سمجھنے کی بدعت راہ نہ پا سکے۔ غیر صحابی اتباعِ رسول میں صحابی سے بڑھ سکتا ہے یہ عقیدہ شیعہ لوگوں کا ہے اہل حق میں سے کسی کا نہیں۔

ایک سوال

ان مسائل میں جو اختلاف احادیث میں پایا جاتا ہے ان میں سے اگر صرف حضورؐ سے مروی روایات کو لے لیا جائے تو کیا یہ عمل بالاحتیاط نہیں؟

جواب: نہیں، کیونکہ بعض صحابہ کرامؓ سے اس کے خلاف روایات ملیں گی تو یہ نمازی لازمی طور پر اپنے آپ کو ان صحابہؓ سے اتباعِ رسول میں آگے سمجھے گا اور یہ موقف اہل حق میں سے کسی کا نہیں ہے۔

اس وقت ہمیں ان مختلف فیہ مسائل سے بحث نہیں۔ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سلف میں (صحابہ کرام اور تابعین میں) جو اختلافات راہ پا چکے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی ایک نے اسے معمول بہ ٹھہرایا ان میں سے کسی کو برا نہ سمجھے۔ اُن میں سے ہر ایک کے طریقے کو سنتِ اسلام سمجھے ——— اور جو اختلافات اس پہلے دور میں قائم رہے آج ان میں سے کسی کے مٹانے کے درپے نہ ہو ——— جو اختلاف مٹانے کے لائق ہیں وہ صرف وہ ہیں جو اصول کے ہوں اور عقائد کے ——— کہ ان میں سے صرف ایک ہی بات حق ہے اور حق کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

اللہ تعالیٰ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم پر انوار کی بارش فرمائے کہ امت کو فروعی مسائل میں نہ جھگڑنے کا سبق دے کر اپنی بزرگانہ ذمہ داری ادا کر گئے۔

صحابہ کرام اگر مسائل میں اختلافات میں نہ پڑتے تو اُمت کے لیے عمل کی راہیں کشادہ نہ ہوتیں اور اختلاف اُمتی رحمۃ کی صورت نہ نکلتی۔

اسی طرح یہ اعتراض بھی کہ فقہی مسالک میں مخالف مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے غلط ہے۔

مساجد اختلاف مسالک پر بنی ہوں تو ہر مسلک والوں کے لیے افضل ہوگا کہ وہ اپنے مسلک کے امام کے پیچھے ہی نماز پڑھیں. حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفاً) بیت المقدس مصر اور شام میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے. لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں دوسرے مسلک کا امام ہو تو کیا اس کی امامت میں نماز پڑھنی چاہیئے یا وہ اپنے لیے اپنے مسلک کی علیحدہ جماعت کا انتظار کرے ؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور موضوع سے متعلق ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ جو ترکی خلافت میں حنفی مذہب کا مرجع تھے اور محمد علی پاشا سے ان کے قریبی تعلقات تھے. وہ امام ابوحنیفہ الثانی علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) سے نقل کرتے ہیں:-

ان الافضل الاقتداء بالشافعي بل يكره التاخير لان تكرار الجماعة في مسجد واحد مكروه عندنا على المعتمد الا اذا كانت الجماعة الاولى غير اهل ذٰلك المسجد او اديت الجماعة على وجه مكروه ولانه لا يخلو الحنفي حال صلوٰة الشافعي اما ان يشتغل بالرواتب لينتظر الحنفي وذٰلك منهي عنه لقوله صلى الله عليه وآله وسلم اذا اقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة. واما ان يجلس وهو مكروه ايضًا لاعراضه عن الجماعة عن غير كراهة في جماعتهم عن المختار[1]

ترجمہ. بہتر یہ ہے کہ حنفی شافعی کی نماز میں آشامل ہو اس کا تاخیر کرنا مکروہ ہے اور یہ اس لیے بھی کہ ہم حنفیوں کے ہاں مسجد میں دوسری جماعت کرانا مکروہ ہے

---

[1] ردالمحتار لابن عابدین جلد صـ

اور اسی فیصلے پر اعتماد ہے ہاں پہلی جماعت محلے والوں کی نہ ہو (کوئی مسافر کرا دے) یا جماعت کسی عمل مکروہ کے ساتھ ہو (جیسے کوئی ڈاڑھی منڈا نماز پڑھا رہا ہے) تو پھر دوسرے امام کا انتظار کرنا مکروہ نہ ہوگا۔ شافعی امام نماز پڑھا رہا ہو اور حنفی یا تو سنتوں میں رہے گا اور اپنے مذہب کے امام کا انتظار کرے گا اور یا بیٹھا رہے گا پہلی صورت مکروہ ہے کیونکہ جب فرض نماز کھڑی ہو تو (اسے چھوڑنے کے قصد سے) وہاں دوسری نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور نماز ہو رہی ہو اور پاس بیٹھے رہنا (جماعت میں شامل نہ ہونا) یہ مکروہ ہے (حرام کے قریب ہے) مذہب مختار یہی ہے کہ جب اس جماعت میں کوئی امر مکروہ نہیں تو (اختلاف مسلک کی بنا پر) اس سے اعراض کرنا شرعاً مکروہ ہوگا۔

جن فقہائے کرام نے علامہ ابن نجیمؒ کے اس فیصلے سے جزوی اختلاف کیا حضرت علامہ شامیؒ ان کا اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

والذی یمیل الیہ القلب عدم کراھۃ الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیر مراع فی الفرائض لان کثیرا من الصحابۃ والتابعین کانوا ائمۃ مجتھدین وھم یصلون خلف امام واحد مع تباین مذاھبھم وانہ لو انتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ واما کراھۃ تعدد الجماعۃ فی مسجد واحد فقد ذکرنا الکلام علیھا۔[1]

ترجمہ: میرا دل اسی بات کی شہادت دیتا ہے کہ مخالف مذہب کی جماعت میں شامل ہونا ہرگز مکروہ نہیں ہے جب کہ امام فرائض میں دوسروں کی رعایت کرنے والا ہو۔ بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ علمی درجے میں مجتہد تھے اور وہ اپنے اختلاف

[1] رد المحتار جلد ا ص ۵۲۷

مسالک کے باوجود ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ ہاں اگر کوئی نمازیوں سے دور اپنے ہم مذہب امام کا انتظار کرتا رہے اور اس کا ارادہ اس سے کامل جماعت کو پانا ہو تو یہ اعراض عن الجماعۃ (جماعت سے روگردانی) کے حکم میں نہ ہوگا۔ یہ جو مسئلہ ہے کہ ایک مسجد میں تعدد جماعات جائز نہیں، ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

مسجد میں اصل جماعت کھڑی ہو تو اختلافِ مسلک کی بنا پر کسی کو اس سے الگ نماز پڑھنے کا حق نہیں جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے کہ امام نے دوسرے مسلک کی رو سے کسی فرض کو ترک کیا ہے اور مسجد کے باہر کسی جگہ نماز ہو اور وہ اپنے امام کا اس لیے انتظار کرے کہ اسے زیادہ کامل نماز میسر آسکے گی تو یہ اور بات ہے۔ مسجد میں دوسری جماعت کرنا درست نہیں، سو پہلی جماعت سے علیحدہ رہنا ناجائز ہوگا۔

حنفیہ کے اس واضح موقف کے پیش نظر یہ بات کسی طرح باور ہونے کے لائق نہیں کہ اختلاف مسلک والا امام نماز پڑھا رہا ہو اور حنفی اس لیے اس کی اقتدا نہ کرے کہ اس کا مسلک دوسرا (حنبلی، یا شافعی یا مالکی) ہے

البتہ اگر اسے فقہی طور پر کوئی اعتراض ہو اور دوسرے مسلک کا امام وضو یا نماز میں ان دوسرے مسلک والوں کے مسلک کی رعایت نہیں کرتا۔ اس صورت میں وہ جماعت میں شامل نہیں ہوتا تو اس کی اس وجہ کے باعث ہم اسے انتشار پیدا کرنے والا نہ کہیں گے۔

کچھ مسلمان جماعت کرلیں اور دوسرے ان کے ساتھ شامل نہ ہوں اور وہ بعد میں اپنی جماعت کرالیں۔ ایسا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا اور آپ نے ان میں سے کسی کو نہ کہا کہ تم نے انتشار پیدا کیا ہے سب کو ایک جماعت سے نماز پڑھنی چاہیئے تھی۔

امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں:-

عن ابن عمرؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب لا یصلین

احد العصر الا فی بنی قریظة فادرك بعضهم العصر فی الطریق فقال
بعضهم لا نصلی حتی ناتیها وقال بعضهم بل نصلی لم یرد منا ذالك [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے روز حکم دیا کہ تم عصر کی نماز بنو قریظہ جا کر پڑھنا۔ اب کچھ لوگوں پر رستے میں ہی عصر کا وقت آگیا۔ ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز عصر نہ پڑھیں گے یہاں تک کہ ہم بنو قریظہ جا پہنچیں۔ دوسروں نے کہا ہم تو پڑھ لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی کہ عصر کا وقت آ بھی جائے تو نماز رستے میں نہ پڑھنا (آپ کی مراد یہ ہوگی کہ اتنی جلدی چلو کہ عصر تمہیں بنو قریظہ جا کر آئے)

حضرات صحابہؓ کی دو جماعتوں میں جب مراد حدیث کی تعیین میں اختلاف ہوا اور دونوں نے اپنے اپنے فقہی ذوق سے حدیث کی مراد معین کی اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تو کسی نے کسی کو نہ روکا۔ نہ ایک دوسرے کو امت میں انتشار پیدا کرنے والا کہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے بھی کسی کو اس کے عمل پر ملامت نہ کیا کہ جب ایک جماعت کھڑی تھی تو تم نے اپنے فقہی اختلاف کے باعث اس جماعت سے کیوں علیحدگی اختیار کی۔ حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ:۔

فلم یعنف واحدا منهم [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو نہ جھڑکا نہ کسی کو بُرا کہا نہ کسی پر اس کی خطا واضح کی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے کسی ایک مکتب فکر کی پابندی سب پر لازم نہیں کی فقہی مسائل میں وسعت کی راہیں ساری امت کے لیے کھلی ہیں۔ یہ امور ہرگز ہرگز امت میں انتشار کا سبب نہیں ہیں بلکہ رحمت ہیں جس کے سایہ میں امت کے چاروں مکتب فکر اپنے اپنے ذوق کے مطابق کتاب و سنت کی

---

[1] یہ حکم کی علت پالینے والے تھے [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱

مرادات پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو ملامت نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ء) حضرت علامہ سہیلیؒ اور دوسرے اکابر سے نقل کرتے ہیں:-

وفی ھٰذا الحدیث من الفقه انه لا یعاب علی من اخذ بظاھر حدیث او ایة ولا علی من استنبط من النص معنی یخصصه۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث میں فقہ بھری ہے کہ کسی کو آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے پر ملامت نہ کیا جائے اور نہ انہیں ملامت کیا جائے جو نص میں کسی ایسی بات کو کو پالیں جو اس کے ظاہر کی تخصیص کر ڈالے۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو شافعیہ اور حنفیہ کے بیشتر اختلافات اسی قسم کے ہیں شافعیہ زیادہ تر ظاہر حدیث کو لیتے ہیں اور حنفیہ کرام اس کے معنی کی گہرائی میں اترتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کی وسعت یا تخصیص کو پا لیتے ہیں حضورؐ کے اس ارشاد کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بقول امام ترمذیؒ اسے منفرد سے خاص کیا ہے سو ایسے اختلافات ہرگز انتشار امت کا موجب نہیں فقہی مسالک کے اختلاف کو اس کے اصولی اختلاف بتا کر امت میں انتشار پیدا کرنے کا الزام دینا ایک نہایت مکروہ اور بھونڈا الزام ہے اس کی ہر طرح مذمت کی جانی چاہیئے کیونکہ ائمہ اربعہ کا اختلاف اصولی نہیں فروعی ہے۔ ہاں شیعہ، خوارج وغیرہ کے ساتھ ہمارے اختلافات قطعی اور اصولی ہیں۔

حضرت علامہ تاج الدین سبکیؒ (۷۷۱ھ) آج سے بہت عرصہ قبل اس کا برملا اظہار کر چکے ہیں:۔

ان خطاء المعتزلی والرافضی قطعی والمسئله قطعیه۔[2]

ترجمہ۔ معتزلہ اور روافض کی خطا قطعی درجے کی ہے (ظنی درجے کی نہیں) اور ان سے اس مسئلہ میں اختلاف قطعی درجے کا ہے۔

فروعی مسائل میں اختلاف نص کا نہیں نص کے استنباط کا ہوتا ہے۔

---

[1] فتح الباری جلد صـ

[2] طبقات الشافعیہ جلد ۱ صـ ۳۲

استنباط میں خود صحابہ کرام میں اختلافات واقع ہوئے۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات ان کے اپنے پیدا کردہ نہیں صحابہ کرامؓ کے مختلف اجتہادات ہی انہوں نے منضبط کیے ہیں اور خود ان کی راہوں پہ چلے ہیں غیر مقلدوں کا یہ پراپیگنڈہ غلط ہے کہ یہ اختلافات ائمہ کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ اختلافات انہیں صحابہؓ سے وراثۃً ملے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم میر لکھتے ہیں:۔

> صحابہ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کجروی اور بداعتقادی اتباع ہوئی و بدمذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہؓ و تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ نے امت میں اختلافات پیدا نہیں کیے انہوں نے یہ اختلافات صحابہ کرامؓ سے وراثۃً پائے ہیں یہ اختلافات عہد صحابہؓ میں پندرہ بیس تک تھے لیکن ائمہ کرام انہیں منضبط کرتے ہوئے چار تک لے آئے اور چار اختلاف بھی بہت کم ملیں گے۔ زیادہ مسائل میں ایک دو یا تین مذاہب ملیں گے زیادہ مسائل میں ائمہ آپس میں ایک رائے ہو جاتے ہیں پھر عمل کی دنیا میں فقہاء سب پر انہیں کسی ایک طریقے پر چلنے کی تعلیم دیتے ہیں اور اس میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ امت فقہی انتشار سے بچے۔ اگر ایک علاقے میں کبھی کوئی عمل ہو اور کبھی کوئی تو یہ بیشک انتشار کا سبب ہو سکتا ہے لیکن ایک فقہ پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو ایک مذہب پر ہی رہنا چاہیئے یہ امت کو ہر ممکن انتشار سے بچانے کی ایک ضمانت ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں یہ رافضی ہیں جو مسلمانوں کو چار مذاہب کا طعنہ دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد صحابہؓ کو بدنام کرنا ہوتا ہے کہ دیکھو وہ آپس میں کیوں مختلف رہے یہاں تک کہ ائمہ نے ان اختلافات کے سائے میں اپنے مذاہب ترتیب دے لیے۔

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی کا بیان

مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور باہم سب و شتم نہیں کرتے مثل خوارج و روافض کے صلحاء اور ائمہ دین کی محبت جزو ایمان ہے۔[2]

حافظ عبداللہ روپڑی بھی لکھتے ہیں:۔ ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے۔[3]

اب ان لوگوں کو جو ان چار مذاہب کو امت میں انتشار کا موجب کہتے ہیں اپنا سارا غصہ امام ابن تیمیہ، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا محمد ابراہیم میر اور مولانا عبداللہ روپڑی پر نکالنا چاہیئے۔

---

[1] تاریخ اہلحدیث ص۲۷ [2] اثبات الالہام والبیعۃ ص۶ طبع دوم [3] فتاوی اہلحدیث جلد ا ص۴۲

فقہی مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش

صحابہؓ و تابعینؒ کے خلاف ایک اعتقادی فساد ہے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:۔

صحابہؓ اور تابعین کے دور میں اگر کسی عمل میں اختلاف ملے تو محدثین اسے وسعتِ عمل کہہ کر قبول کر لیتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک طریقے پر اصرار اور دوسرے عمل کو غلط ٹھہرانے کی سعی اسلامی تاریخ میں خود ایک وجہ فساد ہے۔ محدثین کی یہ روش ہرگز نہ تھی وہ خود ایک طریقے پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے اختلاف کو وسعتِ عمل کے دائرہ میں جگہ دیتے تھے اور صحابہؓ و تابعین میں سے کسی کو باطل نہ سمجھتے تھے۔ آج جو لوگ ان فقہی اختلافات میں سے کسی ایک کو ہی صحیح سمجھتے ہیں وہ ہرگز محدثین کے مذہب پر نہیں ہیں۔ آپ ان لوگوں کے ذرا اور قریب ہو کر دیکھیں۔ تو یہ صحابہؓ پر کھلے طور پر جرح کرتے نظر آئیں گے اور ان کی زبان ان شخصیتوں کے خلاف بے محابا کھلتی ہے جن سے اللہ راضی ہو چکا[1] نہیں تو طلاق کے مسئلہ میں انہیں حضرت عمرؓ کے خلاف بولنا نہیں۔

---

[1] کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خدا راضی نہ ہوا۔ اب لیجیے جمعہ کی دو اذانیں جو حضرت عثمانؓ کے دور سے چلی آ رہی ہیں کیا مسلمان انہیں چھوڑ دیں گے۔ ایک غیر مقلد عالم محمد جونا گڑھی لکھتا ہے۔ کہ "ہمارے زمانے میں مسجد میں جو دو اذانیں جمعہ کے لیے ہوتی ہیں صریح بدعت ہے۔ کسی طرح جائز نہیں"۔ مولانا محمد اسماعیل السلفی کی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پر چڑھائی ملاحظہ ہو "صحابہؓ عموماً اور عبد اللہ بن عمرؓ خصوصاً اتباعِ سنت میں مشہور ہیں۔ لیکن ان کا یہ فعل سنتِ صحیحہ کے خلاف ہے۔" (فتاویٰ سلفیہ ص ۱۰۷) آفرین ہے آپ کو چودہ سو سال بعد سنتِ صحیحہ معلوم ہو گئی اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر بھی اس سنت کو نہ پا سکے (العیاذ باللہ)

صحابہؓ و تابعینؒ میں اختلاف کی ایک مثال

حضرت قبیصہ بن صلبؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومنا فیاخذ شمالہ بیمینہ[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تو دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں ہاتھ پکڑتے۔

آج کل کئی لوگ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی بجائے اپنی بائیں کلائی پکڑتے ہیں اور ان کا بایاں ہاتھ ان کی دائیں کلائی کے نیچے ہوتا ہے یہ طریقہ اس وقت نہ تھا حضورؐ اپنے دائیں سے بایاں ہاتھ پکڑتے تھے۔ رہا یہ اختلاف کہ نمازی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر ناف کے اُوپر رکھے یا نیچے۔ صحابہؓ اور تابعین کے دور میں یہ دونوں طریقے رائج تھے اور وہ کسی ایک پر نکیر نہ کرتے تھے۔ حضرت امام ترمذیؒ مذکورہ بالا حدیث پر لکھتے ہیں۔

والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یضع الرجل یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ ورای بعضھم ان یضعھما فوق السرۃ ورای بعضھم ان یضعھما تحت السرۃ وکل ذالک واسع عندھم[2]

ترجمہ۔ اور اسی پر صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد کے اہل علم کا عمل ہے۔ اُن کا فیصلہ یہ ہے کہ آدمی نماز میں اپنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے اور بعض کہتے ہیں دونوں ہاتھ ناف سے اوپر رکھے اور دوسرے بعض کہتے ہیں ہاتھ ناف سے نیچے باندھے اور ان کے ہاں ہر ایک پر عمل کی وسعت ہے۔

تابعی کبیر حضرت امام نخعی (۹۶ھ) جن کے اقوال اور فقہی فیصلے حضرت امام بخاریؒ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۳۴ وسنادہ حسن [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۳۴

اپنی صحیح میں جگہ جگہ لائے ہیں وہ فرماتے ہیں :۔

یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرة[1]

ترجمہ. آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے اور انہیں ناف کے نیچے رکھے

امام ترمذی کا یہ کہنا کل ذلك واسع عندھم پتہ دیتا ہے کہ محدثین کا مذہب مختلف فقہی مذاہب کو ایک کرنے کا نہ تھا وہ تمام مختلف طریقوں کو وسعت عمل کے تحت برداشت کرتے تھے اور اسی میں اسلام کی عزت سمجھتے تھے.

دونوں طرف کے عمل کی ایک اور مثال

امام ترمذیؒ رفع الیدین عندالرکوع کی بحث میں لکھتے ہیں :۔

وبهذا یقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم منهم ابن عمر وجابر بن عبد الله وابو هریرة وانس وابن عباس وعبد الله بن الزبیر[2]

ترجمہ. حضورؐ کے صحابہؓ میں سے بعض اہل علم کا یہی فیصلہ ہے کہ رکوع کے وقت رفعیدین کرلی جائے ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ معروف ہیں[3]

یہاں حضرت امام ترمذیؒ نے اور نام توگنوائے ہیں مگر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر کا نام رفعیدین کرنے والوں میں ذکر نہیں فرمایا. اس پہ آپ خود غور فرمائیں. صحابہ کرامؓ میں اس مسئلے میں جو زیادہ نمایاں رہے وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ آپ بھی اس پہ دائماً عمل پیرا نہ تھے.

آگے امام ترمذیؒ رفعیدین عندالرکوع نہ کرنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] کتاب الآثار امام محمد ص [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص [3] جامع ترمذی جلد ۱ ص

وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان الثوری واھل الکوفۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور رکوع کے وقت رفعیدین نہ کرنے کا فیصلہ بھی حضورؐ کے متعدد اہل علم صحابہؓ اور تابعین سے منقول ہے امام سفیان الثوری کا فیصلہ بھی یہی تھا اور اہل کوفہ بھی یہی کہتے ہیں۔

امام ترمذیؒ آگے ایک اور حدیث پہ لکھتے ہیں :۔

قال ابو عیسیٰ حدیث علی حدیث حسن صحیح والعمل علی ھٰذا عند بعض اھل العلم[2]

ترجمہ حضرت علیؓ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے۔

اس سے محدثین کا مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر صحیح حدیث کو حجت ملزمہ نہ سمجھتے تھے صحیح حدیث بعض اہل علم کے ہاں ہی واجب العمل سمجھی جاتی تھی۔ دوسروں کے ہاں وہ صرف ایک ذخیرہ علم تھا جسے لائق عمل ٹھہرانے کے لیے وہ کئی اور باتوں پر بھی غور کرتے۔ ایک موضوع پر تمام روایات کو جاننے کی انہیں ضرورت ہوتی تھی۔ اگر سب صحابہؓ نے اس پر عمل کرنا مناسب نہ سمجھا تو وہ جانتے تھے کہ اس کے دوسری طرف بھی اور حدیث موجود ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ عملاً کسی صحیح حدیث کو حجت ملزمہ نہ سمجھیں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اسلام میں اس مسئلے میں وسعت عمل ہو۔ ایسے مواقع میں حدیث صحیح لوگوں کے لیے حجت ملزمہ نہیں ہوتی فضیلۃ الشیخ عطیہ محمد سالم لکھتے ہیں :۔

رضی اللہ عن عمر اذ قال احرج علی رجل یحدث بحدیث العمل علی خلافہ[3]

ترجمہ۔ اللہ عمرؓ سے راضی ہو آپ نے کہا میں اس میں حرج سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص ایک حدیث بیان کرے اور اس کا عمل اس پر نہ ہو۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ا صـ ۳۵ [2] ایضاً [3] موقف الامۃ صـ ۱۳۰

مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے رکوع کے وقت رفعیدین نہ کیا[1] یہ وہی عبداللہ بن عمرؓ ہیں جو حضورؐ سے رفعیدین کرنا نقل کرتے ہیں۔ اب ان کی حضورؐ سے روایت کہ آپ نے رکوع کے وقت رفعیدین کیا، کیا اس رفعیدین کو دائمی طور پر ثابت کر سکے گی؟ یہ آپ سوچیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ رکوع کے وقت رفعیدین کبھی کر لیتے تھے کبھی نہ کرتے تھے۔[2]

اس صورتِ حال میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں عمل کی مختلف راہیں قائم تھیں اور وہ ایک دوسرے کے عمل کو خوشی سے برداشت کرتے کبھی کسی پر مخالفت سنت کا الزام نہ دھرتے تھے اور ان کے ہاں اسلام کی یہ ایک وسعتِ عمل تھی۔

فروعی اختلافات کسی قوم میں وسعتِ ظرف کا نشان ہوتے ہیں یہ کوئی انتشار کا سامان نہیں جس سے کسی کسی فریق کو وحشت ہو۔ صحابہؓ میں آپس میں کتنے فروعی اختلافات تھے لیکن ان کی قومی وحدت کبھی متاثر نہ ہوتی تھی۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات بھی ان کے خانہ زاد نہیں۔ یہ صحابہؓ و تابعین کے اختلافات تھے جو چار مذاہب میں آکر منضبط ہوئے۔ یہ چار فرقے نہیں عمل کی چار مختلف راہیں ہیں جو ان ائمہ کو اوپر سے ملیں ۔۔۔ دوحہ کے جلیل القدر فاضل ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:-

والقول بان المذاهب فرقت المسلمين قول مردود فالاختلاف في الفروع لا يضر بوحدة المسلمين وقد اختلف الصحابة والتابعون و والائمة فيما فما يضرهم ذالك شياء.

والزعم بان وجود النص او الحديث كاف لازالة الخلاف وتوحيد الجمع على رای واحد كما ترى المدرسة الاثرية المعاصرة التى اسميها

---

[1] طحاوی شریف جلد ۱ ص [2] فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۰

الظاهرية الجدد زعم غير صحيح وقد بيّنت خطاءه في مواضع اُخر مما كتبت[1]

ترجمہ. یہ بات کہ ان مذاہب اربعہ نے مسلمانوں میں انتشار پھیلایا ہے ایک مردود بات ہے فروعی اختلاف وحدت مسلمین کو کبھی ضرر نہیں دیتا صحابہؓ اور تابعین میں اور ائمہ اربعہ میں مسائل کے کتنے اختلاف رہے لیکن اس نے انہیں کوئی ضرر نہیں دیا۔

اور یہ گمان کہ قرآن کی نص یا حدیث صحیح اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے اور سب کو ایک موقف پر لانے کے لیے کافی ہے. جیسا کہ عصر حاضر کے مدرسہ اثریہ کی رائے ہے ہرگز صحیح گمان نہیں اور میں نے اس کا غلط ہونا اپنی تحریروں میں بہت مقامات پر واضح کیا ہے۔

آپ پہلے یہ لکھ آئے ہیں:۔

يجب ان يعلم الذين يريدون جمع الناس على راى واحد فى احكام العبادات والمعاملات ونحوها من فروع الدين انهم يريدون ما لا يمكن وقوعه ومحاولتهم رفع الخلاف لا تثمر الا توسيع دائرة الخلاف وهى محاولة تدل على سذاجة بينة ذلك ان الاختلاف فى فهم الاحكام الشرعية غير الاساسية ضرورة لابد منها.

وانما اوجب هذه الضرورة طبيعة الدين وطبيعة اللغة وطبيعة البشر وطبيعة الكون والحياة[2]

ترجمہ. وہ لوگ جو لوگوں کو احکام عبادات اور معاملات اور دوسرے فروعی مسائل میں ایک موقف پر جمع کرنا چاہتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ

---

[1] الصحوۃ الاسلامیہ ص ۲۱۵ [2] ایضاً ص ۵۹

ایک ایسی بات کے درپے ہیں جس کا کامیاب ہونا کسی طرح ممکن نہیں اور ان کی اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش اس دائرہ اختلاف کو اور وسیع کرے گی اور یہ ایسی کوشش ہے جو کھلی سادگی پر اٹھائی گئی ہے اور یہ اس لیے کہ ان احکام شرعیہ کے سمجھنے میں جو اساسی نہیں فروعی ہیں اختلاف واقع ہو جانا ضروری ہے اس سے چارہ کار نہیں ہے۔

فقہی مذاہب کو ایک کرنے کا پروگرام لے کر کون اُٹھے ہیں؟ اس دور کے غیر مقلدین جن کی دن رات کی محنت ان فروعی مسائل پر جھگڑنا اور ایک کثیر ذخیرۂ حدیث کو پاؤں تلے روندتے ہوئے قوتِ سند پر کسی ایک روایت کو صحیح قرار دے لینا ہوتا ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی ان کی اس سادگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ونسی ھؤلاء ان فھمھم للنصوص لیس اکثر من رای یحتمل الخطأ کما یحتمل الصواب اذ لم تضمن العصمة لعالم فیما ذھب الیه وان جمع شروط الاجتھاد کلھا کل ضمن له ھو الاجر علی اجتھاده اصاب ام اخطاء — ولھذا لم یزد ھؤلاء علی اضافوا الی المذاھب المدونة مذھباً جدیداً.... ومن الغریب ان ھؤلاء ینکرون علی اتباع المذاھب تقلیدھم لائمتھا علی حین یطلبون من جماھیر النّاس ان یقلدوھم ویتبعوھم۔[1]

ترجمہ۔ یہ لوگ اسے بھولے ہوئے ہیں کہ ان کا نصوص کو سمجھنے کا دعویٰ ایک رائے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال موجود ہوتا ہے کیونکہ کسی عالم کو گو اس میں اجتہاد کی سب شرطیں کیوں نہ پائی جاتی ہوں عصمت کا مقام حاصل نہیں کہ اس سے غلطی ہو ہی

---

[1] الصحوة الاسلامیه صد ۲۱۶

نہ سکے۔ ہاں جس چیز کی اسے ضمانت دی گئی ہے وہ اجتہاد کرنے پر اجر ہے وہ صحیح بات کو پہنچ سکے یا نہ پہنچ سکے —— اس بنا پر ان لوگوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ ان مذاہب مدونہ میں ایک اور مذہب لاکر کھڑا کر دیا ہے —— اور یہ بات عجیب ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو ائمہ مذاہب کی تقلید سے تو روکتے ہیں لیکن لوگوں کو اپنی تقلید اور اتباع پر لگانے کے لیے دن رات دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

امت میں وسعت عمل ہرگز کسی انتشار کا موجب نہیں

قرآن کریم ایک کتاب ہے جو مختلف قرأتوں میں پڑھی جاتی ہے مسلمانوں میں یہ مختلف پیرایہ ہائے قرأت کبھی انتشار کا موجب نہیں سمجھے گئے۔ امت میں اگر وسعت عمل کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو سات قرأتوں میں نہ اتارتے۔ امت میں اگر قرآن کے یہ سات پیرائے کسی انتشار امت کا باعث نہیں سمجھے گئے تو سنت میں اجتہاد کے یہ مختلف پیرائے کس طرح کسی انتشار کا موجب سمجھے جا سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا۔ اس نے ایک آیت اس طرح پڑھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور طرح سے پڑھتے سنا تھا۔ آپ اس شخص کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپ نے اختلاف قرأت کے تحت دونوں کو اپنی اپنی طرح پڑھنے کی اجازت دی —— حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں :-

فانطلقت به الی النبیؐ فقال کلاکما محسن فاقرأ۔[1]

ترجمہ: میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص۷۵۶

دونوں اچھے عمل پر ہو اسی طرح اپنے اپنے طور پر پڑھو۔

شعبہؓ کہتے ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔ جو تم سے پہلے ہوئے وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے اور وہ ہلاک ہوئے۔ یعنی وہ اختلاف کو برداشت نہ کر پائے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس اختلاف کو برداشت کرنا ہو اسے ختم کرنے کی کوشش ایک ہلاکت کی راہ ہے۔ پہلی بہت سی قومیں اسی راہ سے برباد ہوئیں — اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایسے اختلافات میں حضورؐ نے امت کو ایک عمل پر رکھنے میں کوئی خوشی محسوس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے جس وسعت کا دروازہ کھولا اسے کون بند کرسکتا ہے؟

اُمت کے وسعتِ عمل کو روکنا حضورؐ کو پسند نہیں۔

ہمارے دور کے غیر مقلد اپنی ساری فقہی کوششوں میں اس طرف لگ گئے ہیں کہ کسی طرح یہ چار فقہی مذہب ایک ہو جائیں۔ عہد قدیم میں کچھ لوگوں کی یہ خواہش رہی ہے کہ یہ مختلف قرأتیں ایک ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس طلبِ وحدت سے ہرگز خوش نہ ہوتے۔ میدانِ حدیث میں بھی جب حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ تم نمازِ عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھو۔ دو مختلف طریقوں سے عمل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا تخطئہ نہ فرمایا — حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں :-

فلم يعنف واحدا منهم۔[1]

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک فریق کو بھی اس میں غلطی پر نہ پایا۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :-

ولهذا الحديث طرق جيدة عن عائشة وغيرها وقال قد اختلف العلماء في المصيب يومئذ من هو بل الاجماع على ان كلاً من الفريقين ماجور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱

معذور غیر معنف۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث کے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہونے کے اور بھی کئی جید طرق ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان دو میں سے صحیح بات پر پہنچنے والا کون تھا۔ ہاں اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر یافتہ اور عذر رکھنے والے ہیں ان میں سے کسی کی توبیخ نہیں فرمائی۔

حضرت عمروؓ بن عاصؓ کو ایک رات غسل کی ضرورت پیش آئی سردی بہت تھی آپ نے غسل نہ کیا اور تیمم کرلیا۔ آپ گرم پانی سے غسل کر سکتے تھے۔ آپ نے اجتہاد کیا اور تیمم کرلیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے انہیں کوئی ملامت نہ کیا حضرت امام بخاریؒ لکھتے ہیں :-

ان عمروؓ بن العاص اجنب فی لیلۃ باردۃ فتیمم وتلا ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ بکم رحیما فذکر ذلک للنبیؐ فلم یعنف۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عمروؓ کو ایک سرد رات میں غسل کی حاجت ہوئی تو آپ نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی کہ اپنے آپ کو (بلاوجہ) قتل نہ کرو بے اللہ تعالےٰ بڑا رحیم ہے۔ حضورؐ کو یہ بات بتائی گئی تو آپ نے اس پر کوئی انکی ملامت نہ کی۔

اجتہادی مسائل میں اسلام نے انسانی فطرت کا بہت احترام کیا ہے۔ ایسے امور میں اختلاف ہونا انسانی فطرت میں سے ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے امت پہ اس کی راہ بند نہیں کی اور نہ یہ مطالبہ کیا ہے کہ تمام فقہی امور امت میں صرف ایک ہوں۔ امت عقائد میں ایک رہے اور مسائل میں وسعتِ عمل سے چلے تو ہمیں اس پہ کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ سعودی عرب کے بلند پایہ عالم شیخ عطیہ ابو سالم لکھتے ہیں :-

ان الاختلاف امر من لوازم البشر ولا یمکن رفعہ وانہ لا یشکل خطرًا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۴۹ [2] البدایہ جلد ۴ صد ۱۱۱

علی الامۃ فقد کانوا یختلفون فی الرای مع اتحاد کلمتھم وتوحید صفوفھم[1]

ترجمہ۔ اختلاف رائے لوازم بشریت میں سے ہے اس کا کلیۃً اُٹھا دینا ممکن نہیں اور اس سے امت پر کوئی خطرہ بھی نہیں آتا صحابہؓ اور تابعین اتحاد کلمہ اور توحید صفوف کے باوجود آپس میں کتنے اختلاف کرتے رہے (کیا ان کو اس سے کوئی ضرر پہنچا)۔

نیز آگے جا کر لکھتے ہیں :-

النظر و الاجتہاد ضرورۃ من ضروریات ھٰذہ الامۃ کما قال الاصولیون ان النصوص متناھیہ والاحداث غیر متناھیۃ فلابد من اجتہاد لایجاد احکام لما یستجد من احداث وھنالک یقع الاختلاف الی ای اصل ترد ۔۔۔۔ وھٰذا النوع من الاختلاف قد اقرتہ الشرائع السماویۃ الاخری[1]

ترجمہ: مسائل میں غور اور اجتہاد کرنا جیسا کہ علماء اصول نے کہا ہے اس امت کی قومی ضروریات میں سے ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص گنتی کی ہیں۔ اور نئے پیدا ہونے والے واقعات ان گنت ہیں بس لازمی طور پر اجتہاد کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ ان مسائل کے احکام سامنے لائے جاسکیں جو نئے پیدا ہو رہے ہیں۔ یہاں اختلاف پیدا ہوگا کہ اب ان نئے مسائل کو کسی اصل کی طرف لوٹایا جائے اور اس طرح کا اختلاف تو پہلی امتوں میں بھی واقع ہوا ہے اور پہلی آسمانی شریعتوں نے بھی اسے قائم رکھا۔

اسلام اگر چاہتا کہ امت میں فروعات میں بھی کسی قسم کا کوئی اختلاف راہ نہ پاسکے اور اسلام اجتہاد کا دروازہ نہ کھولتا اور مخطی کو بھی اجر سے نہ نوازتا۔

---

[1] موقف الامۃ من اختلاف الائمہ ص۱۴

کسی امام کا اجتہاد نص کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہو پاتا

یہ صحیح ہے کہ ایک ایک پیش آمدہ ضرورت میں اجتہاد مختلف سمتوں میں چلا ہے لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی امام کا اجتہاد کتاب وسنت کی نص سے متصادم نہیں ہوا۔ اجتہاد کے مختلف پیرائے اور مختلف نتیجے ہو سکتے ہیں لیکن ائمہ کی علمی عظمت کا لازمہ ہے کہ وہ کبھی کتاب وسنت سے ٹکرا نہیں پاتے۔ جو شخص پورا قرآن پڑھا ہوا ہو وہ قرآن کی کسی نص سے بھلا کیسے ٹکرا سکتا ہے۔ شیخ عطیہ ابو سالم لکھتے ہیں:۔

والنتیجة الحتمیة لهذا هی اننا نجزم یقیناً بحقیقة واقعیة کما نجزم بحقیقة اللیل واللیل والنهار والشمس والقمر وهی ان کل امام من الائمة الاربعة رحمهم الله وبل وغیرهم من علماء السلف لن یقول قولاً مخالفاً به نصا من کتاب الله او من سنة رسول الله وهم اشد الناس حذراً من ذلك۔[1]

ترجمہ۔ اس بات میں حتمی نتیجہ یہی ہے اور ہم اس حقیقت واقعہ کا اسی طرح یقین رکھتے ہیں جس طرح ہمیں رات اور دن اور سورج اور چاند کی حقیقت پہ یقین ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بلکہ دوسرے علمائے سلف میں سے بھی کوئی ہرگز ایسی بات نہ کہے گا جس سے کتاب اللہ یا حضورؐ کی سنت سے کوئی ٹکراؤ ہوتا ہو وہ حضرات کتاب وسنت کی مخالفت سے بہت ہی زیادہ بچنے والے تھے۔

سو ان میں جو اختلاف ہوئے وہ فہم نصوص میں ہوئے اور یہ اختلاف فہم لوازم بشریت میں سے ہے۔ اب ان میں سے کسی پر کتاب وسنت کی مخالفت کا الزام کسی طرح نہ لگ سکے گا۔

---

[1] موقف الامة من اختلاف الائمہ ص۱۸

اب جب آج کے جہلاء تک یہ کہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی تو اس علم و فہم کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں کہ اختلاف نصوص میں نہیں ہوتا فہم نصوص میں ہوتا ہے۔

سو وہ لوگ ہرگز راستی پر نہیں جو فقہی اختلاف میں امت کو ایک موقف پر لانا چاہتے ہیں۔

اللہ اور اس کے رسولِ برحق نے کہیں اس اختلاف رائے کو دبانے اور پوری امت کو ایک فقہی موقف پر لانے کی دعوت نہیں دی۔ یہ اختلاف علماء اعیانِ امت کے لیے ایک نعمت ہے، یہ نقمت نہیں ہے۔ اختلاف علماء ایک رحمت ہے یہ مصیبت نہیں ہے وہ علماء اہل بدعت میں سے ہیں جو ائمہ اربعہ کے اس اختلاف کو امت میں انتشار کا سبب قرار دیتے ہیں یہ تہمت سلیمان بن سحیم نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی پر لگائی تھی کہ آپ اختلافِ ائمہ کو امت کے لیے مصیبت سمجھتے ہیں آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق امت کے فقہی اختلافات کو ہرگز مصیبت اور نقمت نہیں سمجھتے حضرت الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

ان الرجل افترىٰ عليّ اموراً لم اقلها ولم يأت اكثرها على بالى (فمنها) قوله انى مبطل كتب المذاهب الاربعة وانى اقول ان الناس من ستمائة سنة ليسوا على شيء وانى ادعى الاجتهاد وانى خارج عن التقليد وانى اقول ان اختلاف العلماء نقمة وانى اكفر من توسل بالصالحين [1]

ترجمہ۔ اس شخص نے مجھ پر کئی افتراء باندھے ہیں میں نے وہ باتیں نہیں کیں اور ان میں بیشتر کی ذمہ داری مجھ پر نہیں آتی۔ ان میں ایک افتراء یہ ہے کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو جھٹلاتا ہوں اور یہ کہ میں کہتا ہوں کہ لوگ (ترک اجتہاد سے) چھ سو سال سے کسی راہ پر نہیں ہیں۔ ایک الزام مجھ پر یہ بھی ہے کہ میں خود

---

[1] مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱ ص ۶۴

مجتہد ہونے کا مدعی ہوں اور یہ کہ میں تقلید سے نکلا ہوا ہوں اور یہ کہ میں اختلاف علماء کو ایک مصیبت سمجھتا ہوں اور یہ کہ میں ان لوگوں کو جو نیک لوگوں سے توسل پکڑتے ہیں میں کافر قرار دیتا ہوں۔

اس میں یہ جملہ کہ اختلاف العلماء نقمۃ زیادہ قابل غور ہے حضرت شیخ اسے اہل حق کے خلاف ایک افترائی کارروائی قرار دے رہے ہیں۔ سو معلوم ہوا کہ آج کل کے غیر مقلد اپنے آپ کو اہلحدیث (باصطلاح جدید) کہتے ہیں۔ اپنے اس دعویٰ میں کہ صحابہؓ و تابعین اور ائمہ اربعہ کے اختلافات امت کے لیے انتشار کا موجب ہوئے ہرگز اہل حق سے نہیں ہیں۔ یہ ایک بدعتی راہ ہے جو سلف صالحین کی پیروی کے مقابل کھڑی کی گئی ہے۔ حضرت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اپنے غیر مقلد ہونے کی اسی پیرائے میں نفی کی ہے۔

انّی وللّٰہ الحمد متبع ولست بمبتدع عقیدتی و دینی الذی ادین بہ مذھب اھل السنّۃ والجماعۃ الذی علیہ ائمۃ المسلمین مثل الائمۃ الاربعۃ واتباعھم الیٰ یوم القیٰمۃ۔[1]

ترجمہ۔ میں بحمدہ تعالیٰ ائمہ سلف کا متبع ہوں بدعتی نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور دین وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے جس پر ائمہ مسلمین جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے پیرو چلے آ رہے ہیں۔

چاروں فقہی مذاہب کو ایک موقف پر لانے کی اس کوشش کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے امت مسلمہ کے پہلے تین چوتھائی طبقے کو اللہ اور اس کے رسول برحق کی راہ کے خلاف باطل پر ماننا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ تخطئہ امت کی اس غیر مقلدانہ کوشش کی کسی درجہ میں تائید نہیں کی جا سکتی یہ خیر امت ہی کیا ہوئی اگر پوری کی پوری گمراہی میں گھر گئی حق یہ ہے کہ کسی مجتہد کی پیروی کرنا اور اس سے طلب دلیل نہ کرنا ہرگز کوئی امر مذموم نہیں اور پوری امت کا تقلید پر جمع ہو جانا ہرگز کوئی گمراہی نہیں ہے

[1] مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱۱ صفحہ ۳۶

اپنے آپ سے ایک زبردست ٹکراؤ

غیر مقلدین کا عام طریق واردات یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن و حدیث موجود ہے. ہمیں کسی اور تیسری چیز کی ضرورت نہیں. اس سے ان کی غرض فقہ کا انکار اور اس کی عدم ضرورت کا التباس ہوتا ہے. یہ لوگ عام کہتے ملیں گے کہ ہمارے لیے قرآن اور حدیث بس ہے. اور ہمیں ہر بات انہی میں ملتی ہے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں.

لیکن پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے جب وہ اس غلط موقف کے متحمل نہیں ہو سکتے. تو جھٹ اس بات پر آجاتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے بعد ہمیں اجتہاد سے چارہ نہیں لیکن وہ اجتہاد ہمیں کوفہ کا نہیں یمن کا چاہیئے. اس سے ان کی مراد زیدی شیعہ کے متندر عالم امام شوکانی کے افکار کی پیروی ہوتی ہے. اسی پیش منظر سے وہ کوفی فقہ نہیں یمنی فقہ کے گرویدہ ہوتے ہیں.

زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ نہ مانیں تو پہلے دور کے مجتہدین امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) امام محمد (۱۸۹ھ) امام شافعی (۲۰۴ھ) اور امام احمد (۲۴۲ھ) میں سے کسی کی فقہ کو نہ مانیں اور ماننے پر آجائیں تو شیعوں کے زیدی فرقہ کے امام شوکانی (۱۲۵۵ھ) کی فقہ کو تسلیم کرلیں. دیکھیئے جو لوگ کوفی افکار سے گریزاں تھے. کس طرح یمنی افکار کے آگے جھک گئے. غیر مقلدین کا ہفت روزہ الاعتصام اپنی ۱۳. جنوری ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:-

میں پاکستانی قانون دانوں اور قانون سازوں اور داعیان اسلام سے پُرزور اپیل کروں گا کہ وہ یمنی زرخیز افکار اور تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں خاص طور پر شریعت کو قانونی روپ میں ڈھالنے کی یمنی کوششوں سے —— اگر امتِ اسلامیہ میں دستوری فقہی اور اجتماعی اجتہاد کے میدانوں میں پرخلوص تعاون اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے کے

دروازے کھل گئے تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپہنچی۔[1]

کہاں وہ آواز کہ قرآن و حدیث کے بعد ہمیں کسی فقہ کی ضرورت نہیں اور کہاں یہ آواز کہ اسلام کی پہلی صدیوں کا اجتہاد کافی نہیں ہمیں موجودہ دور میں بھی اجتہاد کی ضرورت ہے تاکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں دنیا کے سامنے آئے۔

الاعتصام کا مضمون نگار لکھتا ہے:۔

اسلام تاقیامت اللہ تعالیٰ کا انسانیت کے نام آخری اور مکمل ضابطۂ حیات ہے جو بصرف نظر زمان و مکان اور رنگ و زبان سارے ہی انسانوں کے لیے واحد راہِ نجات ہے۔ اس ضابطۂ حیات کو ہر وقت اور ہر جگہ قابل عمل بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کا دروازہ کھولا اور اس کو سارے انسانی مسائل کے بند قفلوں کو کھولنے کے لیے شاہ کلید بنایا۔[2]

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مقلدین اب ضرورت اجتہاد پر ہمارے موقف پر آگئے ہیں۔ صرف یہ فرق باقی رہ گیا ہے کہ وہ پہلے ادوار کے اجتہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اس آخری دور کے نئے نئے مجتہدین کو وہ قرآن و حدیث کے بعد اپنا تیسرا علمی ماخذ مانتے ہیں اہلسنت قرون ثلٰثۃ مشہور لہا بالخیر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرنا سلامتی کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ہمارے غیر مقلد دوست اپنے اس مؤقف میں خود اپنے ساتھ ایک زبردست ٹکراؤ کا شکار ہیں۔ مضمون نگار موصوف اجتہاد کی علمی قوت تسلیم کرنے کو ایمانیات میں سے سمجھتا ہے:۔

اسی لیے نہ صرف عقیدے کو درست رکھنے کے لیے مجتہدین کے وجود اور اجتہاد پر ایمان رکھنا ضروری ہے بلکہ اس دین کے ناپید نہ ہونے کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ مجتہدین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت فرمائی ہے۔[3]

---

[1] ہفت روزہ الاعتصام ص۱۷ ۱۳ جنوری ۱۹۹۵ء [2] ایضاً ص۱۴ [3] ایضاً ص۱۶

دنیا میں مخالف لشکروں سے ٹکراؤ تو آپ نے عام دیکھا ہوگا. لیکن غیر مقلدین حضرات کا اپنے آپ سے ٹکراؤ کسی طرح ایک المیہ سے کم نہیں ہے. آپ دیکھیں کہ عراقی فقہ سے بھاگتے ہوئے انہوں نے کس طرح یمنی فقہ کے سائے میں پناہ لی ہے. اور اپنی پوری جماعت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ یمنی افکار و تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اب کیا اُن کی جماعت میں کوئی ایسا متبصر ہے جو کہے کہ مدنی فقہ و افکار کے ہوتے ہوئے ہمیں یمنی فقہ و افکار کی کیا ضرورت ہے؟ یا قوم الیس منکم رجل رشید.

ہم ہفت روزہ الاعتصام لاہور سے مذکورہ بالا حوالے لینے میں اس ادارے کے صمیم قلب سے متشکر ہیں.

سلفی کی اِصطلاح

سلفی کی اصطلاح اور اُس کا علمی جائزہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

تاریخ اسلام میں سلفی وہ لوگ ہیں جو ان مسائل میں جن میں قرآن و حدیث کی صریح راہنمائی نہ ملے سلف صالحین کی پیروی کریں اور ان کی دلیل کے درپے نہ ہوں۔ ان حدود میں سلف کی بلا دلیل پیروی سے ہی انسان سلفی بنتا ہے اور اسلاف کی بلا دلیل پیروی کو ناجائز جاننے والا سلفی نہیں غیر مقلد کہلائے گا۔ اس پہلو سے سلفی اور غیر مقلد دو متوازی اصطلاحیں ہیں۔ نہ کسی پہلے دور میں سلفی غیر مقلدین تھے اور نہ اب انہیں سلفی کہا جا سکتا ہے۔ یہ غیر مقلد علماء کا سعودی عرب کے مقلد علماء سے اشیر باد حاصل کرنے کا ایک لفظی فریب ہے جس پر پردہ ڈالا گیا ہے۔ سو ضروری ہے کہ یہاں کے عام مسلمان سعودی حکومت اور ان کے علماء کو یہاں کے "اہل حدیث" (باصطلاح جدید) کہلانے والے گروہ کے آئینے میں نہ دیکھیں۔ سعودی عرب کے علماء مع شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مقلدین میں سے ہیں اور وہ چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید پر انکار نہیں کرتے نہ اسے حرام اور شرک سمجھتے ہیں نہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

غیر مقلد حضرات کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد اور ان کے طریقے کے پیرو مولانا محمد شاہجہانپوری اپنے گروہ کے بارے میں بڑی وضاحت سے لکھتے ہیں:۔

> پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے دنوں ہی سے سُنا ہے اپنے آپ کو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرون اولیٰ یا قرون وسطیٰ میں یہ لوگ کہیں موجود نہ تھے۔ یہ ایک جدید فرقہ ہے جو حال ہی میں پیدا ہوا ہے۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ مولانا شاہجہانپوری کے دور میں غیر مقلدین

---

[1] الارشاد الی سبیل الرشاد ص ۱۳

غیر مقلدین بس انہی ناموں سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ ان ناموں میں آپ کو سلفی کا نام کہیں نظر نہ آئے گا بخلاف اس کے مقلدین پر سلفی کا اطلاق پہلے ادوار میں بھی ملتا ہے۔ حافظ عمرو بن صلاح (۶۴۳ھ) سے کون واقف نہیں۔ آپ شافعی المذہب تھے اور آیاتِ صفات میں کسی تاویل اور وضاحت کے حق میں نہ تھے۔ آپ صحابہؓ کی راہ پر چلے اور اشاعرہ کی طرح کسی تاویل میں نہیں گئے۔ اصولِ حدیث میں "مقدمہ ابن صلاح" انہی کی گراں مایہ تالیف ہے۔ علامہ شمس الدین ذہبیؒ (۷۴۸ھ) اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وکان ابن صلاح سلفیا۔[۱]

ترجمہ۔ یہ ابو عمرو بن صلاح سلفی العقیدہ تھے۔

یہاں ابن صلاح جو شافعی المذہب تھے کو سلفی کہا گیا ہے۔ غیر مقلدین کا تعارف سلفی کے نام سے نہ پہلے کبھی ہوا ہے نہ اب ہے۔ ان کا اس دورِ جدید میں سلفی بننا صرف سعودی عرب کے علماء کو مغالطہ دینے کے لیے ہے جو مقلدین ہیں اور حنبلی فقہ پر چلتے ہیں۔ برمنگھم کے اہل حدیث آرگن نے سلفی کی یہ نئی تعریف کی ہے:۔

سلفی بھی کہا جاتا ہے یعنی قرآن و حدیث کو سلف صالحین کی طرح قبول کرنے والے۔۔۔۔ جب ہم سلف صالحین کہتے ہیں تو ہم وہاں کسی مخصوص محدثؒ یا فقیہ کو مراد نہیں لیتے۔[۲]

سلفی کی یہ نئی تعریف جو اس گروہ نے کی ہے آپ کو سلف صالحین میں کہیں نہ ملے گی پھر اگر سلفی کے یہ معنی ہو سکتے ہیں "قرآن و سنت کو سلفِ صالحین کی طرح قبول کرنے والے" تو حنفی کے یہ معنی کیوں نہیں ہو سکتے "قرآن و سنت کو امام ابو حنیفہؒ کے طریقہ پر قبول کرنے والے" پھر شافعی کے یہ معنی کیوں نہیں ہو سکتے "قرآن و سنت کو امام شافعیؒ کے طریقہ پر قبول کرنے والے" اور مالکی اور حنبلی کے یہ معنی کیوں نہیں ہو سکتے "قرآن و سنت کو امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے طریقہ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص۲۱۵ [۲] ماہنامہ صراطِ مستقیم ص۸

پر قبول کرنے والے ——— سلفی کی طرح یہ بھی تو پہلے لوگوں کی طرف نسبتیں ہیں اور یہ ضرورت کے وقت سلف کی بات کو بلا دلیل ماننے کا نام ہے۔ یہ بلا دلیل ماننے میں مراد اس مجتہد کی خاص دلیل ہے جس کی بناء پر اس نے یہ فیصلہ کیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مقلد کے پاس اپنے اس موقف کی حمایت میں اور کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک لکھتے ہیں :-

ان التقليد هو قبول قول الغير من غير معرفة دليله واما معرفة دليله فليس الا وظيفه المجتهد والتقليد مناط العمل۔[1]

"تقلید کسی دوسری بات کو اس کی دلیل جانے بغیر ماننے کا نام ہے اس کی دلیل جاننا یہ صرف مجتہد کی ذمہ داری ہے اور تقلید کا تعلق صرف عمل سے ہے، علم سے نہیں۔

قرآن وسنّت کو اصل مآخذ شریعت مان کر سلفی کا عنوان اختیار کرنا قرآن وحدیث سے بغاوت نہیں تو حنفی شافعی مالکی اور حنبلی ہونے کے معنی بھی قرآن وسنّت سے بغاوت کے نہیں ہو سکتے۔ یہ قرآن وسنّت کو اصل مآخذ مانتے ہوئے ان ائمہ کرامؒ کی علمی رہنمائی میں چلنے کا نام ہے۔ پھر ہر طالب علم جانتا ہے کہ حنفی فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کو مطاع کامل نہیں مانتے۔ کئی مقامات پر امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی پیروی کرتے ہیں اور کبھی امام مالکؒ کی پیروی بھی کرلی جاتی ہے۔ حنفی فقہ کوئی شخصی فقہ نہیں۔ ایک شورائی فقہ ہے جس کی تدوین امام ابوحنیفہؒ کی سرپرستی میں ہوئی۔

اس پس منظر کے ساتھ کسی شخص کا یہ سمجھنا کہ فقہ حنفی میں حضرت امام کو اس طرح مطاع کامل مانتے ہیں جس طرح نبی کو ہر باب میں خطا سے بالا سمجھا جاتا ہے درست نہیں۔ ایسا امام کی پیروی کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اس ماہنامہ میں سلفی کے جو معنی

---

[1] نقلاً عن خلاصۃ التحقیق للشیخ عبدالغنی النابلسی ص۲ طبع استنبول

کیے گئے وہ سلف میں کہیں نہیں ملتے. آپ دیکھ آئے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے حافظ ابوعامر بن صلاح کو سلفی لکھا ہے حالانکہ وہ شافعی المذہب تھے. اور اگر سلفی کا معنی یہ ہوتا کہ کسی مخصوص محدث یا فقیہ کی راہنمائی میں نہ چلنے والے تو ابن صلاح شافعی کو کس طرح سلفی کہا جا سکتا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ سلفی کسے کہتے ہیں اور اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر مقلدین کو تاریخ میں کبھی سلفی نہیں کہا گیا. نہ یہ سلف کے دور میں کبھی تھے. یہ لوگ ابھی ابھی سلفی کہلانے لگے ہیں. پھر درایۃً بھی ان لوگوں کی بیان کردہ سلفی کی تشریح لائق قبول نہیں کہ یہ قرآن وسنت کو سلف صالحین کی طرح ماننے والوں کا نام ہے. یہ اس لیے کہ سلف صالحین بھی تو کسی ایک طریقہ پر نہ تھے بلکہ سلف صالحین میں وہ تمام اختلافات موجود تھے جو بعد میں ائمہ اربعہ کے ہاں واقع ہوئے. یہ صحابہ کرامؓ کے فقہی اختلافات ہی تھے جو بعد میں ائمہ کے ہاں مدون اور منضبط ہوئے. ائمہ کرامؒ نے اختلافات پیدا نہیں کیے انہوں نے انہیں اوپر سے لیا ہے. ائمہ نے ان ہی کو مرتب اور منضبط کیا ہے. ان کی کوشش سے بیسیوں اختلافات سمٹ کر چار میں محدود ہو کر رہ گئے. اب جو شخص ان اختلافات کی بنا پر مسالک اربعہ کو افتراق وانتشار کا موجب بتلاتا ہے اور انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ اختلافات تو صحابہؓ کے درمیان بھی پائے جاتے تھے. اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ امت میں افتراق وانتشار کا سبب صحابہ کرامؓ کو قرار دینا شیعہ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا اس طرح یہ غیر مقلدین چھوٹے شیعہ نہیں؟

علاوہ ازیں سلفی کے معنی اگر غیر مقلدین والے کیے جائیں تو لازم آتا ہے کہ سلف میں ایک ہی طریقہ گزرا ہو جو موجودہ زمانہ کے اہل حدیث کا ہے اور یہ بداہۃً غلط ہے. حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا معنی خود صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے منقول ہے کہ یہ مقتدی کے بارے میں نہیں. پھر امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے. پھر حضرت سفیان بن عیینہؒ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے بارے [illegible] ائمہ سلف صالحین میں سے نہ تھے اور کیا آج اس شخص کو جو امام کے

پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے یا رکوع جاتے وقت رفع یدین نہ کرے، کہیں سلفی کہتے ہیں؟ اگر نہیں تو سلفی کا یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو قرآن و سنت کو سلف کے مطابق مانے وہ سلفی ہے۔ نہ سلف کسی ایک طریقہ پر تھے اور نہ کسی ایک طریقہ کے پابند کو سلفی کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد کے غیر مقلدین کو سلفی کہنا سلف کی اس تاریخ سے ایک کھلا مذاق ہے۔ سلف میں بھی مختلف مسائل میں کئی مذاہب تھے۔ شیخ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں:۔

ان مذاهب السلف الماضيين من الصحابة والتابعين رضوان الله تعالیٰ عليهم اجمعين كثيرة لا تكاد تنحصر الآن عددًا وكلها اجتهادات استوفت الشروط فاستفادت من الله معونةً وعددًا او لا يجوز لاحد الطعن في شیء منها ابدًا كما قال الشيخ عبد الرؤف المناوی فی شرح الجامع للسيوطی۔[1]

ترجمہ: سلف صحابہؓ ہوں یا تابعینؒ اور تبع تابعین اللہ ان سب سے راضی ہو ان کے مذاہب بہت تھے انہیں گنا نہیں جا سکتا اور یہ ایسے اجتہادات ہیں جو اجتہادی شرطوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملی اور کسی کو ان میں سے کسی پر طعن کرنے کا حق نہیں ہے۔

اب آپ ہی سوچیں ان میں سے کس کے طریقے کو سلفی کہا جائے گا اور کس کو غیر سلفی — حق یہ ہے کہ یہ سب اسلاف تھے اور ان میں سے ہر ایک مذہب سلفی طریق شمار ہو گا۔

اسلاف کے مختلف طریق عمل امت کے دوائر وسعت عمل ہیں۔

سلف میں صحابہؓ کے مختلف طرق عمل کو کبھی انتشار امت کا سبب نہیں ٹھہرایا گیا — ان اختلافات کو ہمیشہ امت کا دائرہ وسعت عمل سمجھا گیا ہے۔ یہ پراپیگنڈہ کہ یہ مختلف طرق عمل امت

[1] خلاصۃ التحقیق ص۳ للشیخ عبدالغنی النابلسی

کے لیے مصائب کا موجب ہوئے کبھی اہل حق کی صدا نہیں رہی۔ وہ ہمیشہ اس اختلاف کو رحمت اور وسعتِ عمل سمجھتے آئے ہیں۔ اب بھی جو شخص صحابہؓ کے ان فقہی اختلافات کو موجب انتشارات ٹھہراتا ہے وہ یقیناً اہلِ حق میں سے نہیں، شیعوں کی ہی کوئی شاخ ہوگا۔ جو ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے صحابہؓ کو امت میں انتشار پیدا کرنے والا ثابت کریں۔

سلیمان بن سحیم نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی پر جو الزام لگا رکھے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ امت کے فقہی اختلافات کو مصیبت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اہل حق کے ہاں اختلاف امت رحمت ہے۔ آپ سلیمان بن سحیم کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ان الرجل افتریٰ علیّ امورًا لم اقلها ولم یأت اکثرها علی بالی (فمنها) قوله انی مبطل کتب المذاهب الاربعة وانی اقول ان الناس من ستمائة سنة لیسوا علی شیء وانی ادعی الاجتهاد وانی خارج عن التقلید وانی اقول ان اختلاف العلماء نقمة وانی اکفر من توسل بالصالحین[1]

ترجمہ۔ اس شخص نے مجھ پر بہت بہتانات باندھے ہیں جن میں سے کوئی بات میں نے نہیں کہی۔ نہ ان کی مجھ پر کوئی ذمہ داری آتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ افتراء ہے کہ میں مذاہبِ اربعہ کی کتابوں کو غلط ٹھہراتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں کہتا ہوں لوگ چھ سو سال سے راہِ مستقیم چھوڑے ہوئے ہیں (تقلید پر قانع ہو گئے ہیں) اور تیسرے یہ کہ میں مجتہد ہونے کا مدعی ہوں (خود اجتہاد کرتا ہوں) اور چوتھے یہ کہ میں تقلید چھوڑے ہوئے ہوں۔ اور پانچویں یہ کہ میں یہ کہتا ہوں کہ فقہاء کا اختلاف موجب مصیبت ہے۔ اور چھٹے یہ کہ جو صالحین امت سے توسل کریں میں انہیں کافر سمجھتا ہوں۔

اس میں یہ تصریح ہے کہ فقہاء کے اختلاف کو مصیبت کہنا جیسا کہ آج کل کے غیر مقلد کہتے

---

[1] مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبد الوہاب جلد ۱۱ صد ۱۲، صد ۶۴ مطابع الریاض

ہیں کہ امت کا یہ سارا انتشار مذاہب اربعہ کی وجہ سے ہے ہرگز اہلِ حق کا موقف نہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسے ایک افتراء اور بہتان سے زیادہ وقعت نہیں دی۔ ان اختلاف العلماء نقمۃ کبھی علماء حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔

اسلافِ امت کیا صرف صحابہؓ و تابعینؒ ہیں یا ائمہ اربعہؒ بھی

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے سلف صالحین کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی ہے :-

نشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم الشافع المشفع صاحب المقام المحمود نسأل الله الكريم رب العرش العظيم ان يشفعه فينا و ان يحشرنا تحت لوائه هذا اعتقادنا وهذا الذي مشى عليه السلف الصالح من المهاجرين و الانصار والتابعين وتابع التابعين والائمة الاربعة رضي الله عنهم اجمعين وهم احب الناس لنبيهم و اعظمهم في اتباعه وشرعه۔[1]

ترجمہ۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ صاحبِ مقام محمود ہیں ہم اللہ کریم جو عرش عظیم کا رب ہے سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ حضورؐ کو ہمارا شافع ٹھہرائے اور ہمیں آپ کے جھنڈے تلے اٹھائے یہی ہمارا اعتقاد ہے اور یہی وہ عقیدہ ہے جس پر سلف صالحین گزرے ہیں جو مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ۔ تابعین تبع تابعین اور ائمہ اربعہؒ تھے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا۔ یہ حضرات اپنے نبی کی سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور آپ کی اتباع

---

[1] مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب جلد ۱۱ صـ۴۹

میں اور آپ کی لائن میں سب سے آگے چلنے والے تھے۔

پھر آپ نے یمن کے والی البکیلی کو جو خط لکھا اس میں بھی آپ لکھتے ہیں:۔

واما ماذکرتم من حقیقة الاجتهاد فنحن مقلدون الکتاب والسنة وصالح سلف الامة وما علیه الاعتماد من اقوال الائمة الاربعة ابی حنیفة النعمان بن ثابت ومالک بن انس ومحمد بن ادریس واحمد بن حنبل[1]

ترجمہ۔ آپ نے جو اجتہاد کا ذکر کیا ہے سو معلوم رہے کہ ہم مقلد ہیں کتاب وسنت کے اور سلف صالح امت کے اور ائمہ اربعہ کے اقوال کے جن پہ اعتماد کیا جاتا ہے ان کی بات اعتماداً مانی جاتی ہے (ان سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اور وہ امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی اور امام احمد ہیں۔

اعتماد کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

جن مسائل میں قرآن وحدیث کی صریح راہنمائی موجود ہو ان میں کسی پہ اعتماد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن وحدیث کی نصوص ہوتے ہوئے کسی کی پیروی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ضرورت کب پڑتی ہے جب کوئی مسئلہ واضح طور پہ قرآن وسنت میں نہ ملے اس میں اجتہاد درکار ہو اور انسان اپنے میں اجتہاد کی شرطیں نہ پائے۔ تب وہ کسی مجتہد پہ اعتماد کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

سلفی کے اصل معنی

اگر کسی مسئلے میں قرآن وسنت کی صریح راہنمائی نہ ملے اور انسان اپنے سے پہلے لوگوں کو کسی عمل پہ پائے تو ان کے اعتماد پہ اس راہ کو اختیار کرے۔ ان سے دلیل پوچھنے کے درپے نہ

[1] مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب جلد ۱ صفحہ ۹۶

ہو۔ اسے پہلوں کی پیروی کہتے ہیں اور سلفی کے یہی معنی سلف میں ملتے ہیں۔ اس صورت میں پہلوں کی بات پر بلا طلب دلیل عمل کرنے والا سلفی کہلائے گا ــ اس دلیل تک پہنچنا اس کی استعداد میں نہیں ہے۔

مثال ۱ : ہاتھی کی ہڈیوں سے کوئی استعمال کی چیز (جیسے کنگھی وغیرہ) بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ مردار کے جسم کا ایک حصہ ہے۔ اس میں قرآن و سنت کی کوئی صریح راہنمائی موجود نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ مردار کلیتہً حرام ہے۔ حضرت امام زہریؒ (۱۲۴ھ) نے اس میں پہلے لوگوں سے جو اہل علم سمجھے جاتے تھے تمسک کیا ہے اور آپ اس میں ان سے دلیل کے درپے نہ ہوئے۔ یہ بلا طلب دلیل ان کے عمل پر چلنا ہے اور یہی سلفیت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:-

قال الزهری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسا من سلف العلماء ویمتشطون بها ویدهنون فیها لا یرون به باسا وقال ابن سیرین وابراهیم لا بأس بتجارة العاج۔[1]

ترجمہ۔ امام زہری ہاتھی جیسے حرام جانور کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے علماء سلف کو ان کی کنگھی استعمال کرتے پایا ہے اور وہ اس سے تیل رکھنے کے برتن بھی بناتے تھے۔ اس میں کوئی حرج محسوس نہ کرتے تھے۔ امام ابن سیرین اور امام نخعی کہتے ہیں ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہر چیز کے لیے قرآن و حدیث سے سند تلاش کی جائے یہ سلف میں نہ تھا وہ کھلے بندوں پہلوں کی پیروی کرتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ حضرت امام زہری فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت روزوں کی قضا کرے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اس بات کا ثبوت کہاں ہے آپ نے فرمایا:-

هذا ما اجتمع الناس علیه ولیس فی کل شیء نجد الاسناد۔[2]

ترجمہ۔ یہ وہ بات ہے جو لوگوں میں قائم ہے اور ہر بات پر تو سند نہیں ملتی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ صفحہ ۳۳۲

یہ سلف کی بلا دلیل پیروی کی مثال ہے۔ امام زہری جیسا جلیل القدر محدث اپنے سے پہلے علماء کی بلا دلیل پیروی کر رہا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ جن مسائل میں کتاب و سنت کی نص موجود نہ ہو ان میں سلف کی بلا دلیل پیروی ہرگز کوئی عیب نہیں تھا۔ بلا دلیل کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بات بلا دلیل ہے۔ یہاں بلا دلیل سے مراد عمل کرنے والے کا اسے بلا طلب دلیل عمل میں لانا ہے یہی سلفیت ہے۔ سلف کی اس پیروی کو پہلے دور میں کہیں عیب نہیں سمجھا گیا سلف سے دلیل مانگنے والا کبھی سلفی نہیں ہو سکتا۔

یہ پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اوائل کی بات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے آئیے پھر آپ کو دوسری صدی کے شروع میں لے چلیں۔ حضرت امام قاسم بن محمد مجتہد ہیں۔ جہاں قرآن و سنت کا صریح حکم نہ ملے وہاں آپ اجتہاد کرتے ہیں۔ لیکن آپ کی احتیاط دیکھیے کہ سلف کے عمل کس طرح بلا دلیل قبول کرتے ہیں :۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعۃ توترلک ما صلیت قال القاسم ورأینا اناسا منذ ادرکنا یوترون بثلث۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز جوڑا جوڑا کر کے پڑھو۔ جب تم فراغت چاہو تو (اس کے ساتھ) ایک رکعت اور پڑھو اس سے تم پہلے پڑھی گئی نماز کو وتر کر لو گے (پہلا جوڑا اور یہ رکعت مل کر تین رکعت ہو جائیں گی) امام قاسم بن محمد (۱۰۵ھ) کہتے ہیں جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے ہم نے لوگوں کو تین رکعت وتر پڑھتے ہی پایا ہے۔

امام مالک کو امام زہری نے کہا کہ حضرت سعد ایک وتر پڑھ لیتے تھے۔ آپ نے اپنے زمانے کے اہل علم کے عمل کو اختیار کرتے ہوئے جواباً فرمایا :۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۵

قال مالکُ ولیس ھٰذا العمل عندنا ولکن ادنیٰ الوتر ثلٰث۔[1]

ترجمہ۔ ہمارے ہاں (مدینہ کے اہل علم میں) اس پر عمل نہیں وتر کی رکعات کم از کم تین ہیں۔

ظہر اسی وقت پڑھی جائے جب سورج اچھی طرح ڈھل جائے۔ اس پہ حضرت امام قاسم

سے سنیئے:۔

عن القاسم بن محمد انہ قال ما ادرکت الناس الا وھم یصلون الظھر بعشی۔[2]

یہ پہلی صدی کی آواز آپ نے سُن لی۔

حضرت امام عطاء (۱۱۵ھ) بھی اسی پیرایہ میں فرماتے ہیں:۔

عن عطاء قال ادرکت الناس یمشون الیھما مقبلین ومدبرین۔[3]

ترجمہ عطا سے مروی ہے کہ میں نے لوگوں کو کنکریاں مارنے کے لیے پیدل آتے جاتے ہی پایا ہے۔

دوسری صدی کے اوائل کا عمل آپ امام زہری (۱۲۴ھ) کے بیان سے معلوم کر چکے ہیں۔

امام زہری (۱۲۴ھ) کے بعد یحییٰ بن سعید الانصاری (۱۴۳ھ) کو دیکھیئے کس طرح اپنے وقت کے

اہل علم کے عمل سے استناد کرتے ہیں۔ امام بخاری ان سے نقل کرتے ہیں:۔

قال یحییٰ بن سعید الانصاری ما ادرکت فقہاء ارضنا الا یسلمون فی

کل اثنتین من النھار۔[1]

ترجمہ۔ میں نے اپنے علاقے کے فقہاء کو اسی عمل پہ دیکھا ہے کہ وہ دن کی نمازوں

میں کس طرح ہر دو رکعت پر بیٹھتے ہیں۔

پھر امام مالک (۱۷۹ھ) کو دیکھیئے وہ موطا میں کس طرح پہلے لوگوں سے استناد کرتے ہیں۔

سلف کی اسی پیروی سے سنت اسلام جاری ہوئی ہے۔ امام قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

عن القاسم بن محمد انہ قال ما ادرکت الناس الا وھم یصلون

الظھر بعشی۔[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ [2] موطا امام مالک صفحہ ۲ طبع مصر [3] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۲

ترجمہ. امام قاسم سے مروی ہے آپ نے کہا میں نے پہلے لوگوں کو اسی پر پایا کہ وہ ظہر سورج کے اچھی طرح ڈھلنے پر پڑھتے تھے.

پھر آگے جا کر اس مسئلے میں کہ مسافر اگر گھر آ کر بھی اپنی قضا نماز پڑھے تو قصر کرے. آپ لکھتے ہیں:۔

قال مالك وهذا الامر الذي ادركت عليه الناس واهل العلم ببلدنا.[1]

ترجمہ. اور یہ وہی صورت ہے جس پر میں نے لوگوں کو اور اپنے علاقہ کے اہل علم کو پایا ہے.

پھر اس مسئلہ میں کہ مقتدی جماعت کے لیے کس وقت کھڑا ہو. آپ لکھتے ہیں:۔

ومتى يجب القيام على الناس حين تقام الصلوٰة فقال لم يبلغني في النداء والاقامة الا ما ادركت الناس عليه فاما الاقامة فانها لا تثنى وذلك الذي لم يزل عليه اهل العلم ببلدنا واما قيام الناس حين تقام الصلوٰة فاني لم اسمع في ذلك بحد يقام له الا اني ارى ذلك على قدر طاقة الناس.[2]

ترجمہ. اور لوگوں کا تکبیر کے ساتھ نماز کے لیے کب کھڑا ہونا ضروری ہے؟ اس میں مجھے اذان اور تکبیر کے بارے میں کوئی بات نہیں پہنچی. سوائے اس کے کہ میں نے جس پر لوگوں کو پایا ہے اقامت دو دو دفعہ نہ کہی جائے. مدینہ منورہ میں اہل علم اسی پر رہے ہیں اور تکبیر کے وقت لوگوں کا کھڑا ہونا سو اس میں مجھے پہلوں سے کوئی حد بندی نہیں ملی. سوائے اس کے میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی طاقت پر موقوف ہے جب کسی سے بن آئے وہ کھڑا ہو جائے.

پھر آگے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

---

[1] مؤطا امام مالک صد۳۲ [2] ایضاً صد۹۱

ما أعرف شياء مما ادركت عليه الناس الا النداء للصلوٰة [۱]

ترجمہ۔ ان چیزوں میں سے جن پر میں نے پہلے لوگوں کو پایا ایک ندار الصلوٰۃ ہی ہے جو پہلے طریقے پر قائم ہے۔

رمضان کے روزے میں مسواک کرنا دن کے پہلے حصے میں ہو یا پچھلے پہر اسے مدینہ کے اہل علم نے ناپسند نہیں کیا آپ نے ان کے اسی عمل کو اختیار کیا۔ پھر آپ نے مدینہ کے اہل علم کو شوال کے چھ روزے رکھتے نہ دیکھا اس میں باوجودیکہ حدیث موجود تھی، آپ عمل اہل مدینہ پر رہے اسی طرح آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے اہل علم بلاکراہت جمعہ کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے اسی کو اختیار کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ میں کس طرح فقہائے علم کی تقلید رائج تھی۔ یہ اہل علم فقہ کے ساتھ پہچانے جاتے تھے اور ان میں وہ لوگ تھے جن کی امت میں پیروی کی جا سکے اور خود امام مالک بھی باوجود فقہ اور حدیث کا امام ہونے کے اپنے سے پہلے کے فقہار کی پیروی کرتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں :-

عن مالك انه سمع اهل العلم لا يكرهون السواك للصائم من رمضان في ساعة من ساعات النهار لا في اوله ولا في اخره ولم اسمع احدًا من اهل العلم يكره ذلك ولا ينهىٰ عنه قال يحيىٰ وسمعت مالكًا يقول في صيام ستة ايام بعد الفطر من رمضان انه لم ير احدًا من اهل العلم والفقه يصومها ولم يبلغني ذلك عن احد من السلف ..... ولم اسمع احدًا من اهل العلم والفقه ومن يقتدى به ينهىٰ عن صيام يوم الجمعة [۲]

اس عبارت میں اهل العلم والفقه کے ساتھ ومن يقتدى به کے الفاظ کو دیکھیں اس کا معنی ہے "وہ لوگ جن کی اقتدار کی جا سکے"۔۔۔۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے دور اوّل میں ایسے فقہار عام موجود تھے جن کی تقلید کی جا سکے اور یہ سب لوگ اپنے اپنے حلقہ میں امام

---

[۱] مؤطا امام مالک صد ۹۳ [۲] ایضًا صد ۲۹

سمجھے جاتے تھے اور یہ ائمہ اربعہ جن کی پیروی بعد میں امت میں جاری ہوئی خود بھی اپنے پیشرو اہل علم کی اقتدا میں چلے ہیں۔ یہی سلفی حضرات ہیں جو سلف کی پیروی کرتے تھے تبع تو لوگ سلفی کہلاتے ہیں۔ یہ ایک نئی اصطلاح ہے اور ایک نیا نام ہے۔

امام مالکؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :۔

قال مالك وهذا الامر عندنا والذى ادركت عليه اهل العلم ببلدنا.[۱]

ترجمہ. ہمارے ہاں بات یہی ہے اور اسی پر ہم نے اپنے علاقے کے اہل علم کو پایا ہے۔

مالکی حضرات عمل اہل مدینہ کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں احادیث کو گو وہ کتنی صحت رکھتی ہو حجت نہیں سمجھتے۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) اپنے مسلک کی قوت بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

ثم ان مذهبنا يترجح فى ذٰلك بوجه عظيم وهو المعقول وذالك ان مسجد النبى صلى الله عليه وسلم بالمدينة انقضت عليه العصور و مرّت عليه الازمنة والدهور من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى زمان مالك ولم يقرء احد فيه قط بسم الله الرحمٰن الرحيم اتباعًا للسنّة وهذا يرد احاديثكم.[۲]

ترجمہ. پھر ہمارے مذہب کو ایک اور وجہ عظیم سے بھی ترجیح حاصل ہے اور وہ بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ کی مسجد مدینہ پر کتنے زمانے گزرے اور اس پر کتنے زمانے آئے حضورؐ سے لے کر امام مالکؒ تک اور اس پورے عرصے میں ایک شخص بھی نماز میں بسم اللہ (اونچی آواز سے) پڑھتا نہیں پایا گیا۔ یہ سب اس سنّت قائمہ کے تحت ہوتا رہا جو وہاں قائم تھی۔ اس مسئلہ پر تمہاری

---

[۱] موطا امام مالک ص۲۸۷ [۲] تفسیر قرطبی جلد ۱ ص۹۶

پیش کردہ احادیث سب رد ہو جاتی ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ جن احادیث پر سلف صالحین کا عمل نہ ملے ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی احادیث از خود حجتِ ملزمہ نہ ہوں گی۔ احادیث سے سنت کی دریافت اسی طریق سے ہوتی ہے کہ اس پر ائمہ کا عمل نہ ملے۔

حضرت امام شافعی باوجودیکہ جگہ جگہ حدیث مرفوع متصل کے لیے پکارتے ہیں مگر انہیں بھی اسی ادرکت علیہ الناس کی لائن پر آنا ہوا۔ بیس رکعت تراویح کے سنتِ اسلام ہونے کا اس طرح پتہ دیتے ہیں:۔

قال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔[۱]

ترجمہ۔ امام شافعی کہتے ہیں اور اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں اہل علم کو بیس رکعت پڑھتے ہی پایا ہے۔

فقہ کے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے اپنے عقیدہ اہلسنت پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اس میں آپ نے بھی وقت کے اہل علم کے عمل سے استناد کیا ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:۔

وھذا مذھب اھل العلم وھذا الاثر اھل السنۃ المتمسکین بعروتھا المعروفین بھا المقتدی بھم فیما من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا ادرکت من علماء الحجاز والشام وغیرھم علیھا۔[۲]

ترجمہ۔ اہل سنت علماء اور محدثین جو سنت کے کڑے سے متمسک ہیں اور اسی عنوان سے معروف ہیں اور ان کی صحابہ کرام سے لے کر اب تک امت میں اقتداء جاری ہے میں نے علماء حجاز علماء شام اور مصر سب کو اسی طریقہ پر پایا ہے۔

حضرت امام احمد کی اس عبارت میں المقتدی بھم کے الفاظ اس دور کے دورِ تقلید

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۱ صہ ۹۹ [۲] تاریخ اہل حدیث از مولانا ابراہیم میر صہ ۲۲

کا پتہ دیتے ہیں. یہی تقلید ہے جس نے آگے جا کر ایک مستقل علمی ماخذ کا درجہ اختیار کیا.

آپ دیکھ آئے ہیں کہ امام شافعی کے پاس اس پر کوئی صحیح حدیث موجود نہ تھی کہ آنحضرتؐ نے ان تین راتوں میں جن میں آپ نے جماعت سے تراویح پڑھیں کتنی رکعات پڑھی تھیں. اس میں آپ اپنے پہلوں کے عمل پر بلا طلب دلیل چلے.

یہ دوسری صدی کی بات ہے. اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ہاں سلف صالحین کا عمل اس خلا کو پورا نہ کر رہا تھا. ایسا نہیں. حضرت عمرؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا عمل اتنا روشن تھا کہ صحابہؓ و تابعین اپنے آپ کو کسی اندھیرے میں نہ سمجھتے تھے اور سب اسلاف کا بیس رکعت تراویح پر عمل تھا اس وقت یہ کہیں سننے میں نہ آیا کہ پوری قلمرو اسلامی میں کسی مسجد میں گیارہ رکعت تراویح بالجماعت ادا کی گئی ہو. سلف کا بیس رکعت تراویح پر یہ عمل بتلاتا ہے کہ آج گیارہ رکعت تراویح پڑھنے والے سلفی نہیں ہیں نہ سلف میں سے یہ کسی کا عمل تھا.

حضرت امام ترمذی (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں :-

اکثر اهل العلم علی ما روی عن علی و عمر و غیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.[1]

ترجمہ. اکثر اہلِ علم جیسا کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے مروی ہے بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں یہی امام سفیان ثوری اور حضرت عبداللہ بن المبارک کا فیصلہ ہے. امام شافعی کہتے ہیں میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیسؔ رکعات پڑھتے ہی پایا ہے.

دیکھیے امام شافعی نے بیسؔ رکعات تراویح پڑھنے میں کس سے تمسک کیا ہے اپنے

---

[1] جامع ترمذی ص

سلف سے اور وہ بلا دلیل ان کی راہ پہ چلے ہیں. یہ بیس رکعت تراویح پڑھنا سلفیت ہے سلفیت اور حنفیت دونوں میں سلف سے تمسک کیا جاتا ہے. اس بات سے کسی صاحب علم کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں اسلاف کی بلا دلیل پیروی پائی جاتی ہے. فرق ہے تو صرف یہ کہ حنفیت میں ایک معیّن فقہ کی پیروی ہے اور سلفیت میں بڑے علماء کے لیے جیسے کہ امام محمد اور امام شافعی ہوئے کسی ایک فقہ کی پابندی نہ تھی. تاہم اس بات سے کسی صاحب علم کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلاف کی بلا دلیل پیروی بایں اعتماد کہ وہ قرآن وسنّت کے مطابق ہی چلے ہوں گے. ہرگز ہرگز کوئی عیب نہیں سمجھی گئی. یہ سلفیت ہو یا حنفیت، شافعیت ہو یا حنبلیّت.

حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، قاضی شوکانی اس پر متفق ہیں کہ جو تین رات آپ نے تراویح پڑھائیں ان کا عدد صحیح طور پہ جانا نہیں جا سکا.

برمنگھم کے غیر مقلدین نے جو یہ کہا ہے کہ سلفی وہ ہے جو سلف کی پیروی تو کرے لیکن کسی ایک محدث یا فقیہ کا پابند نہ ہو ہرگز درست نہیں سعودی علماء کرام سلف کے پیرو ہیں. لیکن وہ مقلد ہیں اور ایک امام پر جمع ہیں. جناب عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب "ہمارا مسلک" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:-

> ہم فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر ہیں. چونکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا طریقہ منضبط ہے. اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے...... ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں.[1]

اب تبلایئے کہ یہ ایک امام کی پیروی کرنا کیا سعودی علماء کو سلفی ہونے کے دائرہ سے نکال دے گا. اگر نہیں تو یہ غیر مقلدین پھر کسی پہلو سے اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں؟ سلفی کا یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی ایک محدث یا فقیہ کا پابند نہ ہو.

---

[1] ترجمہ از مولانا محمد اسماعیل غزنوی طبع ۱۹۲۷ء

غیر مقلدین تقریبا ایک مسلک کے ہیں اور اپنی مسجدوں میں آٹھ رکعات تراویح ان سب کا عمل ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی آٹھ پڑھنے کی تعلیم و تاکید کرتے ہیں۔ حالانکہ سلف صالحین میں کبھی کسی نے مسجد میں آٹھ رکعات تراویح جماعت سے نہ پڑھیں اور نہ مسجد حرام میں کسی رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھی گئیں نہ مسجد نبوی میں۔ پھر معلوم نہیں یہ غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو کس برتے پر سلفی کہتے ہیں۔ سلف صالحین تو مسائل مشہورہ میں کسی ایک مسلک پر نہ تھے۔ سلف میں ہر طرح کے عمل پائے جاتے تھے اور ان کے پیروؤں کا بھی دونوں طرف عمل تھا۔ حافظ ابن تیمیہ

فان السلف فعلوا هذا و هذا وكان كلا الفعلين مشهورا بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقرأة وبغير قرأة كما يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين في المواطن الثلثة وتارة بغير رفع وتارة يسلمون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرءون خلف الامام بالسر وتارة لا يقرءون وتارة يكبرون على الجنازة سبعا و تارة خمسا وتارة اربعا كان فيهم من يفعل هذا و فيهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة۔ [۱]

ترجمہ: سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے اور دونوں فعل ان میں مشہور و معروف رہے ہیں۔ بعض سلف نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے جیسے کبھی بسم اللہ نماز میں اونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی بسم اللہ بغیر جہر کے پڑھتے تھے۔ کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے اور کبھی نہ پڑھتے کبھی رکوع کو جاتے، رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت

---

[۱] رسالہ سنۃ الجمعۃ لابن تیمیہ ص ماخوذ از الانصاف لرفع الاختلاف ص۲۱ مطبوعہ ۱۹۱۰ء

رفعیدین کرلیا اور کبھی ان تینوں موقعوں پہ رفعیدین نہ کرتے. نماز پوری
ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے اور کبھی ایک طرف. کبھی امام کے
پیچھے قرأت کر لیتے اور کبھی نہ کرتے. نماز جنازہ پہ کبھی سات تکبیریں کہتے
کبھی پانچ اور کبھی چار. سلف میں ان میں سے ہر طریقے پہ عمل کرنے والے
تھے اور یہ سب اقسام عملِ صحابہؓ سے ثابت ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کا یہ بیان غیر مقلدین کے اس دعویٰ پہ ضرب کاری ہے کہ سلف صالحین
سب ایک فقہی طریق پر تھے اور اب بھی ان مسائل میں امت میں ایک ہی طریقہ قائم ہونا چاہیئے۔

جب دونوں طرح کے عمل اسلاف سے ثابت ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا پھر
دونوں طرف کے عاملین سلفی ہوئے یا نہ — سلف صالحین میں سے ہوتے یا نہ؟ — پھر کیا وجہ
ہے کہ ایک طریقے کے عاملین کو تو سلفی کہا جائے اور دوسری طرف کے اعمال کے سنّت ہونے
سے یکسر انکار کر دیا جائے. غیر مقلدین کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ سلفی کا لفظ صرف اپنے ہاں تو آنے
دیتے ہیں اور احناف و شوافع اور موالک و حنابلہ کے سلفی ہونے کا یکسر انکار کر دیتے ہیں — کیا
یہی انصاف ہے؟ لینے دینے کا ترازو ایک ہونا چاہیئے. حق یہ ہے کہ غیر مقلدین نے اپنے لیے
سلفی کا لفظ غلط اختیار کیا ہے. سلف میں ہر طریق عمل کے لوگ موجود تھے اور ان کے پیروؤں میں سے
کسی کے سلفی نہ ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے. سلفی کی یہ تعریف کرنا کہ وہ کسی ایک محدّث یا فقیہ
کی پیروی کے پابند نہ ہوں سلف کی پوری تاریخ سے ایک کھلا تصادم ہے. کوئی صاحب علم کبھی سلفی
کے یہ معنی نہ کرے گا.

یہ نہ سمجھ لیجے کہ ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین کا سلفی کہلانا سعودی عرب کے حنبلی علماء مغالطہ
دینے کے لیے ہے کہ ہم بھی مسائل غیر منصوصہ میں سلف کی بات بلا دلیل مانتے ہیں اور اس پر عمل
کرنا جائز سمجھتے ہیں. ہم یہ بات کیسے باور کرلیں کہ غیر مقلدین کے ہاں مسائل غیر منصوصہ میں سلف کی
بات بلا دلیل قبول کرنی جائز ہو گی. اگر نہیں تو وہ سلفی کیسے ہوئے؟ — یہ سب کے سوچنے

کی بات ہے۔

اُمید ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بیان کی روشنی میں اس دور کے اہلحدیث سلفی کہلانے سے یکسر رُک جائیں گے۔ جب وہ سلفی نہیں تو محض سعودی عرب کے مشائخ کو مغالطہ دینے کے لیے اپنے آپ کو سلفی کہنا یہ کس حدیث کی روشنی میں ان لوگوں نے جائز کر رکھا ہے اگر فرقہ اہلحدیث کے لوگ اپنے کو سلفی کہنے سے نہ رُکیں اور ان پتھروں پہ ان تاریخی حقیقتوں کا کوئی اثر نہ ہو تو ہم مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس فقرے سے آگے اور کچھ نہیں کہہ سکتے جسے مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب مرحوم کے صاحبزادے پروفیسر ابوبکر غزنوی نے آپ سے نقل نقل کیا ہے۔ جناب ابوبکر غزنوی نے فروری ۱۹۶۴ء کے ایک مضمون " فاران کی وادی تک" میں لکھتے ہیں :-

> مجھے معاً مولانا آزاد کا اہل حدیثوں کے بارے میں وہ فقرہ یاد آیا" ان پتھروں کو اگر میں ہزار برس بھی تراشتا رہوں تو اُن سے انسان کا بچہ نہیں پیدا نہیں کر سکتا۔[1]

جناب ابوبکر غزنوی نے مولانا آزاد کے اس جملے سے استدلال کیا ہے کہ انہیں سمجھ اور شعور کا بہت کم سلیقہ ملا ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا اپنے آپ کو سلفی کہنا بھی ان کی اسی قسم کی ایک بے سمجھی ہے۔

اگر نہیں تو وہ سلفی کیسے ہوئے ؟ اور اگر سلف کی بات بلا طلب دلیل ماننا جائز سمجھتے ہیں تو وہ غیر مقلد کیسے ہوئے ؟ یہ بات سب کے سوچنے کی ہے۔

غیر مقلدین کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا

رہا ان کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا تو یہ بھی تاریخی طور پر دُرست نہیں۔ مرو۔ نیشاپور۔

---

[1] فاران کا سلور جوبلی نمبر ۲۱۶ سال ۸۶ ۱۹ء

سمرقند اور سرخس میں مدتوں اس لفظ اہلحدیث سے شافعی حضرات مراد لیے جاتے رہے ہیں۔ سو یہ نام ان دنوں غیر مقلدین کے لیے کہیں نہ تھا نہ ان ادوار وسطی میں غیر مقلدین بطور ایک فرقہ کے کہیں موجود تھے۔ علامہ سبکی (ھ) لکھتے ہیں:۔

کان الشیخ ابو الفضل البلعمی ینتحل مذھب الحدیث قال ابن الصلاح،

اذا اطلقوا ھذا ھناک انصرف الی مذھب الشافعی۔ (طبقات)

شافعی حضرات کو وہاں خصوصیت سے اہل حدیث اس لیے کہتے تھے کہ حنفیوں کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ یہ اپنے استدلال میں قرآن کریم کو زیادہ لاتے ہیں۔ کتاب اللہ کو اصل رکھتے ہیں اور شافعی حضرات ظاہر حدیث کو زیادہ لیتے تھے اور اس طرف کم توجہ کرتے تھے کہ قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ سو شافعیوں کو صرف اس پہلو سے ان حلقوں میں اہل حدیث کہا جاتا رہا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ غیر مقلد دوستوں نے کس طرح یہ نام اپنے لیے پسند کر لیا اور یہ نہ سوچا کہ قرون وسطیٰ میں اہل حدیث کا لفظ بھی مقلدین ہی کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے ؎

سر خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

چوتھی صدی میں سندھ کے شہر منصورہ کے حوالہ سے بھی کچھ اہل حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے مراد بھی وہی شافعی حضرات ہیں جنہیں ظاہر حدیث پر عمل کرنے کے باعث اہلحدیث بھی کہا جاتا رہا ہے۔ اس سے مراد وہ گروہ نہیں جو آج برصغیر پاک و ہند میں ترک تقلید، آٹھ رکعت تراویح اور ایک مجلس کی طلاق ثلثہ کو ایک قرار دینے میں عوام میں ایک فرقے کا شہرت رکھتا ہے۔ یہ غیر مقلدین حضرات اس دور کے نہیں یہ بہت بعد کی پیداوار ہیں بقول نواب صدیق حسن خاں ابھی ابھی اُگے ہیں۔

جو لوگ پاک و ہند میں اہلحدیث کہلاتے ہیں انہیں عرب ممالک میں کہیں اہل حدیث نہیں کہا گیا۔ اولاً تو یہ کہ ان ممالک میں پائے ہی نہیں جاتے اور اب جب یہاں سے کچھ لوگ وہاں گئے ہیں تو وہاں وہ اپنا نام سلفی رکھتے ہیں۔ اہلحدیث کے نام سے وہاں اب بھی کوئی فرقہ موسوم نہیں ہے۔ سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عرب سیاح بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا کسی

ایسے طبقے کو اہلحدیث کہہ کر ذکر کرے اس نے شہر منصورہ کے باشندوں کو اگر اہلحدیث کہا ہے تو شافعی ہونے کے معنی میں کہا ہے غیر مقلدین کے معنی میں نہیں مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:۔

جو لوگ پاک و ہند میں اہلحدیث کہلاتے ہیں انہیں مشرق وسطیٰ میں سلفی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔[1]

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بیرونِ پاک و ہند اس فرقے کا تعارف اہلحدیث کے نام سے کبھی موجود نہیں رہا۔ سو عرب ممالک میں یا عرب سیاحوں کے ہاں جہاں بھی یہ لفظ پایا جائے گا یہ محدثین کے معنی میں ہوگا یا شافعی حضرات کے ذکر میں — غیر مقلدین کے ایک فرقہ کے طور پر نہیں۔ یہ یقیناً ایک نیا فرقہ ہے جو انگریزوں کی عملداری سے پہلے ہندوستان میں کبھی کہیں موجود نہیں تھا۔

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) بھی ایک جگہ اہلحدیث کا ذکر کرتے ہیں:۔

کما ھو قول الحنابلۃ وبعض اھل الحدیث۔[2]

یہ لفظ اہلحدیث کا استعمال کہاں ہو رہا ہے مصر میں، اسکندریہ میں، عرب ممالک میں سو جب یہ لوگ بقول مولانا مسعود عالم ندوی مشرق وسطیٰ میں کبھی اہلحدیث کے نام سے معروف نہیں ہوئے تو یہاں اس سے مراد یہ طائفہ غیر مقلدین کیسے ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ لفظ ان معنی میں خاص پاک و ہند کی پیداوار ہے اور یہ ان معنوں میں بس یہیں استعمال ہو سکے گا نہ کہ مصر اور اسکندریہ میں — ہاں محدثین کے معنی میں اس کا استعمال بے شک علمی دنیا میں بہت ملتا ہے اور اصطلاح قدیم میں اہلحدیث سے یہی مراد لیے جاتے رہے ہیں اور ہمیشہ سے یہ اہل علم کے ایک طبقہ کا نام رہا ہے جیسے اہل تفسیر اہل عربیت اہل حدیث اور اہل لغت اہل معانی۔ اس معنی کے سوا یہ لفظ اہل حدیث اگر کہیں استعمال ہوا ہے تو شافعی حضرات کے لیے — جیسا کہ علامہ سبکی ؒ نے لکھا ہے۔

---

[1] دیارِ عرب میں چند روز صـ [2] فتح القدیر جلد ۲ صـ ۲۹۴

برصغیر پاک و ہند کے غیر مقلدین نے اب اگر اسے اٹھالیا ہے تو یہ صرف مولانا محمد حسین بٹالوی کی تگ و دو سے — جنہوں نے انگریز سرکار سے اپنے لوگوں کے لیے اسے الاٹ کرایا تھا۔

ہمیں بار بار اس لفظ پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں. ہم آثار الحدیث جلد ۲ صـ میں اس پر قدرے بحث کر آئے ہیں. یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بقول حضرت الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اس آخری دور کے تارکین تقلید متبعین میں سے نہیں. مبتدعین میں سے ہیں. حضرت الشیخ خود مقلد تھے مبتدع نہ تھے اور اس نوزائیدہ فرقہ میں سے نہ تھے۔

حدیث اور فقہ میں امامت کیا صرف امام شافعیؒ کے نام ہے؟

بعض اہلحدیث (باصطلاح جدید) یہ کہہ دیتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں شافعی مذہب حدیث کے سب سے زیادہ قریب ہے. اس لیے بعض علاقوں میں شافعیوں کو اہل حدیث کہا جاتا رہا ہے. انہیں اہل حدیث کہنے سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث اور فقہ میں امامت صرف امام شافعیؒ کی مسلم رہی ہے. ہم کہتے ہیں ایسا نہیں. چاروں امام حدیث اور فقہ دونوں کے مسلّم امام گزرے ہیں اور چاروں کی اقتداء امت میں جاری ہوئی. حضرت الشیخ محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:۔

تامل رحمك الله ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه بعده و التابعون لهم باحسان الى يوم الدين وما عليه الائمة المقتدى بهم من اهل الحديث والفقه كابى حنيفة ومالك والشافعى واحمد بن حنبل رضى الله عنهم اجمعين لكى نتبع اثارها واما مذهبنا فمذهب احمد بن حنبل امام اهل السنة ولا ننكر على اهل المذاهب الاربعة اذا لم يخالف نص الكتاب والسنة واجماع الامة وقول جمهورها.[1]

---

[1] مولفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱ صـ ۱۰۶

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اسی کو لو جس بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور جس پر آپ کے صحابہؓ آپ کے بعد عمل پیرا ہوئے اور اس پر ان کے تابعین چلے اور جس پر اہل الحدیث والفقہ ائمہ کرام جن کی اقتدار امت میں جاری ہوئی چلتے آئے جیسے امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد تاکہ ہم ان کے قدموں کے نشانوں پر چلیں — رہا ہمارا مذہب سو وہ امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے اور ہم مذاہب اربعہ میں سے کسی پر نکیر نہیں کرتے جب تک اس میں قرآن و سنت کی کسی نص، اجماع امت اور قول جمہور کی مخالفت نہ ہو

دیکھئے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کس طرح واضح طور پر چاروں اماموں کو اہل الحدیث والفقہ کہا ہے چاروں اماموں کو اہل حدیث میں شمار کرنا ان کے بڑے محدث ہونے کا اقرار ہے یہاں لفظ اہل حدیث کہنے سے یہ مراد نہیں کہ ان دنوں کوئی فرقہ غیر مقلدین موجود تھا جسے اہل حدیث کہتے تھے حضرت شیخ کی اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دنوں امت میں ان ائمہ کی پیروی ہرگز بری نہ سمجھی جاتی تھی نہ کوئی تقلید کو ان دنوں حرام سمجھنے والا تھا یہ فرقہ غیر مقلدین ان کے بعد پیدا ہوا ہے اور یہ واقعی ایک نیا فرقہ ہے۔

مقلدین کے مقابل فرقہ مبتدعہ کا لفظ

مقلدین جو چاروں رستوں میں چلے فرقہ سب ایک رہے ہیں اور یہ اہل السنۃ کے نام سے معروف ہوئے انہوں نے ان مختلف مکاتب فقہ کے نام سے اپنی کوئی فرقہ بندی نہیں کی ان سلف کی پیروی کرنے والوں کو متبعین کہا جاتا ہے (اماموں کی اتباع کرنے والے) اور جو شخص سلف کی اس پیروی سے نکلے اور خود اجتہاد کا مدعی ہو اسے مبتدع کہتے تھے کہ اس نے اجماع امت کے خلاف ایک نئی راہ نکالی۔ بارھویں صدی تک تقلید پر امت کا اجماع تھا مقلدین

اور مجتہدین (وہ مجتہد فی المذہب ہوں یا مجتہد فی المسائل) کے سوا کوئی اور فرقہ کسی نام سے موجود نہ تھا۔

سلیمان بن سحیم نے جب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی پر ترکِ تقلید کی تہمت لگائی تو آپ نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو جو خط لکھا اس تقلید کی پرانی لائن سے نکلنے کو آپ نے صریح لفظوں میں بدعت قرار دیا ہے۔ سو اگر یہ فرقہ غیر مقلدین کوئی بدعتی فرقہ نہیں تو حضرت شیخ اپنے غیر مقلد ہونے کی نفی ان الفاظ سے کیوں کرتے ہیں کہ میں کوئی بدعتی نہیں ہوں۔ آپ لکھتے ہیں:

اخبرك انی و للہ الحمد متبع ولست بمبتدع عقیدتی ودینی الذی ادین بہ مذھب اھل السنۃ والجماعۃ الذی علیہ ائمۃ المسلمین مثل الائمۃ الاربعۃ واتباعھم الی یوم القیمۃ۔[1]

ترجمہ: میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں مقلد ہوں (پہلوں کی پیروی کرنے والا) اور بدعتی (غیر مقلد) نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور دین مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ہے جس پر سب ائمہ کرام جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے قیامت تک پیروی کرنے والے لوگ گامزن ہیں۔

پھر ایک خط میں جو آپ نے علماء مکہ کے نام لکھا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

فنحن و للہ الحمد متبعون غیر مبتدعین علی مذھب الامام احمد بن حنبل وحتی من البھتان الذی اشاع الاعداء انی ادعی الاجتھاد ولا اتبع الائمۃ۔[2]

ترجمہ: ہم بفضل خدا اماموں کی پیروی کرنے والے ہیں بدعتی نہیں ہیں (غیر مقلد نہیں ہیں) امام احمد بن حنبل کے طریقے پر ہیں اور اس بہتان سے پاک ہیں جو دشمنوں نے مجھ پر باندھ رکھے ہیں کہ میں مجتہد ہونے کا مدعی ہوں اور مقلد نہیں ہوں۔

---

[1] مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱ ص ۹۶ [2] ایضاً ص ۴۰

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل حدیث کے نام سے کوئی فرقہ موجود نہ تھا. ورنہ شیخ یوں کہتے کہ میں مقلد ہوں اہل حدیث میں سے نہیں ہوں شیخ کا یہ کہنا کہ میں مقلد ہوں بدعتی نہیں ہوں. پتہ دیتا ہے کہ ان دنوں ترک تقلید ایک بدعتی کی آواز سمجھی جاتی تھی. یہ لوگ ان دنوں محمدی یا موحد کے نام سے بھی کوئی وجود نہ رکھتے تھے نہ ان ناموں سے ان دنوں کوئی فرقہ موجود تھا.

اس نوزائیدہ فرقے کا پتہ برصغیر پاک و ہند کے سوا اور کہیں نہیں ملتا اور ہندوستان میں بھی یہ اس وقت پیدا ہوا جب انگریزی عملداری قائم ہو چکی تھی اور ہنوز یہ غیر مقلدین کسی ایک نام پہ جمع نہ ہوتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ انہیں سرکاری طور پر کسی ایک نام سے موسوم کیا جائے. مولانا محمد حسین بٹالوی اس مسئلے میں زیادہ مصلحت پسند نہیں رہے. وہ صاف کہتے ہیں کہ ہم نے یہ لفظ انگریزی سرکار سے اپنے لیے الاٹ کرایا ہے. پہلے ہمیں کبھی موحد کہتے تھے کبھی محمدی اور کبھی اہلحدیث. ہمارے فرقے کا کوئی ایک طے شدہ نام نہیں تھا.

سلفی کی اصل اصطلاح

سلفی کی اصطلاح پہلے دور میں ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتی تھی جو آیات صفات میں کسی تاویل کے قائل نہ ہوں. فقہ میں گو وہ حنفی ہوں یا شافعی یا مالکی یا حنبلی لیکن عقائد میں وہ اشاعرہ کی طرح کسی تاویل کو راہ نہ دیں اور آیات صفات کی صحیح مراد اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں. حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ لکھتے ہیں :-

وفی السلف رحمهم الله عن الجدال فی الله جل شانهٗ فی صفاته واسمائه[1]

ترجمہ. سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء میں بحث کرنے سے منع کیا ہے.

---

[1] جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۳

امام جعفر صادقؒ کیسی حقیقت پسندانہ بات کہہ گئے:۔

الناظر فی القدر کالناظر فی عین الشمس کلما ازداد نظراً ازداد حیرۃً[1]

ترجمہ۔ تقدیر پر بحث کرنے والا ایسا ہے جیسا عین سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے والا جتنا دیکھتا جائے گا اس کی حیرت بڑھتی جائے گی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک ایسی بحث میں لکھتے ہیں:۔

یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبدا، اس کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبدء کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات سے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں۔ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر۔ نہ صرف سمع و بصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ صفت باعتبار اپنے مبدا، و غایت کے ثابت ہے۔ مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کے ماوراء العقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو ..... رہا استواء علی العرش کا مبدأ اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا چاہیئے جو ہم سمع و بصر وغیرہ کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو[1]

سلفی کی اصل اصطلاح اس عقیدہ والوں کے لیے تھی گو فقہ میں وہ کسی امام کے پیرو ہوں غیر مقلدین حضرات اگر اس جہت سے اپنے کو سلفی کہیں تو پھر مولانا ثناء اللہ امرتسری کو وہ سلفی نہیں کہہ سکتے۔ اس کی تفصیل آپ کو فیصلہ مکہ میں مل سکے گی۔ یہاں ہم صرف طلبہ کو اس اصطلاح سے شناسا

---

[1] تفسیر سورۃ اعراف صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴

کرنا چاہتے ہیں کہ قطع نظر اس سے کہ کون سلفی ہے اور کون نہیں ؟ لیکن یہ بات اپنی جگہ پختہ ہے کہ بر منگھم کے اس ماہنامہ نے سلفی کے جو یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ کسی مخصوص محدث یا فقیہ پر جمع نہ ہوں، سراسر غلط ہے۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالجلیل سامرودی نے اپنے عہد کے تمام اہل حدیث علماء کو سلفی ہونے سے نکال دیا تھا آپ نے کہا ان میں بھی اکثریت موجود ہے۔

> میں اپنے ہم عصر علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میری اس بات کو غلط ثابت کریں کہ کیا آپ لوگ اشعری اور ماتریدی کے پابند نہیں پھر تمہیں اہلحدیث خالص کہلاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

ترک تقلید سے امت میں اتحاد پیدا ہوا یا انتشار؟

ترک تقلید سے انسان میں جو آزادی پیدا ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں ہر انسان کی سوچ اور فکر اپنی اپنی ہوگی۔ احادیث بھی اسے ایک راہ پر نہ رکھ سکیں گی کیونکہ احادیث کا آپس میں بہت اختلاف ہے اور ہر جگہ ترجیح نہیں چلتی، کئی جگہ تطبیق بھی دینی پڑتی ہے۔ ائمہ میں جو اختلاف ابھرے وہ انہی احادیث کی بناء پر ہی تو تھے۔ سو اگر تقلید کی جائے تو امت میں اتنے اختلافات نہ ابھریں گے کہ پھر ان کو سمیٹا نہ جا سکے گا۔ اور اس پر کئی سابق تجربے گواہ ہیں مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۸۸۸ء کے اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ صفحہ ۴ پر اپنے پچیس برس کے تجربے کا حاصل یہی بتایا ہے کہ مطلق ترک تقلید سے امت میں آوارگی پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ دین جاتا رہتا ہے۔

ائمہ اربعہؒ سے پہلے تقلید کس طرح جاری تھی؟

حضرت قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں ہم ایک دفعہ احرام باندھے کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں سامنے سے ایک ہرن گزرا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اسے ایک پتھر مارا۔ آپ کا ارادہ سے مارنے کا نہ تھا مگر وہ مر گیا۔ اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ احرام کی حالت میں کسی جانور

کو مارنا کیسا ہے؟ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا. آپ نے فرمایا تم نے عمد اور خطاء کو جمع کر دیا ہے.

عمد کی صورت میں کفّارہ لازم آتا ہے خطاء کی صورت میں صدقہ. لیکن یہ عجیب صورتحال تھی. عمد اور خطا جمع ہو گئے تھے. جب کچھ تردد پیدا ہو جائے. اس کا فائدہ قصور وار کو پہنچنا چاہیئے. آپؓ نے انہیں صدقہ کا حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو دے دیا جائے.

یہ حضرات بھی اہل علم تھے وہاں تو نہ بولے لیکن واپس آتے ہوئے آپس میں کہنے لگے حرم میں جانور کا قتل بڑا سنگین معاملہ ہے ہمیں کفارہ دینا چاہیئے اور ایک اونٹ ذبح کرنا چاہیئے. حدیث میں یہ مسئلہ کہیں مذکور نہ تھا کہ یہ حضرات اس کے مطابق فیصلہ کرتے. سو اب اجتہاد سے چارہ نہ تھا. یہ حضرات اپنا اجتہاد کریں یا حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر عمل کریں.

یہ صرف تقلید اعلم کا مسئلہ نہ تھا حضرت عمرؓ امام فقہ تھے. بلا دلیل اگر کسی کا قول قبول کیا جائے تو وہ قول کسی بڑے عالم کا ہونا چاہیئے. جتنا کسی کا علم اونچا ہو گا اتنا اس پر اعتماد پختہ ہو گا. کہ اس کے فیصلے میں کتاب و سنّت کی روح کار فرما ہو گی. کسی کی بات بلا دلیل ماننی ہے تو پھر وہ کسی بڑے امام کی بات ہونی چاہیئے. حضرت ابن جابرؓ کہتے ہیں کہ ہماری بات کی حضرت عمرؓ کو خبر ہو گئی. آپ غصہ میں بھرے تشریف لائے اور کوڑے مارنے لگے. آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا:

قتلت فی الحرم وسفهت الحکم وتغمص الفتیا.[1]

ترجمہ. تُو نے جانور کو حرم میں مارا. میرے حکم کو بے وقوفی سمجھا اور اس فقہی فتوے کو نظر انداز کر دیا (یہ کوڑے اس کی سزا ہیں).

معلوم ہوا جس مسئلہ کے بارے میں قرآن و سنّت کا منصوص فیصلہ نہ ملے اس میں صحابہؓ بھی فقہ سے کام لیتے تھے. امام کے فتویٰ کو معمولی سمجھنا ان کے ہاں ایک قابلِ تعزیر جرم تھا ایسے

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۳۰

مسائل میں صرف اتباعِ عالم کافی نہیں. شیرازۂ امت کو بندھا رکھنے کے لیے تقلیدِ علم کی ضرورت ہے،

عہدِ صحابہؓ میں تقلید کی ایک اور مثال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص پر ایک معین مدت کا قرض ہے صاحبِ مال کو ضرورت پڑی. وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اپنی رقم واپس مانگتا ہے اور اس قبل از مدت لینے کے بدلے اپنا کچھ مال چھوڑتا ہے. کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے ؟

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں :-

فکرہ ذلك ونھی عنه .

ترجمہ. آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اس سے اُسے روک لیا.

سائل نے آپ سے اس قول کی دلیل نہیں پوچھی. نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر کوئی دلیل بیان کی. یہی تقلید ہے کہ مجتہد کے علمی اعتقاد پر کوئی مقلد اس کے قول پر عمل کرے.

سوال : اگر اس دور میں صحابہؓ کی تقلید ہوتی تھی تو آج بھی انہی کی تقلید چاہیئے. یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیوں اختیار کی گئی ہے ؟

جواب : صحابہ کرامؓ بے شک اُونچے درجے کے امام فقہ تھے مگر ان کا مذہب اپنے جملہ اصول و فروع کے ساتھ مدون نہیں ہوا. بطور ضابطہ کے تقلید ان ائمہ علم کی ہونی چاہیئے جن کا مذہب اصول و فروع میں مدون ہو چکا ہو اور ضرورت کے ہر موقع پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے اس امت میں اس پیرائے میں جو مذاہب مدون ہوئے وہ صرف چار ہی ہیں.

پھر ان ائمہ علم کے اپنے فیصلوں میں پہلے دور کے ائمہ علم (حضرت عمرؓ. حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ. حضرت عبداللہ بن عباسؓ) کی پیروی موجود ہے. حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو فیصلے ہمیں صحابہؓ سے ملیں ہم انہیں بسر و چشم قبول کرتے ہیں. سو آپ کی فقہ از خود صحابہؓ کی فقہ کو شامل ہے.

غیر مقلد لوگ جب ہمارے دلائل سے تنگ آجاتے ہیں تو بعض اوقات سوال کر دیتے ہیں کہ اچھا بتاؤ امام ابو حنیفہؒ خود کن کے مقلد تھے؟ ہم کہتے ہیں وہ مجتہد تھے مقلد نہ تھے لیکن اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ وہ خود بلا طلب دلیل کن کی بات مانتے تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ صحابہؓ کی۔ حضرت مولانا معین اجمیریؒ نے بجا لکھا ہے:۔

امام اعظمؒ حضرت فاروق اعظمؓ کے مقلد ہیں [1]

آگے یہ اللہ رب العزت کی حضرت امام ابو حنیفہ پر عنایت ہے کہ اُن کا مذہب اصول و فروع میں اس طرح مدون ہوا ہے کہ اس کی علمی دنیا میں اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کے قریب قریب اور کسی امام کے مذہب کی تدوین پہنچتی ہے تو وہ فقہ شافعی ہے۔ سو اس امت میں مسائل غیر منصوصہ میں اگر کوئی مذہب فقہی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں تو وہ یہ مذاہب اربعہ ہی ہیں اس امت میں ایسے مواقع میں صرف انہی کی پیروی جاری ہوئی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں کی گواہی کہ یہ ایک نوزائیدہ فرقہ ہے

نواب صدیق حسن خاں صاحب غیر مقلد تھے اور شیخ عبد الوہاب نجدی کے سخت مخالف تھے۔ ان کا حضرت شیخ پر سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ آپ مقلد کیوں ہیں، بایں ہمہ آپ کو کھلا اعتراف تھا کہ فرقہ غیر مقلدین ایک نیا فرقہ ہے جو ابھی انگریزی عہد میں اٹھا ہے اور اپنے لیے عمل بالحدیث کا مدعی ہے۔ آپ الحطہ میں لکھتے ہیں:۔

فقد نبتت فی ھذا الزمان فرقۃ ذات سمعۃ ورياء تدعی لانفسها علم الحديث والقرآن والعمل بهما مع الغلاۃ فی کل شان مع انها ليست فی شئ من اهل العلم والعمل والعرفان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فما هذا دين ان هذا الا فتنة فی الارض وفساد كبير [2]

---

[1] القول الاظہر ص۲ [2] الحطہ ص۱۵۳ ص۱۵۵

ترجمہ۔ اس زمانے میں یہ ریاکار فرقہ ابھی اُگا ہے جو دوسرے غالیوں کے ساتھ قرآن و حدیث پر عمل کا مدعی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انہیں علم وعمل اور اس کی معرفت سے کچھ حاصل نہیں ۔ ۔ ۔ یہ مذہب زمین میں ایک بڑے فتنے اور فساد کبیر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

مشرق وسطیٰ میں ان کا تعارف صرف سلفی نام سے ہے

ہندوستان میں تو ان کی ترکِ تقلید کی صدا کسی حد تک سُن لی گئی۔ لیکن مشرق وسطیٰ میں ان کا اس پہلو سے تعارف بہت مشکل تھا۔ وہ قوم ہی کیا جو اپنے سے پہلوں کی راہ پر نہ ہو۔ عرب دنیا سب مقلدین سے بھری تھی۔ سعودی عرب میں بھی علماء آل شیخ حنبلی تھے۔ ان غیر مقلدین کو وہاں بطور غیر مقلد پاؤں دھرنے کی جگہ نہ مل سکتی تھی۔ سو اب انہوں نے سلفی کا عنوان اختیار کیا۔ سلفی سے مراد سلف کی مطلق تقلید کرنے والے سمجھے گئے۔ سو اب یہ طبقہ بایں طور صرف تقلید معین کا مخالف سمجھا جاتا رہا۔ سو اس عنوان سے یہ لوگ سعودی عرب کے حنبلی علماء کے بہت قریب ہو گئے۔ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں :-

> جو لوگ پاک و ہند میں اہل حدیث کہلاتے ہیں انہیں مشرق وسطیٰ میں سلفی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔[1]

عرب ممالک میں یہ نام بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ یہ اس لیے کہ سلف صالحین کی پیروی کے بغیر ان کا پٹرول کی نوازشات سے متمتع ہونا بہت مشکل تھا۔ پٹرول نکلنے سے پہلے انہوں نے کہیں وہاں یہ سلفی نام پایا ہو۔ تاریخ اس کا پتہ نہیں دیتی۔

---

[1] دیارِ عرب میں چند روز صہ

سلفی کی اصطلاح سعودی عرب میں

سعودی عرب کے علماء و مشائخ آیاتِ صفات میں کسی تاویل و تشریح کے حق میں نہیں ہیں اور تاریخ میں ایسے علماء کو بے شک سلفی کہا گیا ہے لیکن غیر مقلد سلفی کی جس اصطلاح کے ساتھ عرب ممالک میں داخل ہوئے اس نے وہاں کے بعض علماء پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں لفظ سلفی میں گو مطلق تقلید کا انکار نہ تھا لیکن بڑوں کی مخالفت اور ان سے بغاوت ان اہلحدیث (باصطلاح جدید) کی سرشت بن چکی تھی. سو اب جہاں جہاں ان غیر مقلدوں کا اختلاط عام ہوا، ان سے متاثر ہونے والے خود اپنے اکابر علماء کے خلاف اُٹھنے لگے. سعودی عرب کے جو طلبہ بھی ان غیر مقلدین کے قریب ہوئے ان میں اطاعت اولی الامر کا وہ احترام باقی نہ رہا، جو ہونا چاہیئے اور ان کی زبانیں اب اپنے اکابر علماء کے خلاف بھی اٹھنے لگیں. سعودی عرب میں غیر مقلدین کی پذیرائی کے یہ فطری اثرات تھے. اس اعتبار سے سلفی کی اصطلاح ان ممالک میں اب ایک نیا رُخ اختیار کر گئی.

سندھ کے سلفیوں کی خانہ کعبہ پر قبضہ کرنے کی مہم

کسے معلوم نہیں کہ سندھ کے غیر مقلد عالم بدیع الدین شاہ آف پیر جھنڈا جب سعودی عرب میں مقیم تھے تو سلفیوں نے خانہ کعبہ پر قبضہ کرنے کے لیے ایک شخص کو وہاں مہدی بنا کر کھڑا کر دیا تھا. بدیع الدین پیر جھنڈا کا داخلہ اب وہاں کیوں بند ہے؟ اپنے اولی الامر کے خلاف بغاوت کا یہ انداز خاص اس سلفی ذہنیت کا نتیجہ ہے جو غیر مقلدین کے اس طبقے نے وہاں پیدا کی — پھر ابھی ۱۹۹۴ء میں بریدہ میں کتنے سلفی اُٹھے جنہوں نے سرعام اپنے اکابر علماء کے خلاف تقریریں شروع کر دیں. ان میں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز جیسی محترم شخصیت کا بھی لحاظ نہ کیا گیا اور ان سلفیوں نے جو اب سلف کی اصطلاح کے مطابق سلفی ہرگز نہیں، ان

کی سلفیت یہاں ایک نئے روپ میں ابھری۔ وہاں جو صورت اختیار کی گئی ہرگز یہ عمل بالحدیث تھا۔ اگر انہیں حدیث کا علم ہوتا تو یہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے کبھی یہ سرکشی نہ کرتے۔

من رای من امیرہ شیأً یکرھہ فلیصبر۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۱۲۸)

برصغیر پاک و ہند میں ان لوگوں نے (اہلحدیث باصطلاح جدید) پہلے ائمہ اربعہ کی پیروی سے سرکشی کی — پھر صحابہ کرامؓ پر انہوں نے کھلی تنقید کی۔ اب جب یہ سلفی کی اصطلاح کے سایہ میں عرب ممالک میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں بھی اپنے اسی ذوق کی پرورش کی اور نتیجہ سامنے آکر رہا۔ یہاں تک کہ حکومت نے پھر ان پر سختی کی اور ان کی تادیب کی — اور ہم نہیں سمجھتے کہ جب تک علماء و مشائخ ان غیر مقلدین سے (اہل حدیث باصطلاح جدید سے) اسی طرح احتراز نہیں برتتے جس طرح پاک و ہند کے حنفی علماء و مشائخ ان سے بچتے ہیں، سعودی عرب کا علمی ماحول سلفیوں (باصطلاح جدید) کے ان زہریلے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

سعودی علماء اہل سنت ہیں اہل حدیث (باصطلاح جدید) نہیں۔ ان کے ہاں تبھی سنت منتج ہے جب صحابہؓ کا عمل اس کے ساتھ ہو۔ غیر مقلدین کے ہاں عمل صحابہؓ حجت نہیں وہ ان پر کھلی تنقید کرتے ہیں۔ سعودی علماء فقہ کے چار مذاہب کو اسلام کی وسعتِ عمل سمجھتے ہیں اور غیر مقلدین ان مذاہب کو اپنے لیے ایک مصیبت قرار دیتے ہیں۔ سعودی علماء حنبلی فقہ پر سعودی عرب کا پورا نظام چلا رہے ہیں۔ پاکستان کے غیر مقلد علماء پاکستان میں اسلامی نظام کی ہر پیش رفت کو یہ کہہ کر سبوتاژ کر رہے ہیں کہ ہمیں یہاں کسی فقہ کی ضرورت نہیں۔ پاکستان کی اکثریت جب بھی فقہ حنفی کے نام سے اٹھتی ہے غیر مقلد علماء جھٹ اس کے خلاف ہو جاتے ہیں وہاں مختلف فقہوں کے مابین کوئی لڑائی نہیں یہاں غیر مقلدین آئے دن ان فروعی مسائل پر مناظرہ کرتے رہے ہیں۔

پاکستان میں سعودی عرب کے حنبلی علماء کے بارے میں بہت اچھے اثرات پائے جاتے ہیں اور یہاں کے عوام اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سعودی حکومت وہاں دوسرے مذاہب

ف صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۱۲۸

حنفیوں، مالکیوں اور شافعیوں) کو بھی اپنے تعلیمی اداروں میں برابر کی حیثیت دیتی ہیں اور وہاں ایسے مسائل پر کہیں فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اہلحدیث) حضرات نے نہ صرف فروعی مسائل میں فرقہ بندی کر رکھی ہے۔ بلکہ ان فروعی امتیازات پر اپنی مسجدیں بھی علیحدہ بنا رکھی ہیں۔

غیر مقلدین کی یہاں پوری کوشش ہوتی ہے کہ سعودی علماء و مشائخ کو اپنا ہمخیال ظاہر کریں اور یہاں اہلسنّت والجماعۃ اپنے عوام کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ سعودی و مشائخ کو ان غیر مقلدین کے آئینہ میں نہ دیکھیں انہیں اہل السنّۃ والجماعۃ میں شمار کریں اور حنفی اور حنبلی نقطہ کے اس اجتماعی نقطہ پر ہمیشہ نظر رکھیں کہ دونوں کے دونوں کے ہاں صحابہؓ کا عمل حجت ہے اور یہ کہ اہلسنّت فقہیات میں صحابہؓ کو نظر انداز کر کے کبھی نہیں چل سکتے۔

اہل السنّۃ والجماعۃ صحابہؓ کو نہیں چھوڑ سکتے

سلف میں اہل السنّۃ والجماعۃ وہی لوگ مانے جاتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو اہل حق سمجھتے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ فروعِ اعمال اور اجتہادی امور میں ایک دوسرے سے مختلف بھی رہے اب جب بھی کسی کی پیروی کی دوسرے کے عمل کے خلاف ہوگا اور یہ خلاف اسے اہل السنّۃ والجماعۃ میں رہنے نہ دے گا۔

ایسا نہیں۔ اس کا عمل اگر اس دوسرے صحابی کے خلاف ہے تو وہ اس دوسری صورتِ عمل کو بھی حق سمجھے اسے باطل نہ جانے اور صحابہؓ کے اس اختلاف کو وسعتِ عمل پر محمول کرے اور ہر راہِ عمل کو لائق اجر سمجھے۔ اس صورت میں وہ صحابہؓ کی راہ چھوڑنے والا شمار نہ ہوگا — اسی عقیدہ کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ائمہ اربعہ کے اختلافات کو باقی رکھا۔ تاکہ کسی صحابی کے عمل پر باطل ہونے کا اطلاق نہ ہو سکے۔

امتی اگر صحابہؓ کے اختلافات کو یکسر چھوڑ کر صرف عمل رسالت کی تلاش کرے اور اس پہ کرے تو اس صورت میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ شخص ان صحابہؓ کے بارے میں کیا سمجھتا ہے ؟ کیا وہ جان بوجھ کر عمل رسالت کے خلاف چلے ہیں ؟ سو اس صورت میں بھی وہ شخص صحابہؓ کے بارے میں بدگمان بنے گا اور اہل حق میں سے نہ رہے گا۔ اس ساری الجھن سے نکلنے کی صرف ایک ہی راہ ہے کہ صحابہؓ کے مختلف اعمال میں سے صرف ایک کو حق نہ جانے صحابہؓ کے اعمال کی سب صورتوں کو حق سمجھے اور خطا کی صورت میں بھی اس عمل کو ایک اجر کا مستوجب جانے۔ اہل السنۃ والجماعۃ جب کہتے ہیں کہ ہم صحابہؓ کو چھوڑ نہیں سکتے تو وہ اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ اپنی جگہ سب صحابہؓ برحق تھے اور ان کی پیروی میں ائمہ اربعہ بھی اپنے سب اختلافات کے باوجود حق پر ہیں۔ انہوں نے اپنے یہ اختلافات اوپر سے ہی لیے ہیں خود نہیں بنائے۔ ہر صحابی اپنے ہر اجتہادی فیصلے پر ماجور رہے۔ اجر ایک ہو یا دو یہ اللہ تعالیٰ کو ہی بہتر معلوم ہے۔

تم المجلد الاول من الکتاب المستطاب المسمی باثار التشریع الاسلامی

ویتلوہ المجلد الثانی ان شاء اللہ العزیز

مشہور اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں :-

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور نہ صحابہ اور تابعین کی قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف جو تفسیر آ چکی اس کو بھی نہیں سنتے۔

(لغات الحدیث۔ مادہ شعب)